الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور

عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ

(مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی،علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد بابر علی

پی ایچ ڈی سکالر،شعبہ اسلامی فکر وثقافت

رجسٹریشن نمبر: 681A-PhD/IS/S17

شعبہ اسلامی فکر وثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

2024-2017

الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور

عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ

(مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد بابر علی

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

رجسٹریشن نمبر: 681A -PhD/IS/S17

نگران مقالہ

ڈاکٹر ارم سلطانہ، اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر وثقافت

نمل، اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر وثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2017-2024

©(محمد بابر علی)

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defence Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور (عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ)

The Concept of Family System in Revealed Religions
(A Comparative Study in Contemporary Context)

نام ڈگری: **ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار : محمد بابر علی

رجسٹریشن نمبر 681A-PhD/IS/S17

ڈاکٹر ارم سلطانہ

(نگران مقالہ) _____ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) _____ دستخط صدر شعبہ علوم اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) _____ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی (ہلال امتیاز ملٹری)

(ریکٹر نمل) _____ دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: _____

حلف نامہ فارم

میں محمد بابر علی ولد حاجی صابر علی رجسٹریشن نمبر :PD-IS-AS17-ID-10

طالب علم،پی ایچ۔ڈی،شعبہ علوم اسلامیہ،نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان : **الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ**

The Concept of Family System in Revealed Religions
(A Comparative Study in Contemporary Context)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے،اور **ڈاکٹرام سلطانہ صاحبہ** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے ،راقم الحروف کا اصل کام ہے،اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے ، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہےاور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: محمد بابر علی

دستخط مقالہ نگار:۔۔۔۔۔۔۔

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

ABSTRACT

The Concept of Family System in Revealed Religions (A Comparative Study in Contemporary Context)

Family is an integral part of a society. A society cannot stable without a strong and healthy family system. Faintness in a family system results in weakness of a social life. Family and society both are backbone of each other.

A family system is a group of people living in one household who share a common familial history and look after each other's physical and emotional needs.

There are several types of family systems. One common type is the nuclear family system, which is characterized by a couple who is raising children together.

In its most basic form, a family system consists of one or two parents and their children, whether they are biological or were adopted, perhaps considered half siblings or step siblings. Other members of a family system may include grandparents, aunts, uncles, and cousins.

The concept of family system in revealed religions, such as Islam, Christianity, Judaism, and others, plays a vital role in shaping the beliefs, values, and practices of their adherents. Here's a brief overview:

1. Islam: Emphasizes the importance of family and considers it a fundamental unit of society. The Quran and Hadith provide guidance on family relationships, inheritance, and responsibilities.
2. Christianity: Views family as a sacred institution created by God. The Bible teaches love, respect, and submission within family relationships
3. Judaism: Places great emphasis on family and community. The Torah and Talmud provide guidance on family laws, traditions, and responsibilities.

Common themes across these religions include:

- Respect for parents and elders
- Importance of marriage and family unity
- Responsibilities towards family members
- Inheritance and property rights
- Care for children, the elderly, and vulnerable members
- Forgiveness and reconciliation within family relationships

These religions provide guidance on building strong, harmonious families, which are seen as essential for individual and societal well-being.

This paper concludes that Islam is the religion which gives strong ideological foundations for a healthy family system. Islamic family system based on moral, ethical values. Each family member within the system has his own obligations, duties and status.

Keywords: Revealed Religions,Family,Guidance on strong base and Peace.

ملخص مقالہ

الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کو انسانی معاشرت کا بنیادی ستون قرار دیا گیا ہے، جو نہ صرف افراد کی اخلاقی و روحانی تربیت کا ذریعہ ہے بلکہ سماجی استحکام اور ترقی کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ نظام والدین، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی اور دیگر رشتہ داروں کے درمیان محبت، عزت، تعاون اور حقوق و فرائض کی ادائیگی پر مبنی ہوتا ہے۔ الہامی تعلیمات میں خاندان کو ایک مقدس ادارہ تصور کیا جاتا ہے، جہاں ازدواجی رشتوں میں وفاداری، باہمی مشاورت، صبر، اور ایثار کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ بچوں کی تربیت کو ایک اہم ذمہ داری سمجھا جاتا ہے، جس کے ذریعے نہ صرف فرد بلکہ پورا معاشرہ بہتر انداز میں پروان چڑھتا ہے۔

خاندانی نظام کی کئی قسمیں ہیں۔ایک عام قسم جوہری خاندانی نظام ہے، جس کی خصوصیت ایک ایسے جوڑے کی ہوتی ہے جو ایک ساتھ بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔اپنی سب سے بنیادی شکل میں، ایک خاندانی نظام ایک یا دو والدین اور انکے بچوں پر مشتمل ہوتا ہے، چاہے وہ حیاتیاتی ہوں یا گود لیے گئے ہوں، جنہیں بہن بھائی سمجھے جاتے ہیں۔ خاندانی نظام کے دیگر ارکان میں دادا دادی، خالہ، چچا اور کزن شامل ہو سکتے ہیں۔

یہ مذاہب خاندانی نظام کو درپیش چیلنجز، جیسے والدین اور اولاد کے درمیان خلا، ازدواجی مسائل، اور سماجی تغیرات کے حل کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ خاندانی تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے باہمی گفتگو، ہمدردی، اور دوسروں کے حقوق کا احترام بنیادی عناصر قرار دیے گئے ہیں۔ الہامی تعلیمات میں بزرگوں کا احترام، یتیموں اور کمزور افراد کی کفالت، اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے تاکہ ایک متوازن اور مستحکم معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔ خاندانی نظام صرف ایک سماجی ڈھانچہ نہیں بلکہ ایک ایسا فطری اور روحانی انتظام ہے جو معاشرے میں ہم آہنگی، انصاف اور محبت کو فروغ دیتا ہے۔

مذاہب ثلاثہ میں مشترکہ موضوعات مثلا والدین اور بزرگوں کا احترام، شادی اور خاندانی اتحاد کی اہمیت خاندان کے افراد کی باہمی ذمہ داریاں، وراثت اور جائیداد کے حقوق، بچوں، بوڑھوں اور کمزور اراکین کی دیکھ بھال، خاندانی تعلقات میں معافی اور مفاہمت یہ مذاہب مضبوط، ہم آہنگ خاندانوں کی تعمیر کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں، جنہیں انفرادی اور سماجی بہبود کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

کلیدی الفاظ: الہامی مذاہب، خاندان، عصری تناظر، تقابلی مطالعہ

فہرست عنوانات

.1	مقالہ اور دفاع کی منظوری کا فارم	1
.2	حلف نامہ	2
.3	(Abstract)	3
.4	ملخص مقالہ	4
.5	فہرست عنوانات	5
.6	اظہار تشکر	7
.7	انتساب	8
	باب اول:موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث	9
.8	**فصل اول:تعارف اور ضرورت واہمیت**	10
.9	**فصل دوم:دراسہ سابقہ اور جواز تحقیق**	14
.10	**فصل سوم:مقاصد،سوالات اور منہج تحقیق**	20
.11	**باب دوم: خاندانی نظام کا تعارف اوراس سے متعلق اہم مباحث**	22
.12	فصل اول:خاندانی نظام کاتعارف	23
.13	فصل دوم: خاندان کی ضرورت واہمیت	41
.14	فصل سوم: خاندان کا آغازوارتقاء	52
.15	**باب سوم:** یہودیت میں خاندانی نظام کا تصور	60
.16	فصل اول: یہودیت میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام	61
.17	فصل دوم: افرادخاندان کے حقوق وفرائض	90
.18	**باب چہارم:** مسیحیت میں خاندانی نظام کا تصور	95

.19	فصل اول: مسیحیت میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام	96
.20	فصل دوم: افراد خاندان کے حقوق و فرائض	131
.21	**باب پنجم: اسلامی خاندانی نظام کا تصور**	135
.22	فصل اول: اسلام میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام	136
.23	فصل دوم: میاں بیوی کے حقوق وفرائض	191
.24	فصل سوم: والدین،اولاد اوردیگر افراد خاندان کے حقوق وفرائض	196
.25	**باب ششم: عصر حاضر میں الہامی مذاہب کی روشنی میں خاندانی نظام کا تقابلی مطالعہ**	205
.26	فصل اول: الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کے مشترکات و مختلفات	206
.27	فصل دوم:الہامی تعلیمات کی روشنی میں درپیش خاندانی مسائل کا حل	229
.28	**حاصل کلام**	245
.29	**نتائج تحقیق**	247
.30	**تجاویز وسفارشات**	251
.31	**فہرست قرآنی آیات**	254
.32	**فہرست احادیث نبویہ**	258
.33	**فہرست مصادر ومراجع**	259

اظہار تشکر

الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور الإیمان،وشرح صدور الصادقین بالتوحیدوالإیقان وصلی الله تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں درود و سلام پیش کرنے کے بعد !

اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے یہ تحقیقی کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔میں شکر گزار ہوں اپنی نگران مقالہ ڈاکٹرارم سلطانہ صاحبہ کا جنھوں نے میری مسلسل راہمائی فرمائی اور میرے تحقیقی کام میں مجھے مفید مشوروں سے نوازا۔ان کے ساتھ میں شکر گزار ہوں ڈاکٹر عبد الغفار بخاری(سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل)،ڈاکٹر نورحیات خان صاحب اور ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کا جنہوں نے موضوع کے انتخاب اور خاکہ تحقیق کی تیاری اور ابتدائی تحقیقی کام کو دیکھا اور میری رہنمائی فرمائی ۔ میں اپنے دیگر اساتذہ کرام خصوص بالخصوص ڈاکٹر ریاض احمد سعید(صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل)کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالہ ہذا کے متعلق انتخاب موضوع سے تکمیل مقالہ تک لمحہ بالمحہ میری راہنمائی فرماتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازا۔

میں شکر گزار ہوں اپنی والدہ محترمہ کا جن کی دعائیں ہر وقت میرے ساتھ ہوتی ہیں اور حصول علم کے لیے میرا حوصلہ بلند کرتی ہیں اور میں شکر گزار ہوں اپنے بہن بھائیوں کا جنھوں نے میرے ساتھ تعاون کیا اور میرے تحقیقی کام میں ہر ممکن مدد کی۔میں شکر گزار ہوں اپنے تمام دوستوں کا جن کی دعائیں میرے ساتھ رہتی ہیں ،بالخصوص ڈاکٹر حافظ محمد ظفر اقبال جلالی صاحب،پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسلم صاحب اور ڈاکٹر نوید احمد صاحب کا جنھوں نے میرے تحقیقی کام میں میری بھرپور راہنمائی کی۔اللہ تعالیٰ تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تاحیات صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی علمی ، عملی،فکری لغزشوں سے محفوظ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص نیت سے محنت کرنے اور اپنے فرائض منصبی سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے نیز ہماری کاوشوں کو اپنی بارگاہ الٰہی میں قبول فرمائے۔آمین

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے والدین جن کے لیے میں دعا گو ہوں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اور دین اسلام کے ،جس کا وصف ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

نام کرتا ہوں،جس پر عمل کرنا دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

باب اول:

موضوع تحقیق سے متعلق بنیادی مباحث

فصل اول: تعارف اور ضرورت واہمیت

فصل دوم: دراسہ سابقہ اور جواز تحقیق

فصل سوم: مقاصد،سوالات اور منہج تحقیق

فصل اول: تعارف اور ضرورت واہمیت

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین، اما بعد!

موضوع تحقیق کا تعارف: (Introduction to the Research Topic)

معاشرتی اداروں میں خاندان کوناصرف کلیدی حیثیت حاصل ہےبلکہ اسے تعمیرِ معاشرہ کی بنیادی اینٹ کہنا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔عربی لغت میں خاندان کے لیے اسرۃ،عائلۃ،عشیرۃ اور رھط کےالفاظ مستعمل ہیں۔قرآنی اصطلاح میں بھی لفظ "اسرۃ" میں بندش اور مضبوطی کا مفہوم پایاجاتا ہے،جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہ

﴿وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾[1]

(اور ہم نے ان کے جوڑ اور بندھن مضبوط کیے۔)

اسرہ یاخاندان کنبہ،فیملی،برادری یامضبوط زِرہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتاہے۔گویا خاندان افراد کو خونی رشتہ،گھر،قبیلہ یا نسل کی بناء پر ایک دوسرے سےجوڑے رکھتا ہے۔چرند پرندکےطرزِ حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ روئے زمین پر خاندان کا آغاز تخلیق سے قبل ہی ہو چکا تھا،مگر چرندپرندکے قائم کردہ خاندان کی حیثیت عارضی اور جزووقتی تھی جبکہ انسان کامعاملہ اس سے قدرے مختلف ہے۔انسانی ماحول میں نونہال کوطویل عرصہ تک تکمیلِ ضروریات کے لیےگھرانے کی محتاجی ہوتی ہے،جہاں خواتین دیگرافرادکی معیت میں پرورش اورنگہداشت کی ذمہ داریاں سنبھالتی ہیں۔مشاہدات سے معلوم ہوتا ہےکہ روئےزمین پر کسی جماعت یا قبیلہ کا کوئی ایساخاص دفتر موجود نہیں ہے جس میں خاندان کی کوئی نہ کوئی شکل موجود نہ ہو۔

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ تمام الہامی مذاہب میں مرد کو خاندان کا سربراہ قرار دیتے ہوئے اسے تفوق اور برتری بخشی گئی ہے۔گو خاندان کے اجزائے ترکیبی میں عورت،والدین اور اولاد ،دیگر اعزہ اقارب اور ملازمین بھی شامل ہیں لیکن مرد کو ہی یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کارلاتےہوئے خاندان کے نظم و ضبط کودرست اورچاک وچوبند رکھےاور اس سےوابستہ افرادکی حرکات و سکنات پر نظر رکھے۔

مرد کی اس حیثیت کے متعلق یہودی نکتہ نظر کوواضح کرتےہوئے قاموس الکتاب میں لکھا گیاہے کہ:

"مرد کے لیے عبرانی زبان میں لفظ ایش استعمال کیا گیاہے۔شوہر کو بیوی کامالک(بعل)اور خداوند (ادون) بھی پکاراجاتاتھا،جس سے شوہر اور بیوی کے عملی تعلق پرروشنی پڑتی ہے۔"[2]

بائبل کے مطابق مسیحی تعلیمات میں بھی مرد ہی سربراہی کے اعلیٰ عہدے پرفائز نظرآتاہے۔کہاگیا:

---

(1)القرآن، الدھر:۷۶/۲۸

(2) خیر اللہ،ایس ایف، قاموس الکتاب،(لاہور:پاکستان مسیحی اشاعت خانہ۲۰۰۸ء)،ص:۲۵۶

"مسیح کل بنی آدم کا سر ہے ۔اسی طرح مرد ،عورت کا سر ہے۔عورت کوواجب ہے کہ مرد کے ماتحت رہے اور اس کے مقام پر ناواجب قبضہ نہ کرے۔"[1]

مرد گھر کا حکمران تھا لیکن اہل و عیال کے ساتھ حسنِ سلوک بھی اس پر واجب تھا۔جیسا کہ مرقس کے اس فقرے سے واضح ہے:

"شوہروں پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں سے اپنے بدن کی طرح محبت رکھیں ۔جواپنی بیویوں سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے آپ سے محبت رکھتاہے۔کیونکہ کسی نے کبھی اپنے بدن سے دشمنی نہیں کی بلکہ (ہر کوئی) اس کوپالتااور پرورش کرتاہے۔"[2]

اسی طرح آخری الہامی مذہب یعنی اسلام نے بھی گھریلو زندگی میں مرد کو اس رتبۂ بلند سے محروم نہیں رکھا ،بلکہ اس کے لیے قوام کی اصطلاح وضع کر کے اس مالہ و ماعلیہ کو واضح فرمادیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾[3]

(مرد عورتوں پر قوام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔)

جبکہ رسول اللہ ﷺ نےاپنے شوہر کی فرمانبردار بیوی کو جنت کی خوشخبری دی۔جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((أيما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة))[4]

(جو عورت اس حالت میں مرجائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہوتو وہ جنت میں داخل ہوگی۔)

قرآن مجید نے میاں بیوی کے تعلق کو زیادہ احسن پیرائے میں بیان کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیاہےکیونکہ لباس نہ صرف نامساعد موسموں سے بچاتاہے بلکہ یہ وقار اور شخصیت کے حسن کے لیےاختیار کیاجاتاہے۔اسی طرح ایک خاندان میں والدین اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا مظہر ہیں۔والدین کسی خاندان کو وجود عطا کرنے میں تاسیسی محرک بنتے ہیں اور خاندان کی تعمیر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔تمام مذاہب کی تعلیمات کےمطابق والدین اعلیٰ مقام پر نظر آتے ہیں۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خاندان جن اجزاءسےترکیب پاتاہےہر جز اپنے اپنے مقام پر مخصوص اہمیت کاحامل ہے۔ نسلِ انسانی کی نشوونما کے لیے جوماحول درکار ہوتاہےاس کے لیے خاندان سےزیادہ مناسب کوئی اور مقام ہو ہی نہیں سکتا۔لہذاخاندان کی

---

(1) میتھو ہنری کانٹ، تفسیرالکتاب(مترجم)،لاہور چرچ، سیمینارز فاؤنڈیشن،۲۰۰۵ء،۱۳۳۸/۳

(2) Ibid, Ephesians, 5:28-29,p.1297

(3) النساء:۳۴/۴

(4)ترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،جامع ترمذی،(ریاض:دارالسلام،۱۹۹۹ء)کتاب الرضاع،باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ،حدیث نمبر:۱۱۶۱

درست سمت میں رہنمائی کے لیے مقالہ ہذا "**الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور (عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ)**" تحریر کیا گیا ہے۔

عنوان مقالہ میں الہامی مذاہب سے مراد وہ مذاہب ہیں جن کی بنیاد وحی اور الہام پر ہے جیسے یہودیت، مسیحیت اور اسلام۔ان مذاہب کے پیروکاروں کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے باقاعدہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے الہامی کتابوں اور صحیفوں کے ذریعے شریعتیں دی جاتی ہیں جن کے مطابق زندگی بسر کرنا ضروری قرار دیا جاتا ہے اور ان کے پیروکاروں کی کامیابی کا دارومدار اسی میں مضمر ہوتا ہے۔اور خاندان سے مراد افراد کا وہ گروہ ہے جو کسی مشترکہ مقصد کے تحت ایک چھت تلے زندگی بسر کرتا ہے۔اسی خاندان کی بہتر انداز میں درست سمت رہنمائی کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر مذہب میں اس کی تعلیمات دیں جن کے مطابق زندگی بسر کرنا دنیا وآخرت میں کامیابی کی ضامن ہے۔مقالہ ہذا میں عصری تناظر کو مد نظر رکھتے ہوئے اسی خاندانی نظام کا تصور الہامی مذاہب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت(Importance of the Research Topic) :

الہامی مذاہب (اسلام، عیسائیت، یہودیت) میں خاندانی نظام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔یہ نظام معاشرتی استحکام، فرد کی روحانی واخلاقی تربیت اور انسانی تعلقات کی مضبوطی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ان مذاہب میں خاندان کو محض ایک سماجی ادارہ نہیں بلکہ ایک مقدس فریضہ اور خدائی احکام کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔خاندانی نظام کی ضرورت کو درج ذیل نکات کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے:

معاشرتی استحکام: خاندانی نظام فرد کو ایک منظم زندگی گزارنے کے اصول سکھاتا ہے اور معاشرت میں نظم وضبط قائم رکھتا ہے۔

اخلاقی وروحانی تربیت: بچوں کی اخلاقی اور دینی تربیت والدین کی اولین ذمہ داری ہے، جس کے ذریعے وہ ایک بہتر انسان اور مفید شہری بنتے ہیں۔

محبت اور ہم آہنگی: خاندان انسان کو جذباتی سہارے، محبت اور قربانی کا درس دیتا ہے، جو معاشرتی ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے۔

معاشی تحفظ: خاندان کا ادارہ افراد کو معاشی سہارا فراہم کرتا ہے اور ذمہ داریوں کو بانٹنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

حقوق وفرائض کا تعین: خاندان کے ذریعے افراد کو ان کے حقوق وفرائض کا شعور حاصل ہوتا ہے، جس سے ایک متوازن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

1. اسلام میں خاندانی نظام:

اسلام میں خاندان کو مقدس حیثیت حاصل ہے۔قرآن وحدیث میں ازدواجی زندگی، والدین کے حقوق، بچوں کی تربیت اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک پر زور دیا گیا ہے۔

نکاح کو عبادت اور مرد وعورت کے درمیان محبت ورحمت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔والدین کی فرمانبرداری اور ان کی خدمت کو جنت کے حصول کا ذریعہ کہا گیا ہے۔

2. عیسائیت میں خاندانی نظام:

بائبل میں ازدواجی رشتے کو مقدس قرار دیا گیا ہے، اور والدین کی عزت واحترام کی تاکید کی گئی ہے۔حضرت عیسیٰؑ نے محبت، ایثار اور قربانی کے اصولوں پر مبنی خاندانی زندگی گزارنے کی تلقین کی۔

3. یہودیت میں خاندانی نظام:

یہودیت میں خاندان کو مذہبی اور سماجی اقدار کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ تورات میں بچوں کی دینی واخلاقی تربیت پر زور دیا گیا ہے۔

شادی اور نکاح کو نسل انسانی کی بقا کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

الہامی مذاہب میں خاندانی نظام صرف معاشرتی ضرورت نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے۔ یہ نظام فرد کی اخلاقی، روحانی اور سماجی زندگی میں توازن پیدا کرتا ہے اور ایک مضبوط اور مستحکم معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ آج کے دور میں جب خاندانی نظام مختلف چیلنجز کا شکار ہے، ان مذاہب کی تعلیمات کی روشنی میں اس کے استحکام کی کوشش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسی ضرورت و اہمیت کے پیشِ نظر تینوں الہامی مذاہب (یہودیت، مسیحیت اور اسلام) میں خاندان کا تصور پائے جانے کے ساتھ ساتھ باقاعدہ اور منظم خاندانی نظام بھی موجود ہے۔ انہی الہامی خاندانی نظاموں کے زیرِ سایہ بطور نمونہ انبیاء کرام علیہم السلام نے عملی طور پر خاندان جیسا منظم ادارہ تشکیل دیا اور منظم نظام کے مطابق خاندان کی تربیت کرتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی فراہم کی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ خاندان جیسے بنیادی ادارے کی تشکیل و تربیت الہامی مذاہب کی روشنی میں کی جائے تاکہ معاشرتی بھلائی کے لیے خاندان سے مطلوب کردار نبھایا جاسکے۔

بیان مسئلہ:

عصر حاضر میں خاندانی نظام کو مختلف سماجی، معاشی، اور ثقافتی چیلنجز کا سامنا ہے، جن میں انفرادیت کا فروغ، اخلاقی اقدار کا زوال، معاشرتی دوریاں، طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح، اور مغربی ثقافت کے اثرات شامل ہیں۔ ڈیجیٹل میڈیا اور مادیت پرستی نے خاندانی تعلقات کو کمزور کر دیا ہے، جبکہ معاشی دباؤ نے خاندانی استحکام کو مزید مشکل بنا دیا ہے۔ ان حالات میں معاشرتی نظام کی بنیاد، یعنی خاندان، الہامی مذاہب (اسلام، مسیحیت، اور یہودیت) نے خاندانی نظام کو نہایت اہمیت دی ہے اور اسے انسانی زندگی کی تربیت اور معاشرتی استحکام کا مرکز قرار دیا ہے۔ ان مذاہب کی تعلیمات میں خاندان کے افراد کے حقوق و فرائض، شادی کے تقدس، والدین کے احترام، بچوں کی تربیت اور رشتوں میں محبت و قربانی جیسے اصولوں کو واضح کیا گیا ہے۔ تاہم عصری چیلنجز کے سامنے ان تعلیمات پر عمل درآمد کا فقدان نظر آتا ہے۔ جس سے یہ سوال جنم لیتا ہے کہ الہامی مذاہب کا خاندانی نظام عصر حاضر کے مسائل کو کس حد تک حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ان تعلیمات کو جدید دنیا کے تناظر میں کیسے مؤثر طریقے سے نافذ کیا جا سکتا ہے تاکہ خاندانی نظام کو مستحکم کیا جا سکے۔ اس مسئلے کا حل نا صرف معاشرتی استحکام بلکہ انفرادی اور اجتماعی خوشحالی کے لیے بھی ضروری ہے۔

فصل دوم: دراسہ سابقہ اور جواز تحقیق

سابقہ تحقیقی کا کام کا جائزہ(Literature Review) :

مقالہ جات :

- اسلام اور دیگر الہامی مذاہب میں خواتین کے حقوق کا تحقیقی وتقابلی جائزہ،مقالہ نگارشیریں مسعود،نگران مقالہ (محمد) ثانی، حافظ ڈاکٹر،پی ایچ ڈی،وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد،۲۰۱۸،۲۰۱۶ء

مقالہ ہذا میں مقالہ نگارنےتینوں الہامی مذاہب کی روشنی میں خواتین حقوق کاجائزہ پیش کیاہےجس کے ضمن میں موجودہ دور میں حقوق نسواں کی تحریکوں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے الہامی مذاہب کی تعلیمات سے ان موجودہ تحریکوں کا تقابل کیا ہے۔نیزخواتین کے حقوق پر تحقیق کرتے ہوئےاس بات پر زور دیا گیاہے کہ الہامی مذاہب کی تعلیمات کے مطابق افرادخاندان کی نشوونماورتربیت میں خواتین کاکردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

- عائلی نظام قرآن وحدیث اورعصرحاضرکے تناظر میں(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)،(پی ایچ ڈی مقالہ)،مقالہ نگاربتول زہرا،نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی،نمل اسلام آباد،۲۰۱۵ء

مقالہ ہذا میں مقالہ نگار نےاسلام کےعائلی نظام کو انتہائی جانفشانی سے بیان کیا ہےنیزعصر حاضرکے تناظر میں اس کاجائزہ پیش کیاہے،جس کےمطابق قرآن وحدیث میں عائلی نظام سے متعلق بیان کردہ مختلف موضوعات کو زیر بحث لایاگیاہے۔مثلاعائلی زندگی کی شروعات میاں بیوی کے باہمی تعلق سے ہوتی ہےاورپھر یہی رشتہ پروان چڑھتے ہوئے ایک مستقل خاندان کی شکل اختیار کرتاہے۔جس میں تمام افراد خاندان کے حقوق وفرائض کو بیان کیا گیاہے۔اور ان کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے تاکہ خاندان بہتر سمت استوار ہو اور معاشرے کےلیے سود مند ثابت ہوسکے۔

- مذاہب الہامیہ میں خواتین کے عائلی مسائل،عصر حاضر کے تناظر میں،مقالہ نگارکہکشاں ہاشمی،نگران مقالہ سیدہ،جلال الدین احمد،نوری،جامعہ کراچی،پی ایچ ڈی،۲۰۱۴ء

درج بالا مقالہ میں مقالہ نگار نے مذاہب ثلاثہ(یہودیت،عیسائیت اور اسلام)کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے عائلی مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئےعصر حاضر کے تناظر میں ان کا حل پیش کیاہے۔مثلا فعل طلاق کو تینوں مذہب میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ ایک معیوب فعل سمجھا جاتا ہےتاہم انتہائی ناگواری صورت میں راہیں جدا کرنے کا جو طریقہ بنیا کیا گیا ہے وہ طلاق ہی کا راستہ ہے جس کی ہر مذہب مشروط اجازت دیتاہے۔طلاق کے بعداگرچہ عصر حاضر میں دوبارہ کسی اور شخص سے شادی کرنے کو ناپسند سمجھا جاتا ہے۔تاہم مذہب الہامیہ میں عورت کو پابند کرنے کی بجائے آزادی دی گئی ہے کہ وہ عدت گزارنے کے بعد آگے جہاں شادی کرنا چاہے کرسکتی ہےاس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

- یہودیت، نصرانیت اور اسلام کے مروجہ عائلی قوانین: تقابلی مطالعہ،پی ایچ ڈی،مقالہ نگار:طلعت صفدر،نگران مقالہ:ہمایوں عباس شمس،جی سی یونیورسٹی فیصل آباد،۲۰۱۳ء

مقالہ ہذا میں مذاہب ثلاثہ کے مروجہ عائلی قوانین کو تفصیل سےبیان کیاگیا ہے۔جس کے تحت مذاہب ثلاثہ کے اصلی مصادر کی روشنی میں مروجہ عائلی قوانین پر تبصرہ کیا گیا ہےاور اس کی حیثیت کو واضح کیا گیاتاہم افراد خاندان سے متعلق دیگر حقوق و فرائض پر کسی قسم کی بحث نہیں کی گئی۔

- مذاہب عالم کے تناظر میں خواتین کے حقوق وفرائض،عصر حاضر کے خصوصی حوالے سے ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ،مقالہ نگارعلوینہ افسر،نگران مقالہ جلال الدین احمد،نوری،پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ،۲۰۱۲ء

مقالہ ہذا میں خواتین کے حقوق وفرائض کا جائزہ عصر حاضر کے تناظر میں پیش کیا گیاہے جس کے مطابق مردوزن میں سے ہر ایک کو ذمہ دار ٹھہرایاگیاہے کہ ہر ایک کی دوسرے پرشرعی اعتبار سے ذمہ داریاں علاٰ ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا ہر دوکےلیے لازمی ہے۔اس ضمن میں شوہر کے ذمہ عورت کا نان نفقہ،رہائش،لباس کا اہتمام کرنا ہے جبکہ عورت کے ذمے شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال،اولاد اور عزت کی حفاظت کرنا ہے۔نیز مقالہ ہذا میں خصوصی طور پر اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ عصر حاضر میں کیا عورت کو اس کے جائزحقوق میسر ہیں یا نہیں اور اسی طرح عورت کی جو ذمہ داریاں وہ ان کو بطریق احسن نبھا رہی ہے یا نہیں۔اس حوالےسے مقالہ نگار نے تحقیقی و تنقیدی انداز اپناتے ہوئےہر دو کی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کی تاکید بھی کی ہے۔

- اسلامی اجتماعیت میں خاندان کاکردار،(پی ایچ ڈی)مقالہ نگار:حافظ حسین ازہر،نگران مقالہ:ڈاکٹرنصیراحمد اختر، جامعہ کراچی،۲۰۰۹ء

مقالہ ہذا جامعہ کراچی سے حافظ حسین ازہر نے ڈاکٹر نصیر احمد اختر صاحب کی نگرانی میں اسلام کے خاندانی نظام کو بیان کرتےہوئے اسلامی اجتماعیت میں خاندان کا کرداروضح کرنے کی کوشش کی ہےجس کے تحت اسلامی معاشرے میں افرادخاندان کے حقوق وفرائض اوراحکام کو بیان کیا ہےتاکہ اصلاح معاشرے میں ہر فرد اپنا کردار اداکرتے ہوئےمعاشرے کا مفید فرد بن سکے۔

مثالی خاندان کا تصور قرآن و حدیث کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ،محمد لقمان یار خان،عبدالرشید،ڈاکٹر،پی ایچ ڈی،جامعہ کراچی،۲۰۰۸ء

- النساء فی الاسلام ،دراسہ تحقیقیہ،اسلام میں عورتیں،ایک تحقیقی مطالعہ،زاہد علی خان،عصمت اللہ،ڈاکٹر،پی ایچ ڈی، دی آٹو میٹک ماس یونٹ،۲۰۰۱ء

مقالہ ہذا میں خواتین کا مقام و مرتبہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہےجس کے مطابق عورت کو مختلف روپ میں مختلف مقام و مرتبہ سے نوازاگیاہے۔مثلا عورت کو ماں کے صورت میں بچوں کے لیے جنت قرار دیا ہے ،بیوی کو نصف ایمان قراردیا ہے اوربیٹی کی پرورش کو جنت کا ٹکٹ قراردیا ہے۔نیزدین اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے عورت کو اس کو کھویا ہوا مقام واپس دلایا ہے ورنہ عورت کو گناہ کا سبب/ذریعہ قرار دیتے ہوئے ایک منحوس اور گمراہ کن چیز کا درجہ سے دےدیا جاچکا تھا۔نیز مقالہ ہذا میں خواتین کے مختلف حقوق کو بیان کرنے کے ساتھ سات ان کے فرائض کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیاہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی خاندان کو دسرت سمت میں لےجانے اور گھر کا ماحول سازگار رکنے کے لیے جہاں خواتین کے حقوق کی پاسداری ضروری ہے وہاں ہی مردوں کے حقوق (جو کہ خواتین کے فرائض میں شامل ہیں)کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

کتب:

➢ الوصایا الشرعیۃ للحیاۃ الزوجیۃ،سعید بن سالم الدر مکی:

خاندانی نظام کے تحت حقوق زوجیت سے متعلق مختلف وصیتوں پر مشتمل عربی زبان میں لکھی گئی کتاب ہے جس کا موضوع بحث رخصتی کےبعد خوشگوار ازدواجی زندگی برقراررکھنا،اس میں درپیش آنے والےمسائل ومشکلات اوراختلافات کا خاتمہ ہےنیز ازدواجی زندگی کےوہ آداب بیان کیےگئے ہیں جن سے دوخاندانوں کا نا صرف باہمی ربط بلکہ ایک ممتازاوربےنظیر معاشرے کی تشکیل ممکن ہے۔اس میں کل سترہ وصیتیں ذکر کی گئی ہیں جن میں پہلی آٹھ شوہر کے متعلق پھر پانچ بیوی کے متعلق اور آخری چار میاں اور بیوی دونوں کے متعلق ذکر کی گئی ہیں۔

➢ الاحوال الشخصیہ از عبد الوہاب الخلاف ،الاحوال الشخصیہ ،از شیخ ابو زہرہ مرحوم،خلاصۃ الاحوال الشخصیہ از محمد سلامۃ،احکام االاسرۃ از محمد مصطفی الشلبی ،الزوجہ فی التشریع االاسلامی ازڈاکٹر ابراہیم عبد الحمید، المفصل فی احکام المراۃ و البیت المسلم از ڈاکٹر عبد الکریم زیدان۔

مذکورہ کتابیں اسلام کے نظام نکاح و طلاق اور خاندانی نظام پرعربی زبان میں لکھی گئی ہیں جن میں صرف اسلامی خاندانی نظام پر تبصرہ وبحث کی گئی ہے جبکہ دیگر الہامی مذاہب کا خاندانی نظام اس میں بیان ہی نہیں کیاگیا۔

آرٹیکلز:

➢ اسلام اور مغرب میں خاندانی نظام کا تقابلی جائزہ،بشریٰ جبین،سمیہ رفیق،التفسیرج،۳۵

اس مضمون میں لفظ خاندان کامفہوم اوراسلام میں اس کی اہمیت وضاحت سےبیان کی گئی ہے۔اسلام میں خاندان کےعناصرترکیبی جس میں عورت کی حیثیت،نکاح وطلاق،تربیت اولاد، نگہداشت خاندان، خاندانی ہم آہنگی،

گھر کےاندر پختہ تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔نیز مغرب میں خاندانی نظام کیاہے اور مغرب کےعائلی نظام کی تباہی کے معاشرے پر مرتب اثرات کاتفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔

- سامی ادیان میں بیوہ اور مطلقہ خواتین کے معاشی حقوق کا جائزہ،ضیاء الدین،پی ایچ ڈی سکالر،مالاکنڈ یونیورسٹی،ہزارہ اسلامکس،ج،۱۰،جنوری۔جون ۲۰۲۱ء،

اس آرٹیکل میں سکالر نے یہودی،عیسائی اور اسلامی تعلیمات کے مطابق بیوہ اور مطلقہ خواتین کے معاشی حقوق کا جائزہ پیش کیا ہے جس کے مطابق یہودیت میں مطلقہ عورت کو طلاق کے فورا بعد گھر سے نکال دیا جاتا ہےاور نان نفقہ سے بھی محروم کردیا جاتا ہے یہی وجہ ہے یہودیت میں عدت گزارنا بھی لازمی نہیں جس کی وجہ سے یہودی عورت معاشی حقوق سے محروم ہوکر مشقت اور پریشانی کا شکار ہوجاتی ہے۔جبکہ مسیحی عورت کو بیوہ/مطلقہ ہونے کی صورت میں نکاح ثانی کی اجازت نہیں جس کی وجہ سے تنہائی کا شکار ہوجاتی ہے نیز اس کی معاشی حالت بھی دوسروں کے مرہون منت ہواجاتی ہے۔اور آخر میں ایک مسلمان عورت کو بیوہ /مطلقہ ہونے کی صورت میں عدت گزارنے کے بعد نکاح ثانی کی اجازت دی گئی ہے جس کی وجہ سے مسلمان عورت دوران عدت اور پھر نکاح ثانی کی صورت میں بھی معاشی طور پر بھی مستحکم رہتی ہے۔

- ادیانِ عالم کے پس منظر میں خاندان کی ضرورت واہمیت(۱۸۵)ریسرچ آرٹیکل،مسز طلعت صفدر،ڈاکٹر ہمایوں عباس،القلم ۔دسمبر ۲۰۱۴ء

دسمبر ۲۰۱۴ء ادیانِ عالم کے پس منظر میں خاندان کی ضرورت و اہمیت کے عنوان سے ایک آرٹیکل شائع ہوا۔جس میں مضمون نویس نے خاندان کی ضرورت و اہمیت کو ناصرف اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بلکہ تمام ادیان عالم کی روشنی میں (چاہے ان ادیان کا تعلق اسامی ادیان سے ہو یا غیر اسامی ادیان سے)تفصیل سے بیان کیا ہے۔جس کے مطابق خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی اوراساس ہےجو کہ میاں بیوی کے باہمی تعلق سے معرض وجود میں آتا ہے۔اسی پر کسی بھی معاشرے کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔نیز معاشرے کی فلاح و بہبود خاندان کی اصلاح میں مضمر ہے۔

- عالمی مذاہب میں عورت کا مقام،ڈاکٹر محمد ریاض خاں الازہری،قاری محمد فیاض:برجس جلد۱،شمارہ ۲،ہزارہ اسلامکس، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۴ء

مقالہ ہذا میں عورت کا مقام مختلف مذاہب کی روشنی میں بیان کیا گیاہے۔مثلا یونانی اور رومی تہذیب میں عورت کو انسانیت پربوجھ سمجھاجاتا۔نیز عورت کو گھر والوں کی خادمہ تصور کیا جاتاتھا۔یونانیوں کے ہاں کہاوت مشہور ہے کہ سانپ کےڈسنےاورآگ سے جلنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے ستر کا مداوہ محال ہے۔ابتدائی رومی قانون کے مطابق شوہر کواپنی بیوی کو قتل کرنے کا اختیاردیا گیاتھا۔نیز طلاق کا تصور تک نہ تھا۔جدید یونانی قانون میں نکاح کو محض ایک قانونی معاہدہ کی اہمیت دی گئی اور دیگر حقوق دیئے گئے تاہم کبھی بھی عورت کومرد کےمساوی نہ سمجھا گیا۔عیسائیت میں عورت کو گناہ کی ماں، بدی کی جڑ،تحریک معصیت کا سرچشمہ

اور جہنم کا دروازہ تصور کیا جاتاہے۔ہندو مت کے مطابق عورت کوپیدائش سے لے کر موت تک آزادی اور خود مختاری کی فضا میں سانس لینے سے محروم کردیا گیاتھا۔نیزہندومت میں عورت کو اس قدرغیر اہم سمجھا جاتا ہے کہ ان کےہاں عورتوں کےساتھ محبت نہیں ہوسکتی۔عورتوں کے دل فی الحقیقت بھیڑیوں کی بھٹ ہیں۔ یہودیت نے عورت کو ازلی گنہگار ٹھرایا ہے اور اس کو پیدائشی بد نیت،مکار اور نسل انسانیت کی دشمن قرار دیا۔اسلام نےناصرف صحیح معنوں میں عورت کو اس کے حقوق دیئےبلکہ ان حقوق کوادا کرنےکے لیے تلقین بھی کی۔وہی عورت جس کو قبل ازاسلام زندہ درگور کردیا جاتا ہے اسلام نے اسے حقیقی معنوں میں آزادی دی۔وراثت اوروصیت میں حقدار ٹھہرایا۔اسلام نے عورت کوماں کی صورت میں بلندمقام سےنوازا اوراس کےپاؤں تلے اولاد کےلیےجنت رکھ دی کہ جوجنت میں جانا چاہتا ہے وہ ماں کی خدمت کرے اور جنت کمالے۔

- نظام الاسرۃ فی الیہودیۃ والنصرانیۃ والاسلام(یہودیت،عیسائیت اور اسلام میں خاندانی نظام)صابر احمد طہ،اگست ۲۰۱۴ء

عربی زبان میں لکھے گئے اس آرٹیکل میں مضمون نگارنے مذاہب ثلاثہ کے تحت خاندانی نظام کو بیان کیا ہے۔

- Marriage in Islam, Christianity, and Judaism,Mansoureh Zarean,Khadijeh Barzegar, Religious Inquiries Volume 5, Number 9, June 2016

اسلام،عیسائیت اور یہودیت میں شادی کے نام سے موسوم اس آرٹیکل میں مضمون نگار نے شادی کا تعارف،مذاہب ثلاثہ میں موجود شادی کی عمر،شادی کی شرائط،شادی میں رکاوٹیں،تعدد ازدواج اور طلاق کے متعلق تعلیمات کاجائزہ پیش کیا ہے۔

- Family Structure in the Abrahamic Religions and Its Adaptation to Psychological Theories: A Comparative Analysis,Batoul Doust Mohammad, Iranian Journal of Comparative Education, 2022

ابراہیمی مذاہب میں خاندانی ڈھانچہ اور اس کی موافقت میں نفسیاتی نظریات: ایک تقابلی تجزیہ،مضمون نگار نے اس آرٹیکل کے تحت ابراہیمی مذاہب میں خاندان کا ڈھانچہ اور اس کی موافقت میں نفسیاتی نظریات کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے مختلف نفسیاتی مسائل بیان کرتے ہوئے ابراہیمی مذاہب کی روشنی میں ان مسائل کا حل پیش کیا ہے تاہم خاندان یا افراد خاندان کے دیگر موضوعات پر بحث نہیں کی۔مثلا ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیاہےکہ مذہبی نقطہ نظر سے،ہم کس سےشادی کر سکتےہیں یاشادی نہیں کر سکتے اس کا انحصارصرف مذہبی وجوہات پرہے۔لہذاکچھ مذاہب زیادہ روادارہیں تو کچھ سخت ہیں۔ یقیناًمذہبی متون میں بعض اوقات ہم شادی کو قبول کرنےیا مسترد کرنےکی عقلی وجوہات تلاش کر سکتے ہیں۔

- Western Family System and Islamic Family System:A Comparative Analysis, Dr.Munazzah Sultana, Al-Mīthāq(Research Journal of Islamic Theology)Volume 03, Issue 01, January-June 2024.

مغربی خاندانی نظام اوراسلامی خاندانی نظام:تقابلی جائزہ،ڈاکٹر منزہ سلطانہ اسسٹنٹ پروفیسر نمل اسلام آباد،مضمون نگارنےاس آرٹیکل میں خاندان کا تعارف،اہمیت،تاثر،اسلامی ومغربی تصور،اسلامی خاندانی نظام کےاصول وضوابط،

مغربی تہذیب میں شادی کی مختلف اقسام،اسلامی اور مغربی خاندانی نظام کے عناصر کاامتزاج،طلاق اور طلاق کی بڑھتی ہوئی وجوہات کاجائزہ پیش کیا ہے۔

زیر تحقیق موضوع الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور(عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ)سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ لینے سے یہ امر واضح ہواہے کہ خاندان سے متعلق بعض پہلوؤں پر مختلف مقالہ جات،آرٹیکلز اور کتب میں مختلف مذاہب کی روشنی میں ہونے والا کام بکھراپڑا ہے۔مقالہ ہذا میں اس بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کرنے کےکی کوشش کی گئی ہے۔نیزاگرچہ خاندان سے متعلق موضوعات پر تحقیقی کام ہوچکا ہے تاہم تحقیق کا یہ پہلو کہ الہامی مذاہب کے خاندانی نظام کاعصری تناظر میں جائزہ لیاجائےموضوع ہذا پر تحقیق کا جواز فراہم کرتا ہےچونکہ عصر حاضر میں خاندانی مختلف مسائل کا شکار ہوچکاہے۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اہم موضوع پر تحقیق کی جائے اورخاندانی نظام کے مسائل اور مشکلات کی نشاندہی کرتے ہوئے مذاہب ثلاثہ کے اصلی مصادر کے ذریعےان کے حل کی تجاویز پیش کرتے ہوئے عوام الناس کے لیے ان مسائل سے چھٹکارے کا سبب بن سکے۔

فصل سوم: مقاصد، سوالات اور جواز تحقیق

مقاصدِ تحقیق: (Research Objectives)

مذاہب ثلاثہ کے مصادر اصلیہ سے خاندانی نظام کے اصول و قوانین کا مطالعہ کرنا۔

الہامی مذاہب کے خاندانی نظام کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے مشترکات و مختلفات کا جائزہ لینا۔

خاندانی نظام کو درپیش مسائل پر الہامی اثرات کا جائزہ لینا۔

عصری تناظر میں خاندانی نظام میں اصلاح کی تجاویز پیش کرنا۔

سوالات تحقیق : (Basic Research Questions)

میری تحقیق کے سوالات درج ذیل ہیں:

- الہامی مذاہب کی بنیادی تعلیمات کے مطابق خاندنی نظام کے حوالے سے یکسانیت اور اختلافات کیا ہیں؟
- الہامی مذاہب کا خاندانی نظام عصر حاضر کے چیلنجز کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہے؟
- خاندانی نظام کے فقدان کے اثرات پر الہامی مذاہب کی تعلیمات کیا رہنمائی فراہم کرتی ہیں؟
- نوجوان نسل کو الہامی مذاہب کے خاندانی اصولوں کی طرف کیسے راغب کیا جاسکتا ہے؟

تحدید اور دائرہ کار موضوع : (Limitation of the Research Topic)

پی ایچ ڈی کی تحقیق کے لیے مجوزہ عنوان "الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور (عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ)" تحقیقی مقالہ جو کہ مطالعہ افراد خاندان کے حقوق وفرائض اور احکام برائے خاندان سے متعلق ہے۔ جس میں بطور دلیل تینوں الہامی مذاہب کی مقدس کتب کو بطور بنیادی مصدر استعمال کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق : (Research Methodology)

1. تحقیق کے معیاری پیراڈائم میں رہتے ہوئے تقابلی منہج تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔
2. بنیادی مآخذ (قرآن مجید، صحیح بخاری و مسلم، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد بن حنبل، صحیح ابن حبان) بائبل کے بنیادی مصادر (کتاب مقدس، قاموس الکتاب، تفسیر الکتاب) تفسیر کی بنیادی مصادر (تفسیر ابن عباس، تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، تفسیر قرطبیؒ، تفسیر بیضاوی وغیرہ) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

بوقت ضرورت ثانوی مآخذات (اچھا چرواہا، پاک نکاح کا ساکرامنٹ اور خاندانی زندگی، سیدہ سعدیہ، ڈاکٹر، پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل، فیروز اللغات، القاموس المحیط فیراز آبادی، معجم لغۃ الفقہاء، محیط المحیط، السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی، عورت معرض کشمکش از نعیم صدیقی، دلائل النبوۃ، حدود کی حکمت، نفاذ اور تقاضے، شریعت موسوی از تنویر بخاری، اسلامی قانونِ

معاشرت از معین الدین اکرمی ندوی،اصلاح معاشرہ سورہ حجرات کی روشنی میں ازبلال عبدالحہ حسینی ندوی،عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ از خالدرحمن،سلیم منصوروغیرہ) کی طرف بھی رجوع کیا گیاہے۔

3. تحقیق کے جدید ذرائع مثلا علمی ویب سائٹس (مکتبہ شاملہ،اردو پوائنٹ،ڈیلی پاکستان،کتاب و سنہ،محدث لائبریری)ای کتب، تحقیقی مجلات،آرٹیکلز،مضامین،رسائل وجرائد، انٹرنیٹ اور مختلف لائبریوں سے حصول مواد کے لیے استفادہ کیا گیاہے۔
4. حوالہ جات کے لیے شکاگوفارمیٹ جبکہ مقالہ کی تحریروتسوید کے لیے یونیورسٹی کے منظورشدہ فارمیٹ کو اختیار کیا گیاہے ۔

محمد بابر علی
پی ایچ ڈی سکالر
شعبہ اسلامی فکر وثقافت،نمل اسلام آباد

باب دوم:

خاندانی نظام کا تعارف اور اس سے متعلق اہم مباحث

فصل اول: خاندانی نظام: تعارف اورضرورت واہمیت

فصل دوم: خاندان کی تاریخ اور آغازوارتقاء

فصل سوم:خاندانی نظام سے متعلق اہم مباحث

فصل اول:خاندانی نظام؛ تعارف اور ضرورت واہمیت

اس کرہ ارض پرہردورمیں انسان نےاپنی معاشی ضروریات کے لیے اجتماعی زندگی گزارنےکی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں ایسامعاشرتی ادارہ جوبنیادی اہمیت کا حامل رہاوہ خاندان ہے۔انسان اپنے وجود،پرورش،تعلیم اورصحت غرضیکہ زندگی کے ہرلمحےمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا محتاج ہے۔دوسری طرف ان مراحل سے گزرنے کے لئے اسےجس معاشرتی ادارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ ادارہ "خاندان" کہلاتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی، روحانی، اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیادفراہم کرتا ہے۔اس ادارے میں رہن سہن کے طور طریقوں کو "عائلی نظام زندگی" کہا جاتا ہے۔ عائلی زندگی ہی انسانی شخصیت کی پہلی اینٹ کی حیثیت رکھتی ہےجس سے تعمیر سازی کا آغاز ہوتا ہے۔

خاندان معاشرے کی ایک بنیادی اکائی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور پوری کائنات کو اس کے لیے مسخر فرمادیا۔نیز اس کی بقاؤ افزائش کا بندوبست فرمایا۔ خالق کائنات نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کی کوکھ سےحضرت حواسلام اللہ علیہا کی تخلیق فرماکرخاندان کی بنیادرکھی۔درحقیقت یہی جوڑاانسانیت کی ابتداء ثابت ہوا۔پھراللہ تعالیٰ نےاسی ایک جوڑےسےمذکراور مؤنث کوپیدا فرما کرمزید انسانیت کوپھیلایا،جس کاتذکرہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ملتاہے

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾[1]

ترجمہ:اے لوگو!ہم نے تمہیں ایک مرد اورایک عورت سے پیداکیاہے۔

معاشرے میں رہن سہن کےلیے انسان تنہا زندگی نہیں گزارسکتااسی لیےانسانوں کا باہم مل جل رہنے کا نظام قدرتی طورپر بنایاگیا،جوکئی صدیوں سےرائج ہے۔جس کےتحت انسان ایک معاشرےمیں رہنےکےلیےدیگر افرادکےساتھ تعلقات استوارکرتاہے۔اسی نظام کومخصوص رشتے (میاں بیوی)میں ڈھالتےہوئےاپنایک کنبہ تشکیل دیتاہےجس کےلیے ایک مخصوص گھر ترتیب کاانتظام کرتاہےاور پھر اسی گھرکا منتظم بن کر،گھرکےنظام کواحسن طریقےسےچلانےکی کوشش کرتاہے۔اس نظام کوخاندان کہاجاتاہے۔اس میں ایک انسان کے قریبی اورخونی رشتےدارشامل ہوسکتےہیں۔بالفاظ دیگرانسانی معاشرےمیں خاندان کااطلاق افرادکےایسےمجموعے پرہوتاہےجس میں مردوعورت، اولاد،والدین اور دیگررشتےدار شامل ہوتے ہیں۔

کسی بھی قوم کےلیےخاندانی نظام ایک ایسابنیادی نظام ہےجو اس قوم کی تہذیب اوراجتماعی زندگی کومنظم کرتاہے۔اس لیےتمام انسانی شریعتوں کا مقصد خاندانی نظام کو منظم کرنا ہے۔یہ وہ پہلا بنیادی کام ہے جس کی طرف مدنی انسان نے اپنی مدنی زندگی کی بنیادیں قائم کرنے کی طرف توجہ دی۔اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ایک الہام شامل تھا جس کے مطابق

([1])القرآن، الحجرات:۱۵/۴۹

خاندانی نظاموں کو منظم کرنے کی غرض سے نسب کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا گیا۔جس کامقصد تھاکہ ہر شخص اپنی نسل کواپنی طرف منسوب کرسکے۔

تمام شریعتوں نےخاندانوں کی تشکیل کےبنیادی نظام کو نظم دینےپرتوجہ دی ہے۔یہ نظام مرداورعورت کی شادی یانکاح سےبنتا ہے۔یہ نظام نسل کی تشکیل اورقرابت کےفروع اور اصولوں کومتعین کرتاہے۔اس سے سسرال کےنظام کو بھی نظم ملتا ہے۔اس سےخاندان،قبیلہ اور قوم کےنظام کی تشکیل میں اہم کرداراداہوتا ہے۔ شادی کےنظام سےماں،باپ اور بچے منظم نظام اختیارکرتے ہیں۔اس سے بھائی،بہن اور دیگررشتہ دار بھی بنتے ہیں اور یوں ایک خاندان تشکیل پاتاہے۔

خاندان اسی صورت میں مضبوط ہو سکتاہےجب اسکےمنتظمین باصلاحیت، سمجھداراور خاندان کوتوڑنے والے نہ ہوں بلکہ افرادخاندان کوجوڑکررکھنے والےہوں۔خاندان معاشرےکاحقیقی آئینہ ہےاگر خاندان بگاڑ کا شکار ہوتومعاشرے میں بھی بگاڑ ہوگا۔جبکہ خاندان کی مضبوطی اوراستحکام کی صورت میں اولاد کی تعلیم و تربیت مضبوط، مستحکم اور خوشگوار بنیادوں پر ہوگی۔ پھر یہی اولاد معاشرےکومضبوط،مستحکم اورخوشگواربنائےگی۔دوسرے الفاظ میں یہ کہاجاسکتاہےکہ اولادکی صحیح معنوں میں تعلیم وتربیت خاندان کے استحکام اور مضبوطی کی مرہون منت ہے۔خاندانی نظام اور معاشرے کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔معاشرہ مختلف قسم کےافراد سے تشکیل پاتاہے۔لہذامعاشرےکوبدامنی وبےچینی سے محفوظ رکھنےکےلیےتعلیم وتربیت کی ضروت ہے۔ جس کی بنیاد پر معاشرہ پرسکون اور باوقار بنایاجاسکتاہے۔

خاندان کی بنیادرکھنےوالےاوراس کو پروان چڑھانےوالےدوبنیادی عناصر میاں بیوی ہیں- اس نظام کو سنوارنےیا بگاڑنے میں اصل کردار میاں بیوی کا ہی ہوتا ہے- اس لئے اللہ تعالی نے مرد اور عورت کی تخلیق ہی اس طرح کی ہے جس طرح ایک خاندانی نظام زندگی میں ان کی ضرورت ہے۔خاندان کامفہوم صحیح معنوں میں تب تک واضح نہیں ہوسکتاجب تک اسکےمختلف پہلوؤں کا بغور جائزہ نہ لےلیاجائے۔اسی لیے ہم اس کوتین مختلف مباحث (خاندان کامعنٰی ومفہوم،خاندان کا پس منظراورخاندان کے عناصر ترکیبی) کے ذریعے واضح کرنےکی کوشش کریں گے۔

خاندان کا معنی و مفہوم:

دنیائے عالم میں خاندان ایک ایسا مشترک عنصر ہےجس کا ہرمعاشرہ محتاج ہے۔لفظ خاندان کومختلف معاشروں میں مختلف الفاظ سے تعبیر کیاجاتاہے۔مثلاخاندان کےلیےعربی زبان میں اسرۃ اور انگریزی زبان میں Family اورفارسی زبان میں خانوادہ اور اردوزبان میں گھر یاگھرانہ کا

لفظ استعمال ہوتاہے۔جو کہ عرف عام میں کنبہ،قبیلہ اوربرادری کے معنٰی میں مستعمل ہے۔[1]

لفظ خاندان کوبیان کرنے کےلیے اگرچہ مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ مستعمل ہیں تاہم سب کا مفہوم کنبہ،قبیلہ اور برادری ہی بنتاہے۔

لفظ خاندان کوفارسی الاصل بھی کہا گیاہے جو کہ گوت،گھرانہ،ہنس،پردار ،نسل،کٹم،قبیلہ،نسل کے معنٰی میں مستعمل ہے۔[2]

اصطلاحی طورپرخاندان سے مراد ایک ایسااجتماعی گروہ ہے جس کامقصدلوگوں کی روحانی اور ذہنی سلامتی کو برقرار رکھنا ہے۔[3]

عربی زبان میں خاندان کےلیے استعمال ہونےوالا لفظ "الاسرۃ"کامادۂ اصلی"ا،س،ر"ہے جس کا مجموعہ "اسر" بنتاہے،جو درج ذیل مختلف معانی میں مستعمل ہے۔

مادہ"ا،س،ر"کے تحت لسان العرب میں مرقوم ہے: "والأُسْرَةُ الحَصْدَاءُ والْبَيْضُ المُكَلَّلُ والرِّمَاح وأَسَرَ قَتَبَهُ شدَّه ابن سيده أَسَرَهُ يَأْسِرُه أَسْراً وإِسارَةً شَدَّه بالإِسار والإِسارُ ما شُدّ به والجمع أُسُرٌ"[4]

"اسر"مختلف حرکات کےساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہے۔یہ لفظ مختلف حرکات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔مثلاًاَسَر،اُسر،اِسر،یااسے کھینچتےہوئے بھی پڑھاجاتاہے جیسےاسیر،اسار،اسیرۃ:اس وقت اسکا اطلاق "الحبس والامساک "یعنی گرفتار اورقید کرنے کے معانی پر ہوتاہے۔[5]

الموسوعہ فقہیہ میں ہے:

وَالأُسْرَةُ: عَشِيرَةُ الرَّجُل وَأَهْل بَيْتِهِ[6]

"آدمی کے خاندان اور اس کے گھر والوں کو اسرۃ کہتے ہیں"

اسی طرح تاج العروس میں بھی خاندان کی تعریف انہی الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

([1]) ابن منظور،ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی،لسان العرب، ،داراحیاء التراث العربی،بیروت،۱۹۸۸ء،۲۲۳/۴،الموسوعۃ الاسرۃ،عبدالمحسن عبداللہ الخرافی،کویت،ط،اولیٰ،۱۴۲۴ھ،۸۰/۱،القاموس الاصطلاحی،مولاناوحیدالزمان کیرانوی،دارالاشاعت کراچی،ص:۵۳، فیروز اللغات فارسی،مولوی فیروزالدین،فیروزسنزلاہور،۱۹۷۳ء،۳۸۹/۱

([2]) مصری،سید محمد سابق،اسلام کاخاندانی نظام،مترجم،حافظ محمداسلم شاہدروی،حدیبیہ پبلیکیشنز ،لاہور،ص۵۷۔فیروزالدین،الحاج،مولوی،فیروز اللغات فارسی، فیروزسنزلمٹیڈ،لاہور،کراچی،روالپنڈی،۵۸

([3]) ام عبد منیب،طرز رہائش مشترکہ یاالگ،مشربہ علم وحکمت،لاہور،ص۵

([4]) ابن منظور،محمد بن مکرم بن منظورافریقی۔ مصری،لسان العرب، دار صادر — بیروت،س،ن۷۶/۳

([5]) خرافی،،عبدالمحسن عبداللہ لموسوعۃ الاسرۃ ،ص:۸۰

([6])موسوعہ فقہیہ کویتیہ،وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ — الکویت،ط، (من ۱۴۰۴ - ۱۴۲۷ ھ) ۲۲۳/۴

الأُسْرَةُ، بالضّمّ: أَقارِبُ الرَّجلِ مِن قِبَلِ أَبِيه[1]

"باپ کی طرف سے رشتہ داروں پر لفظ "اسرۃ" کا اطلاق ہوتا ہے۔"

عربی میں اسے " عیال الرجل" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسا کہ لسان العرب میں ہے:

وعِيَالُ الرَّجُلِ وعِيَلُه الذين يَتَكَفَّلُ بهم[2]

"آدمی کے عیال میں وہ لوگ شامل ہیں جو اس کی زیر کفالت ہوں۔

قرآن کریم میں یہی لفظ "اَسَر" پوشیدہ بات اور سرگوشی کے معنی میں مستعمل ہے،جیساکہ ارشادِ بدی تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾[3]

(اور جب نبی ﷺ نے اپنی ایک زوجہ سے راز کی بات فرمائی۔)

کتب لغت میں یہی لفظ "أسر" کل اور تمام کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے،جیسے "وجاؤاباسرهم"[4]

(وہ اپنا کل اثاثہ لے آئے۔)

"الأسر" سختی،مضبوطی اور پختگی کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے:

قرآن مجید میں ہے:

﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾[5]

(ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے۔)

نیزاسی آیت کی تفسیر کرتےہوئے امام طبرانی لکھتے ہیں:

ای رکبنااعضاءهم واحکممنا خلقها وترکیبها بحیث یشد بعضها بعضا ویقوی بعضها بعضا[6]

یعنی ہم نے اس کے اعضاء کو مرتب کیا،اس کی تخلیق کو مضبوط کیااور بعض کو بعض سے طاقت دی۔

اس معنیٰ کی تائید میں عربی شاعر بسید کا اپنے گھوڑے کی تعریف میں کہاہوا درج ذیل شعر بھی بطوراستشہاد پیش کیا جاسکتاہے:

([1]) زبیدی،مرتضیٰ،محمّد بن محمّد بن عبدالرزّاق حسینی، أبو الفیض،تاج العروس من جواهر القاموس،الناشر: دار الهدایة، س،ن۵۱/۱۰

([2]) ابن منظورافریقی،لسان العرب،۴۸۱/۱۱

([3]) التحریم:۶۶/۳

([4]) مولاناوحیدالزمان کیرانوی،القاموس الوحید،ادارہ اسلامیات،لاہور،۱۹۹۰،مادہ أسر

([5]) الدھر:۷۶/۸

([6]) طبرانی،ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی،المعجم الکبیر، ،وزارۃ الاوقاف،عراق،۱۹۸۰ء،موسوعۃ الاسرۃ،۸۰/۲

ساهم الوجه شديد اسره

مخبط الحارک محبوک الکفل[1]

المعجم الوسیط میں ہے:

الدرع الحصينة وأهل الرجل وعشيرته والجماعة يربطها أمر مشترك[2]

(مضبوط ڈھال،آدمی کا خاندان،اس کا قبیلہ اور برادری جوایک مشترکہ معاملے سے جڑے ہوئےہیں)

ازہرہ نے بھی اس کا معنی مضبوط ڈھال بیان کیا ہے جیساکہ تہذیب اللغۃ میں ہے:

الدِّرع الحصينة[3]

(مضبوط ڈھال)

القاموس المحیط میں ہے:

"اسر"الشَّدُّ، والعَصْبُ، [4]

("اسر"مضبوط اور سخت)

لفظ اسیر کی وضاحت کرتے ہوئے ابن فارس رقمطراز ہیں:

"الْأَسِيرُ، وَكَانُوا يَشُدُّونَهُ بِالْقِدِّ وَهُوَ الْإِسَارُ، فَسُمِّيَ كُلُّ أَخِيذٍ وَإِنْ لَمْ يُؤْسَرْ أَسِيرًا"[5]

(سخت باندھناہی لیے ہر پکڑے ہوئے شخص پر اسیر کا اطلاق کیا جاتا ہے اگرچہ وہ قید نہ بھی کیا گیاہو۔)

لسان العرب میں ہے:

"والاسر"احتباس البول واسربوله اسرااحتبس والاسم الأَسر والأُسر،وفی حدیث ابی الدرداءان رجلا قال له ان ابی اخذه الاسریعنی احتباس البول"[6]

درج بالاعبارت کامفہوم یہ ہے کہ "الأَسر" مادہ اور اصل کے لحاظ سےدرج ذیل مختلف معانی میں مستعمل ہے۔

([1]) ایضاً:۱/۲۶۷

([2]) إبراهيم مصطفى، أحمد الزيات، حامد عبد القادر، محمد النجار،المعجم الوسيط،دارالدعوة،باب الهمزة،۱/۱۷

([3]) ازہری،تہذیب اللغۃ،۴/۳۱۸

([4]) فیروزآبادی،مجدالدین محمد بن یعقوب،القاموس المحیط،مؤسسۃ الرسالہ،ط،رابع،۱۹۹۴ء،مادہ أسر

([5]) ابن فارس،ابوالحسن احمد ابن فارس،معجم مقاییس اللغۃ،دارالفکر،بیروت،۱/۱۰۷

([6]) ابن منظور افریقی،لسان العرب،۳/۷۷

۱۔ خاندان ۲۔قیدی ۳۔کسی چیز کوپوشیدرکھنا ۴۔مضبوطی اورپختگی ۵۔ترتیب و تنظیم

یہی مادہ مختلف معانی میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بھی استعمال ہواہے:

﴿فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا﴾ (1)

(ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اوردوسرے گروہ کوتم قیدی بنا لیتے ہو۔)

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (2)

(اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور اسیر کھاناکھلاتےہیں۔)

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾ (3)

(کسی نبی کےلیےیہ مناسب نہیں ہےکہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔)

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى﴾ (4)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!جوقیدی تمہارےہاتھ میں ہیں ان سے فرمائو۔)

﴿وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَى تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ﴾ (5)

اور اگر وہ قیدی ہو کرتمہارے پاس آئیں توفدیہ لےدے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کوگھروں سےنکالنا ہی تم پر حرام تھا۔

مذکورہ بالا آیات میں "اسر"کامادہ استعمال ہواہےجوکہ قیدیاقیدی کے معنیٰ میں ہے۔نیزمذکورہ بحث یہ بھی معلوم ہوا کہ خاندان سے مراد افراد کاوہ مجموعہ ہے جو باہم قرابت داری کے رشتہ سے منسلک ہوتےہوئےایک دوسرے کے ساتھ میاں بیوی، ماں باپ، بیٹےبیٹی اوربہن بھائی کےرشتوں سےباہم مربوط ہونے کی حیثیت سے عموماً ایک چھت تلےمل جل کر زندگی بسر کرنےوالے اہل خانہ کامجموعہ خاندان کہلاتاہے۔مقالہ ہذا میں بھی خاندان کے اسی مفہوم کو مراد لیا گیاہے۔

"الاسرۃ" کے مترادفات:

1۔ اھل:

---

(1) الاحزاب:۲۶/۳۳

(2) الدھر:۸/۷۶

(3) الانفال:۶۷/۸

(4) ایضاً:۷۰/۸

(5) البقرۃ:۸۵/۲

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں لفظ "اسرۃ" کی بجائے "اھل" مستعمل ہے جو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا:

﴿إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ [1]

(جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو اپنی زوجہ سے کہا ٹھہرو مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔)

اس آیت کریمہ میں استعمال ہونے والے لفظ "اھل" سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاندان ہے۔چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر میں شریک ان کے خاندان کے افراد تھے جن کو اہل سے تعبیر کیا گیا ہے۔لہذا اس آیت کے تحت خاندان کا اطلاق انسانوں کے گروہ، جماعت، اجتماع کی جگہ، گھر اور خاندان یا علاقہ پر ہوگا۔

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [2]

(اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! تم سے ہر طرح کی ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں خوب صاف ستھرا کردے)

درج بالا آیہ کریمہ میں صراحتاً آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو آپ کا خاندان قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ ازواج گھر میں داخل ہیں اور ان کے بغیر خاندان کی شروعات ہی ایک ناممکن امر ہے۔

﴿قَالَ يَانُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [3]

(اے نوح! وہ تمہارے اہل والوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔)

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آپ کا بیٹا آپ کے خاندان سے نہیں ہے۔ نیز خاندان میں شامل نہ ہونے کی وجہ بھی بیان کردی گئی کہ اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ انسان کے اعمال کی بنیاد پر اس کے خاندان کی پہچان کی جاسکتی ہے۔نیز صفات سے انسان کا خاندان بھی پہچانا جاتا ہے۔

﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ﴾ [4]

(تو اپنے گھر والوں کو رات کے آخری پہر میں لے کر باہر جایئے)

اس آیت کریمہ میں حضرت لوط علیہ السلام کو مخاطب کرکے حکم دیا گیا کہ اپنے اہل کو رات کے ایک حصے میں لے چلو، جس سے خاندان کا مفہوم عیاں ہوتا ہے۔

([1]) طٰہٰ:۱۰/۲۰

([2]) الاحزاب:۳۳/۳۳

([3]) ھود:۴۶/۱۱

([4]) الحجر:۶۵/۱۵

﴿إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ﴾[1]

(بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے سوائے آپ کی بیوی کے۔)

﴿فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ﴾[2]

(پس ہم نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے نجات دی۔)

درج بالا دونوں آیات کریمہ سے بالکل واضح ہے کہ دین الٰہی کی بناء پر اکٹھے ہونے والے خاندان کو نجات دی گئی۔یعنی دین الٰہی ہی نجات دہندہ دین ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا خود ساختہ دین، نجات دہندہ نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن وبال جان بنے گا۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات میں خاندان کا مفہوم لفظ اہل کے ساتھ بیان ہوا ہے جو کہ "اسرۃ" کا مترادف ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں خاندان کا مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"اسرۃ الانسان عشیرتہ ورھطہ الادنون ماخوذمن الاسروھو القوۃ سموابذلک لانہ یتقوی بھم"[3]

اسرۃ: اسرہ کا لفظ انسانی خاندان، آل اولاد اور اس کے باپ کی طرف سے قریبی رشتے داروں پر بولا جاتا ہے۔اسرۃ اصل میں اسر سے ماخوذ ہے اور اسر قوت کو کہا جاتا ہے۔اور اس کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی آل اولاد کے ذریعے مضبوطی اور قوت پاتا ہے۔

ابو جعفر النحاس کے نزدیک خاندان کی تعریف:

"الاسرۃ اقارب الرجل من قبل ابیہ"[4]

(یعنی باپ کی طرف سے قریبی رشتہ داروں کو اسرہ اور خاندان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔)

ابن عابدین کے نزدیک:

"اھلہ زوجتہ وقالا یعنی صاحبی ابی حنیفۃ کل من فی عیالہ ونفقتہ غیر مماليكه،لقولہ تعالیٰ﴿فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ﴾"[5]

(کسی شخص کا خاندان،اس کی بیوی اور گھر کے افراد ہیں۔امام محمد اور امام ابو یوسف نے فرمایا کسی شخص کے زیر کفالت وحضانت میں آنے والے تمام افراد سوائے غلاموں کے ایک خاندان اور اسرہ میں شامل ہیں)

([1]) العنکبوت:۲۹/۳۳

([2]) موسوعۃ الاسرۃ،۱/۳-۸۲

([3]) موسوعۃ الفقہیہ الکویتیۃ،وزارۃ الاوقاف والشوؤن الاسلامیہ،کویت،۱۴۱۸ھ،۴/۲۲۳،تاج العروس،۳/۱۳

([4]) زبیدی،محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسینی، أبو الفیض ،تاج العروس،دار الفکر،بیروت،۱۹۹۴ء،۳/۱۳،موسوعۃ الفقہیہ،ص۴/۲۲۳

([5]) الدر المختار شرح تنویر الابصار فی الفقہ الحنفی مع حاشیہ ابن عابدین،محمد امین ابن عابدین،دار الفکر بیروت،ط ثانی،۱۳۸۶ھ،۵/۴۵۲،سورۃ الشعراء:۲۶/۱۷۰

2۔ العائلۃ:

نیز عربی لغت میں العائلۃ کا اطلاق بھی "الاسرۃ" کے مترادف کے طور پر ہوتا ہے۔اردو لغت میں "العائلۃ" کا اطلاق گھرانہ،کنبہ، خاندان، فیملی(افراد کا وہ مجموعہ جو ایک ساتھ ایک گھر میں رہتا ہو؛جیسے ماں،باپ،اولاد اور ان کے قریبی رشتے دار)یہ عائلۃ بمعنی معولۃ ہے۔"العائلۃ" اسم فاعل ہے جو کہ اسم مفعول کے معنٰی میں مستعمل ہے۔عربی زبان میں عائلہ کا مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے:

"العائلة:اسم فاعل بمعنى مفعول:من يعولهم الشخص من يضمهم بيت الرجل وينفق عليهم من زوجه واقارب"[1]

آدمی جن کی طرف لوٹ کر جاتا ہے ان سے ملاقات کرتا ہے نیز اپنے عزیز واقارب میں سے جن پر خرچ کرتا ہے،افراد کے ایسے مجموعے پر لفظ "عائلہ" بولا جاتا ہے۔عنوان مقالہ میں لفظ خاندان سے بھی یہی مفہوم مراد لیا گیا ہے۔

خاندان کے لیے عربی زبان میں مستعمل ان تینوں الفاظ کو قاموس عربی انگریزی،فرانسیسی میں خاندان کو تین میں یوں بیان کیا گیا ہے:

عائِلَة (ج:عول،م:علاقات) : أسْرَة

House, an important family, especially a royal family, a set of parents and children, or of relations, living together, one's parents or relatives, one's relatives or family, one's relations, referred to collectively, relationship by blood, one's relations by blood, relatives by blood or marriage, all the persons, contacts between people; relatives, relations; kith and kin; etc, peoples who live or have a home in a place, not visitors.

(گھر،ایک اہم خاندان،ایک مخصوص شاہی خاندان،والدین اور بچوں،رشتے داروں،ساتھ رہنے والوں،ایک والدین اور خونی رشتے دار،شادی شدہ اکٹھے رہنے والا خاندان کا ایک مخصوص گروہ،وہ لوگ جو ایک جگہ میں رہتے ہیں نہ کہ صرف سیاح)

عائِلي –مَنْسُوبٌ لِلعَائِلَة،ترجمة إنجليزية:

Domestic, of the home, family, household, of, occurring in, or characteristic of a family or its members, homey, domestic, cognation, like one's own home, of or relating to home.

(گھریلو افراد،شاہی خاندان،اکٹھے رہنے والوں کی خصوصیات اور اس کے افراد،ایک جیسا ادراک رکھنے والے افراد ایک چھت تلے رہنے والے لوگ)

آل-أَهْل،ترجمة إنجليزية:

House, an important family, especially a royal family, a set of parents and children, or of relations, living together, one's parents or relatives, one's relatives or family,one's relations, referred to collectively, relationship by blood,one's relations by blood, relatives by blood or marriage, all the persons, contacts between people; relatives, relations; kith and kin; etc, peoples who live or have a home in a place, not visitors.

([1]) معجم لغة الفقهاء،محمد رواس قلعجي،حامد صادق قنيبي،دار النفائس للطباعة والنشر والتوزيع،ط:ثانی، ۱۴۰۸ ھ- ۱۹۸۸ مص:۱ /۲۹۹

(گھر،ایک اہم خاندان،خاص طورپرایک شاہی خاندان،والدین اوربچوں کامجموعہ،یا رشتہ دار،ایک ساتھ رہنا، کسی کےوالدین یارشتہ دار،کسی کارشتہ داریاخاندان،کسی کےرشتےدارخون کےذریعے، تمام افراد،لوگوں کےدرمیان رابطے؛رشتہ دار،تعلقات؛ رشتہ دار اور رشتہ دار وغیرہ، وہ لوگ جو کسی جگہ رہتے ہیں یا ان کا گھر ہے، نہ کہ آنے والے)

ترجمة عربية:-أُسْرَة-عائِلَة،ترجمة إنجليزية:

House, an important family, especially a royal family, a set of parents and children, or of relations, living together, one's parents or relatives, all the people who live together in one house; a house and its affair, a family, class, or set, one's relatives or family, one's relations, referred to collectively, relationship by blood, one's relations by blood, relatives by blood or marriage, contacts between people; relatives, relations; kith and kin; etc, peoples who live or have a home in a place, not visitors.[1]

عربی لغت میں خاندان کامفہوم بیان کرنے کے لیےدرج بالاتین الفاظ کااستعمال اکثر ملتاہے،جس کااردواورانگلش میں مختصر مفہوم قبیلہ،گھر،گھر کےافراد جن میں والدین،اولاد،خونی رشتےدار،نکاح کےرشتےاوراسی طرح ایک جگہ اکٹھے رہنےوالےافراد کے مجموعےپرخاندان کا اطلاق ہوتاہے۔

انگریزی زبان میں خاندان کےلیے Familyکا لفظ استعمال کیاجاتاہےجس کی توضیح اس طرح کی گئی ہےکہ خاندان عام طور پرزوج زوجہ اوراولادپر مشتمل ہوتاہے۔آکسفورڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری کے مطابق بھی خاندان کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

Family: Group of parents and children. All those who persons decended from common ancestors, group of living things or of language with comon Characteristics and a common source.(2)

(خاندان والدین اور بچوں پر مشتمل گروہ کا نام ہے۔ وہ تمام افراد جو مشترک آباء و اجداد سے تعلق رکھتے ہیں، جانداروں کا گروہ یا مشترکہ خصوصیات والی زبان اور مشترکہ ماخذپر خاندان کا ہی اطلاق ہوتاہے۔)

(1) A family is a group of people who are related each other, especially parents and their children.

(ایک خاندان لوگوں کاایک گروہ ہےجوایک دوسرے سے متعلق ہیں،خاص طور پر والدین اور ان کے بچے)

(2) When people talk about their family, they sometimes mean their ancestors.[3]

جب لوگ اپنے خاندان کے بارے میں بات کرتے ہیں تو بعض اوقات ان کا مطلب اپنے آباؤ اجداد سے ہوتا ہے۔

گورڈن مارشل خاندان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

An intimate domestic group made up of people related to one another by bonds of blood, sexual

---

([1]) قاموس عربی انگریزی،فرانسیسی،ص:۱۰۸۹/۲

([2])Oxford advanced learners Dictionary, Sally Wehmeier, Albert Sydney Hornby, pg.510

([3]) John Sinclair,(Collins COBUILD New Student's Dictionary,p.226

mating or legal ties.It has been a very resilient social unit that has survived adapted through time. (1)

(ایساقریبی گھریلو گروہ جو خونی رشتے،جنسی رفاقت یا قانونی بندھن کی بناء پرایک دوسرے سے مربوط ہونے کی اساس پرمعرض وجود میں آیاہوخاندان کہلاتاہے۔یہ ایک بہت لچکدار سماجی اکائی رہا ہےجو زمانے کے مختلف ادوار میں ہم آہنگ ہو کر زندہ وسلامت رہا ہے۔)

مارگن کے نزدیک خاندان ایک زندہ اورمتحرک چیز ہےجو کبھی ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ سماج کے اتار چڑھاؤ کی طرح خاندان بھی نیچےسے اوپر کی طرف ترقی کرتارہتاہےاس کے برعکس خاندانی نظام میں کوئی بڑی تبدیلی اسی وقت رونما ہوتی ہے جب کوئی بری تبدیلی ہوچکی ہو۔

علاوہ ازیں لفظ"خاندان"موجودہ دور میں عام طورپرمغربی معاشرے کےتصور پر مبنی ہونے کی وجہ سے انگریزی لفظ (Family)کے معنوں میں سمجھا جاتاہےجس میں ماں ،باپ اور بچے شامل ہوتےہیں۔

کلام مقدس کے بنظرِ عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کلام مقدس کے اردو ترجمہ میں "خاندان"کالفظ سو سےزائد مرتبہ"گھرانہ" اور کنبہ صرف پانچ مرتبہ استعمال ہواہے۔[2]

بائبل مقدس کے مطابق خدا نے کائنات کی تکوین کےساتھ ہی آدم وحوا کی تخلیق سےازواجی زندگی، خاندان اورگھر بلکہ قبیلے اور قوم وملت کی بنیاد رکھ دی۔"اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"[3]

گویا کہ خاندان کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود انسان کی تاریخ ۔یہی وجہ ہے کہ کتاب مقدس کے مطابق آدام و حوا کی تخلیق کے ساتھ ہی ناصرف گھر اور خاندان بلکہ قوم وملت کی بھی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں خاندان کا تصور :

قرآن مجید مکمل ضابطہ حیات پر مبنی ایک الہامی کتاب ہےجوزندگی کے دیگر شعبوں کی طرح خاندان کے بارے میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ [4]

(اے لوگو!بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا)

([1]) فریڈرک اینگلز،خاندان،ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز،۲۷

([2]) قاموس الکتاب(لغات بائبل)ایف ایس خیراللہ،مسیحی اشاعت خانہ ۳۶فیروزپور روڈ لاہور،۱۹۸۴ء،ص:۳۵۵

([3]) کتاب مقدس،تکوین:۲۷:۱،بائبل سوسائٹی،انارکلی بازار،لاہور،۱۹۹۳ء،ص:۵

([4]) الحجرات:۴۹/۱۳

امام فخر الدین رازی مذکورہ آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

﴿فَذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنْ لَا يَتَفَاخَرَ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ لِكَوْنِهِمْ أَبْنَاءَ رَجُلٍ وَاحِدٍ﴾[1]

(اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت پر یا کوئی عورت کسی مرد پر فخر نہ کرے کیونکہ ہر ایک ابتداء ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے ہے۔)

﴿يَآأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَازَوْجَهَاوَبَثَّ مِنْهُمَارِجَالًاكَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾[2]

((اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر اس سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔)

حافظ ابن کثیر مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿خَلَقَهُمْ بِهَا مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، وَهِيَ آدَمُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ {وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا} وَهِيَ حَوَّاءُ، عَلَيْهَا السَّلَامُ، خُلِقَتْ مِنْ ضِلعه الْأَيْسَرِ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ نَائِمٌ، فَاسْتَيْقَظَ فَرَآهَا فَأَعْجَبَتْهُ، فَأَنِسَ إِلَيْهَا وَأَنِسَتْ إِلَيْهِ﴾[3]

(خَلَقَهُمْ بِهَا مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اورمِنْهَا زَوْجَهَا سے مراد حضرت حوا سلام اللہ علیہا ہیں جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیاجبکہ آپ علیہ السلام سو رہے تھے جب نیند سے جاگے اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو پاس دیکھا تو تعجب کیاپھر دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہوگئے)

مذکورہ آیت کے مطابق حضرت آ دم اور حوا سلام اللہ علیہماکی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے خاندان کی بنیاد مرد وزن کے خوبصورت رشتہ نکاح کو قرار دیا۔ اس نظام کو مزید منظم و مربوط کرنے کے لیےحقوق وفرائض کے ذریعے ہر ایک پر الگ الگ ذمہ داری ڈالتےہوئے ہر ایک کو دوسرے کا نگران بنا دیا۔مردوں کو عورتوں پر قوام (افسر)مقرر کر دیا۔قرآن پاک میں مرد کی قوامیت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾[4]

([1]) الرازی،أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري،داراحياء التراث العربی،ط، ثالث، ۱۴۲۰، ۱۱۲/۲۸

([2]) النساء:۵۱/۴

([3]) ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي،تفسير القرآن العظيم،دارطيبة للنشر والتوزيع،ط،ثانی،۱۴۲۰ھ ۲۰۶/۲

([4]) النساء:۳۴/۴

مرد عورتوں افسر ہیں۔ اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے،مرد مال خرچ کرتے ہیں)

" الرَّجُلُ قَيِّم عَلَى الْمَرْأَةِ، أَيْ هُوَ رَئِيسُهَا وَكَبِيرُهَا وَالْحَاكِمُ عَلَيْهَا وَمُؤَدِّبُهَا إِذَا اعوجَّت {بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ} أَيْ: لِأَنَّ الرِّجَالَ أَفْضَلُ مِنَ النِّسَاءِ، وَالرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْأَةِ؛ ولهذا كَانَتِ النُّبُوَّةُ مُخْتَصَّةً بِالرِّجَالِ وَكَذَلِكَ الْمُلْك الْأَعْظَمُ؛ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ يُفْلِح قومٌ وَلَّوا أَمْرَهُم امْرَأَةً" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ (1) وَكَذَا مَنْصِبُ الْقَضَاءِ وَغَيْرُ ذَلِكَ."[1]

مذکورہ آیت کی تفسیر حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:مرد عورت کانگہبان ہے، یعنی وہ اس کا حاکم ہے، اس کا بڑا ہے، اس پر قاضی ہے،اور جب وہ منحرف ہو جائے تو اس کی اصلاح کرنے والا ہے (کیونکہ خدا نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) یعنی کیونکہ:مرد عورتوں سےافضل ہیں اورمرد عورتوں سےبہتر ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے نبوت مردوں کے لئے مخصوص تھی،بادشاہت اسی کا حق ہے آپ ﷺ کے اس قول کی وجہ سے:

"کوئی قوم کامیاب نہیں ہوگی اگر ان کے معاملات کی ذمہ داری ایک عورت کے ہاتھ میں ہو"۔

اسی آیت کے آخر میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت دینے کی وجہ قرآن نے جوخود بیان کی وہ یہ ہےچونکہ مرد مشقت اورمحنت مزدوری کرکے کماتے ہیں پھر اپنی بیوی بچوں پر لگاتے ہیں جس کی وجہ سےمردوں کو عورتوں پر فوقیت دی گئی ہے۔

نیز فرمایا

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾[2]

(اسکی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری جنس میں سے بہتر بیویاں بنائیں۔)

اسی آیت کی تفسیر ابن کثیر نے درج ذیل الفاظ میں کی ہے:

"وَلَوْ أَنَّهُ جَعَلَ بَنِي آدَمَ كُلَّهُمْ ذُكُوراً وَجَعَلَ إِنَاثَهُمْ مَنْ جِنْسٍ آخَرَ [مِنْ غَيْرِهِمْ] إِمَّا مِنْ جَانٍّ أَوْ حَيَوَانٍ، لَمَا حَصَلَ هَذَا الِائْتِلَافُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَزْوَاجِ، بَلْ كَانَتْ تَحْصُلُ نَفْرَة لَوْ كَانَتِ الْأَزْوَاجُ مِنْ غَيْرِ الْجِنْسِ. ثُمَّ مِنْ تَمَامِ رَحْمَتِهِ بِبَنِي آدَمَ أَنْ جَعَلَ أَزْوَاجَهُمْ مِنْ جِنْسِهِمْ، وَجَعَلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُنَّ مَوَدَّةً: وَهِيَ الْمَحَبَّةُ، وَرَحْمَةً: وَهِيَ الرَّأْفَةُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ يُمْسِكُ الْمَرْأَةَ إِمَّا لِمَحَبَّتِهِ لَهَا، أَوْ لِرَحْمَةٍ بِهَا، بِأَنْ يَكُونَ لَهَا مِنْهُ وَلَدٌ، أَوْ مُحْتَاجَةٌ إِلَيْهِ فِي الْإِنْفَاقِ، أَوْ لِلْأُلْفَةِ بَيْنَهُمَا، وَغَيْرِ ذَلِكَ،"[3]

([1])ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،۲/۲۹۲

([2]) الروم:۳۰/۲۱

([3]) قاموس عربی انگریزی،فرانسیسی،ص:۲/۱۰۸۹

(اگر وہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو مرد بنادیتا اوران کی عورتوں کو کسی اور جنس سے بنا دیتا، جن یا جانور، تو یہ اتحاد ان کے اور بیویوں کے درمیان نہ ہوتا، بلکہ نفرت ہوتی۔ اگر میاں بیوی مختلف جنس کے ہوتے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی آدم پر اپنی رحمت کی تکمیل کی کہ اس نے ان کی بیویوں کو ان کی طرح بنایا، اور اُس نے اُن کے درمیان مودت رکھی، جو کہ محبت ہے، اور رحم، جو کہ ہمدردی ہے۔ ایک عورت کو یا تو اُس کے لیے محبت کی وجہ سے یا اُس کے ساتھ رکھتا ہے، کہ اُس کے ہاں اُس کا بچہ ہو، یا بیوی نان نفقے کے معاملے میں شوہر کی محتاج ہے، یا یہ کہ انکے درمیان قربت ہے، وغیرہ۔)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مرد اور عورت کو ایک ہی جنس سے پیدا کرنے کی بجائے دو مختلف جنسوں سے بھی پیدا کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کی بدولت مرد و عورت کو ایک ہی جنس سے پیدا کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اگر مختلف الجنس ہونے کی وجہ سے ان کے مابین محبت قائم نہ ہوسکتی بلکہ نفرت پیدا ہوتی جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے قریب نہ جاتے۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس نے عورت کو بھی اسی جنس سے پیدا کیا جس سے مرد کو پیدا کیا جو کہ ان کے مابین محبت و مودت کی علامت بنی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی بہترین شخص کا معیار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ))[1]

(تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر۔)

اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندان ایک ایسا منظم ادارہ ہے جو افراد کی تربیت کے ذریعے سے معاشرے کی اصلاح کا باعث بنتا ہے۔ جس کے تحت افراد خاندان کے حقوق وفرائض کا تعین کیا گیا ہے جن کی ادائیگی کی صورت میں کسی بھی خاندان کو ایک اصلاحی مرکز کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ ان حقوق وفرائض کا تعلق کبھی میاں بیوی، کبھی والدین اور اولاد کے ساتھ ہوتا ہے تو کبھی ان حقوق وفرائض کا تعلق دیگر رشتے داروں اور ہمسائوں کے مابین ہوتا ہے۔ دین اسلام نے اولاد کو والدین کی تابعداری، فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ بیوی کو شوہر کی فرمانبرداری کا حکم بھی دیا ہے۔ اور شوہر کی بہتری کا معیار اپنی بیوی اور گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا ہے۔ اب جو لوگ اس پرفتن اور بدامنی وبے چینی کے دور میں بھی پرسکون اور امن وامان کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ کتنی جلدی اس سکون اور امن وامان کے حصول کے لیے اسلامی تعلیمات کو اپناتا ہے نیز اپنے اور بیوی بچوں کے لیے خود سکون کا باعث بنتا ہے۔ اس کے لیے ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کی پاسداری کرنا ضروری ہوگا۔

([1]) بیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علي، السنن الکبری، مجلس دائرۃ المعارف نظامیہ، ط، اولی ۱۳۴۴ھ، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاہل، ح ۷، ۱۶۱۱۷/۴۶۸

عہد جدید میں خاندان کا تصور:

عہدنامہ قدیم وجدید میں بھی خاندان کا تصور موجود ہے۔یہاں یونانی چند اصطلاحات کا اردو ترجمہ خاندان،گھرانہ اور کنبہ کیا گیاہے۔یونانی لفظ "Syngeneia" کا معنٰی ہر جگہ کنبہ لیا گیاہے۔

اور اس سے کہا کہ اپنے ملک اور اپنے کنبے سے نکل کر اس ملک میں چلا جا جو میں تجھے دکھاؤں گا۔[1]

اس آیت میں خاندان کا معنی کنبہ کیا گیاہے۔جس سے معلوم ہوا کہ خاندان کا ایک معنٰی کنبہ بھی ہے۔

لفظ Patrea یونانی عہد نامہ میں تین مرتبہ استعمال ہواہے جس کا ترجمہ اولاد،گھرانہ اور خاندان کے مختلف الفاظ میں کیا گیاہے۔مثلاًلوقا میں اسی لفظ کا معنٰی اولاد[2]"اعمال" میں گھرانہ اور خاندان کیا گیاہے۔[3]اعمال میں لفظ Genos کا ترجمہ بھی گھرانہ ہی کیا گیاہے۔[4]جبکہ دیگر جگہوں پر نسل[5]۔اسی لفظ کاترجمہ قوم بھی ہے۔[6]اور پیدائش بھی۔[7]

اسی طرح یونانی اصطلاحات Oikos اور Oikia کا ترجمہ بھی گھرانہ کیا گیاہے۔یہ عہد نامہ جدیدکے اردو ترجمے میں ۲۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور لفظ "خاندان"صرف تین مرتبہ۔ایک اور یونانی اصطلاح Patria کا ترجمہ بھی خاندان کیا گیاہے۔

یونانی عہد نامہ میں خاندان کا مفہوم بیان کرنے کے لیے Patrea کا لفظ استعمال کیا گیاہےاور اسی لفظ کو کبھی اولاد کے معنی میں تو کبھی گھرانہ کے معنٰی میں استعمال کیا گیاہے سب کا مفہوم ایک ہی بنتاہے اوروہ ہےخاندان۔Patrea کےعلاوہ ایک لفظ Genos استعمال کیا گیاہےاس کا معنٰی بھی گھرانہ کیا گیاہے جبکہ یہی لفظ قوم اور نسل کے معنٰی میں بھی مستعمل ہے۔

1. PATER کی اصطلاح:

عہد جدید میں خاندان کا واضح تصور باپ ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔یہاں خاندان قبیلہ کی بڑی اکائی ہےاور دادا،پردادا کی صورت میں وسیع ترہوتے ہوئےتمام عالم کے معنی سمیٹ لیتاہے۔اسی نظریے کو مدنظر رکھتے ہوئے پولوس رسول کہتاہے:

([1]) ایضاً،اعمال:۳:۷،ص:۱۱۳

([2]) ایضاً،لوقا:۴:۲

([3]) کتاب مقدس،اعمال:۲۵:۳

([4]) ایضاً،۶:۲

([5]) اعمال۲۸:۷

([6]) مرقس۲۶:۷

([7]) اعمال۲۴:۲،۳۶:۴

"اسی سبب سے میں باپ کے حضور دوزانو ہوتاہوں جس سے آسمان میں اورزمین پر ہر خاندان نامزد ہے۔"[1]

اس سے معلوم ہوجاتاہے کہ ہر خاندان اور گھرانہ کی پشت پر ایک باپPATRA ہے۔اس کے علاوہ خاندان کا تصور اہلِ ایمان تک بھی محدود ہے۔[2]

اس اصطلاح کے مطابق خاندان کی اصل بنیاد باپ ہے جوکہ دادااور پردادا کی صورت میں وسیع تر ہوتے ہوئے پورے جہاں کو سمیٹ لیتا ہے۔ایک رائے کے مطابق خاندان میں ہر وہ بندہ شامل ہے جو عیسائیت پر یقین رکھتا ہے گویا کہ اس نظریے کے مطابق پوری عیسائیت ایک ہی خاندان ہے۔

2. گھرانہ:

پہلی صدی عیسوی میں رومی،یونانی،اور یہودی دنیا میں جو معاشرتی یک جہتی تھی وہ مخصوص خاندان کی بجائے گھرانے پر مشتمل تھی۔ اس میں خداوند[3]مالک[4]یا خاندان کا سربراہ(باپ)بیوی بچے تھے بلکہ خاندان کے تابع لوگ یعنی ملازم اور دیگر اشخاص باہمی مفاد کی خاطر رضا کارانہ طورپر گھرانہ میں شامل ہوجاتے تھے۔

اس رائے کے مطابق گھر کےافراد،ملازمین اور ہم پیشہ لوگ سارےایک خاندان شمار کیے جاتے تھے۔

3. گھر اور گھرانے کی مذہبی اہمیت:

ابتدائی کلیسیا کی ترقی و استحکام میں گھر اور گھرانہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔یہودیوں کے گھر تو پہلے ہی مذہبی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ عید فسح کے کھانے،ہفتہ وار عشائیہ وعبادت اور تعلیم وغیرہ کا انعقاد گھر پرہی ہوتاتھا۔ ابتدائی مسیحی بھی اسی نظام کو اپنا چکے تھے۔وہ گھر گھر روٹی توڑا کرتے تھے۔[5]یروشلم کی کلیسیا میں بھی گھروں میں دی جاتی تھی۔[6]ایسالگتاہے کہ گھروں میں تعلیم دینے کےلیے سوال جواب تھے جن میں مسیحی گھرانے کے فرائض شامل تھے۔[7]یونانی شہروں میں بھی کلیسیا کی بنیاد اور نشوونما میں گھرانے کا کردار بہت اہم ہے۔کلیسیا میں شامل

---

(1) افسیوں۳:۱۴

(2) افسیوں۲:۱۹

(3) متی۲۵:۱۱

(4) لوقا۱۳:۲۵،متی۲۵:۱۸

(5) اعمال۲:۴۶

(6) ایضا۲۰:۲۰

(7) کلیسیوں۳:۱۸

ہونے والے پہلے غیر یہودی لوگ۔قرنیلس کے رشتہ دار اور دوست تھے۔[1]فلپی کے مقام لدیہ اوراس کے گھرانے نے بپتسمہ لیا[2] قید خانہ کےداروغہ اور اس کے پورے خاندان نے بپتسمہ لیا۔[3]پھر استیفنان کا خاندان[4] وغیرہ۔

4. گھر اور کلیسیا:

عہدنامہ جدید میں گھر اور گھرانہ کے مذہبی کردارسے مسیحی گھرانہ اور کلیسیا میں چولی دامن کاتعلق نظر آتا ہے۔خاندان اور گھرانے مذہبی رسوم، تعلیم اوراشاعتِ ایمان سے وابستہ تھے۔اسی لیے یہی ابتدائی کلیسیاکے وجوداور نام کا باعث بنے۔جیسے فیلمون کے گھرانے کی کلیسیا جوکلیسے میں تھی۔[5]لاذقیہ میں نمفہ اور اس کے گھر کی کلیسیا[6] خادموں میں یعنی اسقف اور شماس وغیرہ کاانتخاب بھی انہی گھروں کے سربراہوں سے ہوتاتھا۔[7]

خاندان اور گھرانے ہی کے رجوع سے امت اورکلیساءخداوند یسوع سے وابستہ رہ کر آج کثرت سے پھل پیدا کرتی ہے۔[8]

خاندان ہی ازدواجی زندگی کو مستحکم کرتا اور اس میں شامل رشتوں میں وفاداری کو فروغ دیتا ہے۔[9]خاندان کی مثالی زندگی میں رشتہ ازدواجیت میں مسیح کی محبت کا بھید ظاہر ہوتا ہے۔[10]اسی میں بچوں کی صحیح تربیت اور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے عہد میں خاندان کی بقا کے لئے شاندار بات یک زوجگی پر اصرار ہے ۔[12]جسے خدا نے جوڑا ہے اسے انسان جدا نہ کرے ایک ایسا اصول ہے جس کی روشنی میں پورے خاندان میں وفاداری یک جہتی اور یگانگت و ہم آہنگی قائم رہتی ہے ۔اسی طرح خاندان خُدا کے جلال کا مظہر ٹھہرتا ہے۔[13]

([1]) اعمال۲۴:۱۰

([2]) اعمال۱۶:۱۵

([3]) ایضا۳۱:۱۶۔۳۴

([4]) قرنتیوں۱۵:۱۶

([5]) فلیموں۱:۲

([6]) کلسیوں۱۵:۴

([7]) ا تیموتاوس۱۲،۷:۳

([8]) یوحنا ۱۶:۱۵

([9]) افسیوں۲۲:۵۔۲۵

([10]) افسیوں ۳۲:۵

([11]) امثال۲۲:۶

([12]) مرق۱:۱۰۔۹

([13]) افسیوں ۱۵:۳۔۱۹

اگر خُداوند گھر نہ بنائے تو بنانے والوں کی محنت لا حاصل ہے۔[1]

اصطلاحات کی مدد سے عہد نامہ عتیق اور عہدنامہ جدید کے بغور مطالعہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاندان کا اردو ترجمہ گھر،گھرانہ اور کنبہ یا قبیلہ کیا جاسکتا ہے۔ان عہود میں خاندان کا تصور اور مفہوم بہت وسیع ہے۔پدرسری نظام معاشرت کی وجہ سے یہاں ہر فرد اور خاندان مخصوص شناخت ومنزلت اس قبیلے کے سربراہ سے وابستہ ہے جس سے وہ گھرانہ اور قبیلہ قوانین ورسوم ہی اس کی سالمیت اوراستحکام کا باعث ہیں۔جس طرح عہد عتیق میں خاندان،گھرانہ اور قبیلہ موسوی شریعت کے مطابق پاک یہود کی مخصوص امت بنا اور اس کے فضائل سے مستفید ہوا اُسی طرح عہد جدید میں خداوند یسوع کے ذریعہ ہر خاندان خدا سے وابستہ ہوا۔ مسیح خاندان اور گھرانے ہی ابتدائی کلیساء کے مرکز اور اسکی شناخت بنے ۔انہی گھروں،گھرانوں کے کردار پر روح القدس کی تحریک پھل پیدا کرتی نظر آتی ہے۔

([1]) مزمور ۱۲۷:۱،۲

فصل دوم : خاندان کی ضرورت واہمیت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی مضبوط معاشرتی نظام کا تصور،مضبوط خاندانی نظام کےبغیر ممکن نہیں ہو سکتا جس سے اس کی اہمیت کابآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔یہ ایک ایسامعاشرتی ادارہ ہے جس پر کسی بھی قوم کی تعمیر وترقی کادارومدار ہے ۔

ڈاکٹر خالد علوی خاندان کی اہمیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں :" خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔ خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے۔ خاندان ہی وہ ادارہ ہے جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے۔ اسے فرق مراتب کا شعور بخشتا ہے۔ اگر خاندان کا استحکام کم ہو جائے تو انسانی طرز عمل ، معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا یقین سب کچھ ختم ہو جائے گا۔"[1]

گویاکہ ڈاکٹر خالد علوی کے مطابق انسانی رویےاورطرز عمل سے تشکیل پانے والاادارہ خاندان کہلاتاہے۔جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ، احساس ذمہ داری اور چھوٹے بڑے کی تمیز کےساتھ ساتھ افراد خاندان میں شعورپیداکیا جاسکتاہے۔

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ خاندان کی اہمیت کے حوالے سے لکھتی ہیں :" قوموں کے عروج و زوال خاندان کے استحکام و بقاء میں مضمر ہیں ۔کسی بھی تہذیب و تمدن اور قوم کا عروج اس ادارہ [خاندان] کےتعمیر وتربیت پر اور مثبت کردار کا مرہون منت ہے۔اس لیے بجا طور پرخاندان کو پہلاریاستی ادارہ قرار دیا گیا ہے۔خاندان ریاست کی ابتدائی منزل اور اساس ہے ۔اگر خاندان مضبوط رشتوں پر قائم ہو تو معاشرتی نظام بھی استحکام حاصل کرتا ہے ۔گھر ہی وہ مرکز ہے جہاں افرادی قوت تیار ہوتی ہے ۔یہ وہ بنیادی یونٹ ہے جو افراد کی تعمیر و تشکیل اور تربیت کاکام بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کرتا ہے ۔"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ قوموں کا عروج وزوال خاندان کے استحکام کا مرہون منت ہےجس کی بنیادپر خاندان کو پہلا ریاستی ادارہ قرار دیاگیاہے۔افرادمعاشرہ کی تعمیروتشکیل اور تربیت بھی خاندان ہی کی مرہون منت ہوتی ہے۔

"دنیا کی کوئی ایسی قوم نہیں بتائی جا سکتی ، خواہ وہ متمدن ہو یا وقتی، جو اپنا خاص خاندانی نظام نہ رکھتی ہو۔ خواہ وہ سماجی ارتقاء سے بنایا وحی و الہام اور خدائی قانون کے ذریعے مرتب ہوا۔ لیکن قوموں کی تشکیل اور صورت گری میں اسکا بڑا بنیادی حصہ رہا ہے۔"[3]"تمام مذاہب

([1]) خالد علوی ، ڈاکٹر ،اسلام کا معاشرتی نظام،المکتبۃ العلمیہ،لاہور،۱۹۹۸،ص،۸۳

([2]) سیدہ سعدیہ ،ڈاکٹر ،پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل،اداراہ اسلامیات،لاہور،۲۰۱۷،ص،۳

([3]) مسلم پرسنل لاءاوراسلام کاعائلی نظام،:۲۳

میں خاندان کی وکالت اس طرح کی گئی ہے کہ گویایہ خاندان مرد کے لیے گھونسلہ ہے اور عورت اولین استاد کی حیثیت رکھتی ہے جس کے جیسااستاد مہیا ہونانا ممکن ہے۔"[1]

اس کرہ ارض پر بسنے والی ہر قوم کا اپنا ایک مخصوص خاندانی نظام ہےجس کی بنیاد یا تو سماج ہے یا پھر وحی الٰہی۔خاندان قوموں کی تشکیل وترتیب میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔مردوزن کے سماجی رشتے سے تشکیل پانے والے خاندان میں مرد کو گھونسلہ اور عورت کو اولین استاد کا درجہ دیا گیاہےکہ معاملات زندگی چلانے کےلیے تمام تر اخراجات کا بوجھ مرد کے کندھوں پر ڈالا گیا اور بچوں کی تربیت کےلیے عورت کی گود کو اولین آماجگاہ قراردیاگیا۔

خاندان معاشرےکاسب سےاہم اوربنیادی عنصرہےجومرداور عورت کےدرمیان رشتۂ ازدواج سےوجود میں آتاہے۔ خاندان ریاست کی بنیاد اور اس کی پہلی منزل ہے۔خاندان اور معاشرےکے گٹھ سے معاشرہ وجود میں آتاہے۔یہ سب ایک سے کبھی فلڈہ اٹھاتے ہیں تو کبھی ایک دوسرے کے لیےنقصان کا باعث بنتے ہیں۔

خاندان اجتماعیت پسند ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کا محتاج بھی ہے جس سے اس کے آغاز اور عوامل ومحرکات کا اندازہ لگایاجاسکتاہے۔خاندان کاآغاز ،آغاز انسانیت کےساتھ ہی ہوگیاتھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کی پسلی حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو پیدا فرمایاتب سے انسان اپنے ہم جنس کےساتھ مل جل کر زندگی بسر کررہاہے۔وہ طبعی طورپر ان سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔کیونکہ انسان کی فطرت باہمی اشتراک کےخلاف انسانی زندگی کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی،یہی وجہ ہے کہ وہ فطری طورپر اجتماعیت پسند ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اس طرح کیاہے کہ وہ اپنی زندگی کو استوار کرنے کےلیے دوسرے افراد کا محتاج ہے ،جس سے باہمی تعاون کو تقویت ملتی ہے۔اسی باہمی تعاون کا نتیجہ ہے کہ جس سےایک مستحکم معاشرہ تشکیل پاتاہے جس میں ہرانسان زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پردوسرے افرادکامحتاج ضرور ہوتاہے۔تاریخ انسانی اس بات پر شاہد ہے کہ دیگربنی نوع انسان سے تعلق توڑ کر کوئی تنہا اس دنیا میں نہیں رہ سکتا۔انسان کی یہ محتاجی اس لیے بھی ہے کہ اسے زندہ رہنے کےلیے غذا،خوراک ،ادویات ،لباس اور مکان جیسی بنیادی ضروریات تک رسائی بھی براہ راست ممکن نہیں ہے بلکہ اس کےلیے بھی دیگر افراد کا تعاون درکارہوتاہے۔انسان اپنے پیٹ میں ڈالنے کےلیے جس لقمے اور اپنے جسم کو ڈھانپنے کےلیے جس لباس کا محتاج ہوتاہے اس کے پیچھے بھی متعدد لوگوں کی محنت اور کوشش شامل ہوتی ہے۔اسی باہمی تعاون سے انسانی زندگی کی تمام تر رونقیں قائم ہیں۔نیز تہذیب و تمدن کی ساری رنگینیاں اور ہوش ربا جلوےاسی تعاون کا نتیجہ ہیں۔اس کے بغیر انسانی زندگی نا صرف بے رونق ہوجاتی ہے بلکہ اس کے وجود وبقاء کو شدید خطرہ لاحق ہوجاتاہے۔

([1]) محمد امین ،ڈاکٹر ،اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش،مکتبہ بیت الحکمت،لاہور،:۲۳۰

انسان کااپنے سفر حیات میں مختلف مراحل سے گزر ہوتاہے۔انہی مراحل میں سے ایک مرحلہ پیدائش و بچپن اور اس کی بقاء کا مرحلہ ہے،جس میں وہ اپنی بقاء اور ضروریات کی تکمیل میں سراسردوسروں کا محتاج ہوتاہے۔اس اہم مرحلے میں اس کا خاندان اس کی پرورش اور نگہبانی کرتاہے،اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور حسب استطاعت اسے میدان عمل میں کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے ۔اگر کبھی کوتاہی ہوجائے تو اس میں غفلت اور سستی شامل نہیں ہوتی ۔یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس مشکل کام میں بعض اوقات خاندان سے باہر کے افراد کا تعاون بھی حاصل ہوتاہے۔

انسانی زندگی کا دوسرا اہم حصہ عہد شباب ہے۔اس مرحلہ میں وہ خاندان کا ایسا فرد ہوتاہے کہ دوسرے افراد اس کی مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔اس مرحلے میں وہ ان سے جتنا تعاون حاصل کرتاہے اس سے کئی گنا زیادہ اب اس سے مطلوب ہوتاہے۔چنانچہ اس مرحلے میں خاندان کو اس کا تعاون حاصل ہوتاہے۔

انسانی زندگی کا تیسرا اور مرحلہ پیری اور بڑھاپے کا ہے،جو جوانی کے اتار چڑھاؤ کے بعد شروع ہوتاہے۔اس میں آدمی ضعف و ناتوانائی کا شکار ہوتاہے،اس کی قوتیں اور توانائیاں آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگتی ہیں۔کبھی یہ مرحلہ اتنا طویل ہوتاہے کہ آدمی بچپن ہی کی طرح لمبے عرصے کے لیے خاندان کی توجہ اور خبر گیری کا دوبارہ محتاج ہوجاتا ہے۔

یہ مختلف مراحل بالعموم فطری رفتار سے آتے ہیں،لیکن بعض اوقات طبعی نقص،،مرض،کسی ناگہانی آفت اور اس طرح کے کسی بھی سبب سے آدمی کا خاندان پر انحصار طویل عرصہ اور بسااوقات زندگی بھر کے لیے ہوجاتاہےاور خاندان کی یہ ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ وہ دست گیری اور خدمت کرتارہے۔

خاندان معاشرے کی ایک ایسی بنیادی اکائی ہے جو مرد وعورت کے مابین رشتہ ازدواج سے معرض وجود میں آتا ہے۔معاشرے کی ترقی اور نشوونما کا انحصار خاندان کے مرہون منت ہے۔اسی طرح معاشرے کی تنزلی و انتشار کا انحصار بھی اسی خاندان پر ہے،کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اساس اور بنیادی اکائی کی حیثیت کا حامل ہےاور پھر آگے اسی خاندان سے نئے معاشرے معرض وجود میں آتے ہیں۔معاشرہ اور ریاست کی مضبوطی واستحکام،خاندان کی اکائی اور اساس کی مضبوطی واستحکام پر منحصر ہوتا ہے۔دین اسلام میں خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خاندان کی بقا اور تحفظ کو شریعت کے بنیادی مقاصد میں رکھاگیاہے۔ اسلامی تعلیمات کا ایک مکمل شعبہ فقہ الاسرہ اوراسلام کے عائلی نظام کے وجودکا مقصد بھی یہی ہے۔قرآن مجید میں ایک تہائی سے زائد احکام،عائلی نظام کی تشریح وتفصیل بیان کرنے کے لیے آئے ہیں۔خاندان معاشرے کا سب سے بڑاایسامعاشرتی ادارہ ہے جس کے ذریعے بیک وقت اہم وظائف کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ خاندان بنیادی گروہ کی حیثیت رکھتاہےاور اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان میں افرادمل جل کرزندگی بسر کرتےہوئے اپنی تمام تر ضروریات کاحصول یقینی بناتے ہیں۔ اسی باہمی تعاون واشتراک کی بدولت جان مال کا تحفظ اور سکون واطمینان کی زندگی ممکن بنانے کامیاب ہوپاتےہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[1]

(اے لوگو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرو ،جس نے تم سب کو ایک جان سے بنایااور اُسی جان سے اِس کا جوڑابنایااوران دونوں سے بہت سے مرداور عورتیں دُنیا میں پھیلائے۔)

حضرت آدم علیہ السلام اورحضرت حوّا سلام اللہ علیہا کی تخلیق کو نسل انسانی کی بڑھوتری کاسبب بنایا گیا،دنیائے عالم میں وہ پہلا جوڑا(زوجین) تھے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی فطرت میں ایک ایسا جذبہ ودیعت فرمایا جس سے نسل انسانی کے فروغ میں آسانی اور اس کی حفاظت ونگہبانی کا اہتمام ممکن ہوسکے۔پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پیداکرنے کے بعد نسل انسانی کی بڑھوتری کا جو خاندانی نظام بنایا گیا ہے، وہ کسی طاقت ورعب کے زیرِسایہ نہیں بلکہ جذباتِ محبت اور سکون قلب کے ساتھ جوڑکرپُر کشش بنایا گیا۔اور اسکی وجہ یہ بیان کی گئی تاکہ بچے پیدا کرنے کے بعداس کے ماں باپ اُس کی پرورش فطری محبت کے ساتھ کریں۔اس طرح قیامت تک نسل انسانی ایک محتاط طریقےسےآگے بڑھتی چلی جائےاورنسل در نسل یہ سلسلہ جاری رہے۔تاکہ مقصدِ زندگی کوفروغ واستحکام ملے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نےزناکےسدباب کے طورپر خاندان اور نسب کی حفاظت کے لیے نکاح کو ناصرف رواج دیا بلکہ ترغیب بھی دی۔نکاح کرنے کے لیے محرم عورتوں کے علاوہ کفو کا خیال کرتےہوئےکسی بھی خاتون کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔وہ محرم خواتین درج ذیل آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ ارشادِباری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[2]

(تم پر تمھاری مائیں،بیٹیاں،بہنیں،پھوپھیاں،خالائیں،بھتیجیاں،بھانجیاں اوروہ مائیں جنہوں نےتمہیں دودھ پلایا (رضاعی مائیں)، رضاعی بہنیں اورساسیں حرام کر دی گئی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تم جنسی تعلقات قائم کرچکے ہو، ان کی بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے جنسی تعلقات قائم نہ کیے ہوں تو (ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ حرج نہیں،تمہارے سگےبیٹوں کی بیویاں بھی اوراسی طرح دو بہنوں کوایک ہی نکاح میں اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگرجو ہو چکا(سووہ گزرچکا) بےشک خدا بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔)

---

(1) النساء:۱/۴

(2) النساء :۲۳/۴

اس سے یہ بات ہر گز ثابت نہیں ہوتی کہ معاذاللہ عورتیں خاندان کی ساخت میں ایک گھٹیا اکائی یا کم درجے کی حامل ہوتی ہیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں۔ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ بڑائی عطا کرنے کا مقصد اس پر اضافی ذمے داریاں ڈالنا ہے۔اس کا ہر گز مطلب یہ نہیں ہے کہ مردوں کو اضافی حقوق سے نوازاجارہاہے۔خاندان ایک چھوٹی جمہوریت کی مانند ہے۔جمہوریت میں جس طرح کسی ملک کےسیاسی نظام کو چلانے کےلیے ہر رکن کوشش کرتاہے ایسے ہی خاندان جیسی چھوٹی جمہوریت کو کامیاب بنانے کےلیے بھی ہر فردخاندان کامثبت کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مردوں کوعورتوں پر یہ جو قوّام ہونے کا مرتبہ دیاگیاہے یہ انہیں ظالم،جابر اور ڈکٹیٹربننے کےلیے نہیں دیاگیا کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں سےرعب ودبدبہ کے ذریعےحکمرانی کرتے ہوئےبغیر کسی چون و چرا کے فرماں برداری کا مطالبہ کریں۔کسی بھی خاندان کو ترقی وخاشحالی کی راہ پر گامزن کرنے اور انہیں پستی وتنزلی سے نکالنے میں خاوند اور بیوی کاکردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔خاندانی نظام کی فلاح و بہبور اور کامیابی اسی صورت ممکن ہوسکتی ہےجب خاندان کےاصل اور بنیادی افرادنیز تمام افرادخاندان میں سے ہر ایک اپنےحقوق و فرائض کاخیال کرےگا اور ان کی پاسداری کرےگا۔یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیےکہ خاندان کےایک رُکن کے حقوق کے اختتام سےدوسرےکے حقوق کاآغازہوتاہے۔ذیل میں اس قرآنی آیت کاذکرکیاجاتا ہے،جس سے خاندان کی اساس مضبوط مستحکم قرار پاتی ہے۔

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾[1]

(مرد عورت پر حاکم ہیں ،اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔)

ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"الرجال أهل قيام على نسائهم، في تأديبهن والأخذ على أيديهن فيما يجب عليهن لله ولأنفسهم ="بما فضّل الله بعضهم على بعض"، يعني: بما فضّل الله به الرجال على أزواجهم: من سَوْقهم إليهنّ مهورهن، وإنفاقهم عليهنّ أموالهم، وكفايتهم إياهن مُؤَنهنّ. وذلك تفضيل الله تبارك وتعالى إياهم عليهنّ، ولذلك صارُوا قوّامًا عليهن، نافذي الأمر عليهن فيما جعل الله إليهم من أمورهن"[2]

(مردوں کا عورتوں پر حاکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی بیویوں کو ادب و تادیب سکھلانے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کرانے نیز اپنی اطاعت و فرمانبرداری کرانےکے حوالے سے ان پر حق رکھتے ہیں۔ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ۔یعنی مردوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیویوں پر اس لیے فضیلت عطاکی ہے کہ تمام تر ذمے داریاں خواہ وہ نفقہ اور سکنہ کی ہوں، خواہ وہ ان کے مہر ادا کرنے اور ان کی حفاظت کی ہوں ، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں کے کندھوں پرڈالی ہیں۔)

([1]) النساء :۳۴/۴

([2])طبری، تفسیر طبری،ص:۲۹۰/۸

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کاباغور مطالعہ کرنے سےجوحقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خاندانی نظام اگر ترقی وخوشحالی،کامیابی وکامرانی اورفلاح وبہبود سے آراستہ ہو سکتا ہے اور تنزلی و پستی سے چھٹکاراحاصل کرسکتا ہےتو اس کے لیے ضروری ہے کہ خاندانی نظام کی امارت اورقیادت وسیادت مردوں کے ہاتھ میں دی جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں مضبوط وقوی قرار دیا ہے۔ یہ مردہی ہیں جنہیں اپنےخاندان،کُنبے،قبیلے،معاشرے،دفاع دین اور فروغ دین کے لیےجہادوقتال کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اورعورتوں کا "جہاد"حج کو قرار دیا۔مردوں کو ان کی عقل و فراست اور تدبر و فکر کے لحاظ سے بھی فضیلت کا درجہ دیاگیا ہےاوراس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اکثر معاملہ فہمی سے کام لیتےہیں جس کا فلڈہ یہ ہوتاہے کہ اس طریقےسےخاندانی روایات اورخاندانی نظام کی بقاواستحکام کے لیےہر طرح کےخاندانی نزاع وجھگڑے سےصرف نظرکرتےہوئےاوران جھگڑوں کوپس پشت ڈالتے ہوئےخاندان کویکجارکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاسکتی ہے۔۔یوں خاندان ایک طاقت بن کرظاہرہوتا ہے جس سےاسلامی خاندان کی مثبت روایات کوفروغ ملتا ہے۔گویا خاندانی نظام کی تعمیر و ترقی اور استحکام میں مردوں کا کردارایک سربراہانہ اور ذمے دارانہ ہے۔

خاندانی زندگی انسان کی خصوصیت ہے:

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ حیوان اور انسان کے درمیان ایک بڑا فرق خاندان کابھی ہے۔مشاہدے میں آتاہے کہ حیوان کا کوئی خاندان نہیں ہوتا،جبکہ انسان کا امتیاز یہ ہے وہ ایک خاندانی زندگی گزارتاہے۔حیوانات میں نراور مادہ جنسی تسکین کےلیے ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں۔اس سے ان کی نسل بھی آگے پھیلتی رہتی ہے۔وہ دونوں بالخصوص مادہ اپنی نسل کی اس قدر حفاظت اور پرورش کرتی ہے کہ وہ خود سے زندہ رہ سکے۔ پھر ان کا ایک دوسرے سے تعلق باقی نہیں رہتا اور وہ الگ ہوجاتے ہیں۔ان کے مابین ہمدردی اور محبت کے جذبات بھی ختم ہوجاتے ہیں۔اصل وفرع کا احساس جاتارہتاہےاور وہ ایک دوسرے کےلیے اجنبی بن جاتےہیں۔خاندان کے لیے ضروری ہےکہ اصل وفرع کارشتہ دائمی ہو اور اسکی بنیاد پر تعلقات استوار ہوں۔حیوان کی فطرت اس سے ناآشناہوتی ہے۔اس وجہ سے ان کا خاندان ہوتاہے نہ ہی ان میں حقوق و ذمہ داریوں کا تصور پایا جاتاہے۔

انسان کا وجود بھی مرداور عورت کی شکل میں ہے۔ان کے درمیان جنسی جذبات پائے جاتےہیں ،ان کی تسکین سے نسل کا سلسلہ آگے بڑھتااورجاری وساری رہتاہے۔لیکن انسان اس پہلو سےحیوان سے مختلف ہےکہ اس کا اپنی نسل سے تعلق وقتی اورعارضی کی بجائے دائمی اور مستقل ہوتاہے۔وہ اصل وفرع میں فرق و امتیاز کرتاہے ،اسے کبھی فراموش نہیں کرتا۔اسی بنیاد پران کےاندرتعاون کا جذبہ اور حقوق و ذمہ داریوں کاتصورپروان چڑھتا ہےجس سےخاندان تشکیل پاتاہے۔

الہامی تعلیمات کے مطابق بنیادی طورپرایک خاندان ایک مرد اور ایک خاتون کے مابین عقد نکاح کے ذریعے سے وجود میں آتاہےجس سے مزید اولاد کی صورت میں خاندان میں اضافہ ہوتارہتاہے۔نیز اسمیں شوہرکےوالدین اور خونی رشتے کےغیر شادی شدہ عزیز واقارب بھی شامل

ہوتےہیں جس سے ایک وسیع خاندان تشکیل دیاجاتاہے۔نسب و نسل کی حفاظت کو شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصدمیں سےشمار کرناسلامی شریعت کی خصوصیات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت ہے جو کہ اسلام کے علاوہ دیگر ادیان باطلہ میں نہیں پائی جاتی ہے۔

دین اسلام نے نسل انسانی کی بقاءاور نشوونما کےلیے شادی کا حکم دیاہے۔نیز اس کی حفاظت کےلیے اور نسب کو اختلاط سے محفوظ رکھنے کے لیے زنا کو حرام قراردیاہے۔حرمت زنا کو قرآن مجید میں درج الفاظ کی صورت میں بیان کیا گیاہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً﴾[1]

اور زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ برا فعل ہے۔

نیز نکاح کی اہمیت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیاگیاہے:

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[2]

(اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کانکاح کردیاکرونیزاپنےنیک غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کروا دیاکرو۔اگروہ مفلس ہونگےتواللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سےانہیں غنی کردےگااوراللہ سبحانہ وتعالیٰ بہت وسعت والا اورخوب علم رکھنےوالاہے۔)

گویا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود یہ چاہتا ہے کہ خاندان اورنسب کی اہمیت کا اہتمام کروایاجائے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آزاد تو آزاد ،غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کو اس قدر اہمیت دی کہ ان کے مالکوں کوباقاعدہ آیت قرآنی کے ذریعے حکم فرمایا کہ نسب اورخاندان میں ان غلاموں اور لونڈیوں کےذریعے بھی فسادآسکتاہےلہذا ان کو چھوڑنے کی بجائےساتھ ساتھ ان کا بندوبست بھی کیاجائے۔

نسب ونسل کی حفاظت قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ کے ضمن میں بھی کی گئی ہے جس کے تحت مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔اسی ضمن ارشادربانی ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾[3]

(نکاح کرو تم جو تمہارے دل کو بھلی لگے دودو،تین تین اور چارچار عورتوں سے۔)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))[4]

([1]) بنی اسرائیل :۳۲/۱۷

([2]) النور :۳۲/۲۴

([3]) النساء:۳/۴

([4]) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم،کتاب ا لنکاح،باب استحباب ا لنکاح لمن تاقت نفسہ، حدیث نمبر،۳۴۶۴،ص:۱۲۸/۴

(اے نوجوانو کے گروہ!جو تم میں سے شادی کی استطاعت رکھتاہےاسے شادی کرلینی چاہیے کیونکہ شادی نگاہ کوجھکانےوالی ہےاور شرمگاہ کی حفاظت کرنےوالی ہےاورجواستطاعت نہیں رکھتااسےروزےرکھنےچاہئیں اس کی خواہش کو ختم کردیں گے۔)

مزید فرمایا:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ))[1]

(کسی عورت سے چار وجوہات کی بناء پر شادی کی جاتی ہے:اس کے مال کی وجہ سے،اس کے حسب کی وجہ سےاور اس کی خوبصورتی کی وجہ سےاور اس کی دینداری کی وجہ سے ،تودیندار کو ترجیح دے تیرا ہاتھ مبارک ہو)

یعنی ہمسر کا انتخاب کرتےہوئے خاندانی اصالت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اقربا اوردیگر رشتے دار تمہاری اولاد کی صفات میں تیرےشریک ہیں ۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایاجاسکتاہے کہ کسی مضبوط معاشرتی نظام کاتصور،مضبوط خاندانی نظام کےبغیر ممکن نہیں ہے۔یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس پر کسی بھی قوم کی ترقی کادارومدار ہوتاہے۔

ڈاکٹر خالد علوی خاندان کی اہمیت سے متعلق لکھتےہیں :

خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتاہے۔خاندان ہی وہ ایسا ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہےنیزخاندان ہی فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتاہے۔اسے چھوٹے بڑےکا احترام، صحیح غلط اور فرق مرتب کا شعور بخشتاہے۔خاندان کےاستحکام کی کمی انسانی طرز عمل،معاشرتی فرائض کاشعوراورافراد معاشرہ کے مراتب کا یقین سب کچھ ختم کردیتی ہے۔[2]

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ خاندان کی اہمیت کے حوالے سےرقمطراز ہیں:

قوموں کاعروج وزوال،خاندان کی بقاءواستحکام کےمرہون منت ہوتاہے۔نیزکسی بھی تہذیب و تمدن اور قوم کا عروج اس ادارہ (خاندان)کے تعمیر وتربیت اورمثبت کردارکامرہون منت ہوتاہے۔اس لیےخاندان کو پہلا ریاستی ادارہ قراردینازیادہ مناسب بات محسوس ہوتی ہے۔خاندان ریاست کی ابتدائی اینٹ اوربنیاد ہے۔خاندان کامضبوط رشتوں پر قائم ہوناہی معاشرتی نظام کو بھی استحکام بخشتاہے۔گھر ہی وہ بنیادی تربیت گا ہے جہاں افرادی قوت تیار کی جاتی ہے۔یہ وہ بنیادی یونٹ ہے جو افرادکی تعمیر وتشکیل اور تربیت کا کام بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے سرانجام دیاہے۔[3]

([1]) بخاری، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاری الجعفی، صحیح البخاری، باب اتخاذ السراري ومن أعتق جاريته ثم تزوجها، حدیث نمبر،۵۰۹۰، ص:۵۷۵/۱۲

([2]) خالدعلوی،ڈاکٹر،اسلام کا معاشرتی نظام،المکتبۃ العلمیہ ،لاہور،۱۹۹۸ء،ص:۸۳

([3]) سیدہ سعدیہ،ڈاکٹر،پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل،ادارہ اسلامیات،لاہور،۲۰۱۷،ص:۳

دنیا کی کسی ایسی قوم کا حوالہ نہیں دیاجاسکتا،خواہ وہ متمدن ہو یا وقتی،جو اپنا خاص خاندانی نظام نہ رکھتی ہو۔ خواہ سماجی ارتقاء سے بن گیایاوحی والہام اورخدائی قانون کے ذریعے سے مرتب ہوا۔لیکن قوموں کی تشکیل اور صورت گری میں اس کا بڑا بنیادی حصہ رہاہے۔[1]

یعنی دنیائے عالم کی ہر قوم اپنا ایک مخصوص خاندانی نظام رکھتی ہے جس کا تعلق سماجی ارتقائی یا وحی والہام میں کسی بھی ایک سے ہوسکتاہے لیکن قومیں بنانے میں اس کابنیادی کردار ہوتاہے۔

تمام مذاہب میں خاندان کی وکالت اس طرح کی گئی ہے کہ گویا یہ خاندان مرد کے لیے گھونسلہ ہےاورعورت کو اولین استاد قرار دیا گیاہے،جس جیسا استاد مہیاہونا ناممکن ہے۔[2]

مغربی نظریات بمقابلہ اسلامی فکر:

مغربی سوچ کا تعمیری مکتبِ فکر،اسلام کے تصورِ خاندان کے کافی حدتک مماثل ہے۔اس مکتبِ فکرکے چند نمائندہ لوگوں کے خاندان کی اہمیت کے متعلق افکاردرج ذیل ہیں:

- جارج پیٹر مرڈاک(George Peter Murdock)اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خاندان ،فرداورمعاشرہ دونوں کے لیے چاراہم خدمات سرانجام دیتاہے۔ان میں سے پہلی یہ ہے کہ خاندان شادی شدہ جوڑے کو جنسی اطمینان مہیا کرتا ہےاوراسے شادی سے باہر ممنوع اور محدود کردیتاہے۔

  دوسری خدمت یہ ہے کہ پیدائش اولادسے معاشرے کےافرادمیں اضافہ ہوتاہے۔

  تیسری خدمت یہ ہے کہ یہ نئی نسل کو خاص سماجی قدروں اور روایات پر مبنی رفاقت سکھاتاہے۔

  آخری یہ کہ خاندان نئی نسل کو معاشی معاملات میں تعاون کرنا سکھاتاہے۔
- ٹالکوٹ پارسن(Talcott Parson)کا نظریہ بھی انہی اصولوں کے قریب پایاجاتاہے۔ابتدائی رفاقت سازی یعنی بچے کو اس کی عمرکےابتدائی تشکیلی برسوں میں معاشرےمیں اشتراک عمل سکھانا،ٹالکوٹ کے نزدیک خاندان کےاہم وظائف میں سے ایک ہے۔جس سے زندگی نا صرف معاشرے کے کلچرکے دائرے میں آجاتی ہےبلکہ بچے کی شخصیت کی موثرساخت وجود میں آتی ہے۔خاندان کا دوسرابڑاوظیفہ بڑی عمر کی شخصیات کواستحکام مہیاکرناہے۔جہاں شادہ شدہ جوڑے،ایک دوسرے کوجذباتی امدادفراہم کرتے ہیں اورروزمرہ زندگی کے دباؤ کے مقابلے میں مخالف موثر قوت بن کرزندگی کو توازن عطا کرتے ہیں۔

([1]) شمس تبریز،خان،مسلم پرسنل لاءاور اسلام کا عائلی نظام،مجلس تحقیقات ونشریات اسلام،نامی پریس لکھنوئ،۱۹۶۹ء،ص:۲۳

([2]) محمد امین،ڈاکٹر،اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش،مکتبہ بیت الحکمت،لاہور،ص:۲۳۰

برگٹ(Brigitte)اورپیٹر برگر بھی بچے کی فلاح،اخلاقی قدروں،معاشی کامیابی اورمذہبی عناصر کوخاندانی نظام زندگی کی برکات کامرہونِ منت سمجھتے ہیں۔

فران انسلے(Fran Ansley)

یہ سمجھتی ہے کہ بڑی عمر کےافراد کا استحکام اس کے سوا کچھ نہیں کہ بیوی اپنےشوہر کےمروجہ نظام کے خلاف مایوسیوں اوراس کےاثرات کو جذب کرنے کافریضہ سرانجام دیتی ہے۔

ڈیوڈ کوپر(David Cooper)

(مغرب میں مثبت سوچ کے حاملین کی تعداد بہت کم ہے جبکہ اکثر لوگ موجودہ تباہ حال معاشرےکی فکر کرکےہم خیال ہی ہیں)نےخاندان کو ایک فردکی جکڑبندی کانظریاتی آلہ قراردیاہےجس میں لوگ اس بات کے سوا اورکچھ نہیں سیکھتےکہ ہرحال میں کیسے اطاعت گزاراور فرمانبردار رہنا ہے۔

کرسٹائن ڈلفی(Christine Delphy)اورڈیانالیونرڈ(Diana Leonard)اس بات پرزوردیتےہیں کہ خاندان ایک آبائی روایات برقرار رکھنے میں مرکزی کرداراداکرتاہےجس کے اثرات وسیع سطح پر معاشرے میں بھی ظاہر ہوتے رہتےہیں۔ان کے نزدیک محنت کی تقسیم عورت کے لیے ایک جابرانہ رسم اور قانون ہے۔کیونکہ سربراہِ خانہ ہمیشہ مردہی ہوتا ہے، عورتوں کوان کےکاموں کا معاوضہ کبھی نہیں ملتا،اگر عورتیں گھر سے باہر نوکری کریں تو انہیں گھر کے کام کی دوہری ذمہ داری بھی نبھانا پڑتی ہے۔اورگھر کا مرد گھر کے سربراہ کےطورپردوسرے افرادپرایسےاختیارات سےلطف اندوزہوتاہےجس میں کوئی دوسراشریک نہیں ہوتا۔

چیشائر کالہون(Cheshire Calhoun)یہ کہتےہوئے شادی کو بالکل ٹھکرادیتی ہےچونکہ آبائی روایتی شادیوں کے اندرخاندانی زندگی،عورت کےلیے مصائب سے بھری ہوئی ہےاس لیے انہیں کسی متبادل نفسی تعلق اورروابط کےلیے آزاد ہونا چاہیے۔

لارا ایم پرڈی(Laura M. Purdy)ماں بننے کے چلن کو مکمل طورپرمسترد کرتی ہےکیونکہ یہ عمل عورت کو مزید دبانےاورخاندان کےساتھ باندھ رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔اس کے نزدیک بچےپیدا کرنے کے عمل سے بائیکاٹ کیاجاناچاہیے،تاکہ تمام مردوں کو علم ہوجائے کہ حقوق نسواں کی تحریک کے رہنما اور قائدین عورت کو مکمل آزاد کروانے کےاپنے مطالبےمیں بہت سنجیدہ ہیں۔[1]

یاد رہے کہ مذکورہ افکارونظریات اورتصورات غیرفطری اور غیر حقیقی ہیں۔روایتی تصورات،جنسی امتیازکے ازدواجی کردار پرزوردیتے ہیں جس میں بعض امورشوہر کےلیے ہوتے ہیں اوربعض بیوی کےلیے،جدید نظریات مشترکہ ازدواجی کردارکا موقف اختیار کرتے ہیں جن کے مطابق نا

([1]) عورت،خاندان اور ہمارامعاشرہ،ص:۷۰،۶۹

صرف بیویاں خود آزادثابت کرنے کے لیےگھر سے باہر نوکری کرتی ہیں بلکہ شوہر بھی لازماًگھر کےکام میں مشغول رہتےہیں۔جبکہ اسلام مردوزن کا دائرہ کار متعین کرتاہے۔ عورت کو گھریلو زندگی سے سرفراز کرتاہے۔اسی ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾[1]

(عورتیں گھروں میں ٹھہری رہیں۔)

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾[2]

(مرد عورتوں کے نگہبان ہیں۔)

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾[3]

(جب نماز سے فارغ ہوجاؤتو زمین اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے نکل جاؤ۔)

الغرض اسلام کاخاندانی نظام ایک ایسامنظم وامتیازی خصوصیات کاحامل ہےجس کی نظیردنیاکےکسی معاشرےمیں بھی نہیں ملتی۔

گویا الہامی تعلیمات میں نسب ونسل اور خاندان کی حفاظت کے لیےنکاح اور شادی کو واحد ذریعہ قراردیاہے اگرچہ ہر مذہب میں شادی کے مختلف طریقے رائج ہیں تاہم یہ واضح ہے کہ خاندان کی حفاظت اسی الہامی طریقے کےمطابق ہوسکتی ہے۔ نیزالہامی مذاہب میں خاندان کی حفاظت کے لیے باقاعدہ احکام بیان کرنا خاندان کی اہمیت کو اجاگر کرتاہے۔

([1]) النساء:۳۳/۴

([2]) الاحزاب:۳۳/۳۳

([3]) الجمعۃ:۱۰/۶۲

فصل سوم: خاندان کا آغاز وارتقاء

یہ بات روزروشن کی طرح عیاں اور مسلمہ حقیقت ہے کہ خاندانی نظام کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا انسان کا اپنا وجود۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر معاشرت پسندی اوراجتماعیت کو جانتاہے۔اسی ضمن میں عربی مقولہ ہے:

"ان الانسان مدنی اواجتماعی لطبعه"[1]

چونکہ اللہ تعالیٰ نےانسان کے اندرمختلف عناصر کو جمع کردیاہےجس کی بناء پریہ اکیلارہنا پسند نہیں کرتا۔یہی وجہ ہے کہ انسان اجتماعیت اورمعاشرت پسند ہے۔

نیزاللہ تعالیٰ نےجنسِ انسانیت میں خاص طورپر محبت کا عنصررکھ دیاجس کی وجہ سے انسان ایک دوسرے انسان کے دکھ دردمیں نہ صرف شریک ہوتاہےبلکہ دوسرے کےمصائب و آلام کواپنےلیے آزمائش قراردیتا ہےاوراس کے مقابلے کےلیے بھرپورکوشش کرتاہے۔

اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾[2]

(ہم نے تمہارے اندرمحبت و الفت کو پیداکردیاہے۔)

اسی طرح عربی مقولہ ہے:

"کنت انسانا محبوبامن والده وممدوحامن امه محبوبامن اخوته واخواته"

(میں انسان ہوں جسکےساتھ اس کاباپ محبت کرتاہےاور اسکی ماں تعریفیں کرتی ہےاوراسکواپنےبہن بھائیوں کی طرف سے بہت زیادہ پیار کیا جاتاہے۔)

الغرض خاندان اورمعاشرےکا ہرفرددوسرےسے محبت والفت رکھتاہےاوریہی چیزایک خاندان اور معاشرےکی فلاح وبہبود کا ہمیشہ سےرازرہی ہے۔نیز زمانہ قدیم سے تمام افرادخاندان ومعاشرہ ایک دوسرےسےمدوتعاون کاسلوک روارکھتے رہےہیں نیزایک دوسرےکی حفاظت ونگرانی کواپناشیوہ قراردیتےتھے۔قرآن مجید بھی نیکی کےمعاملےمیں اسی باہمی تعاون کی تلقین کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾[3]

([1]) شوکانی، محمد بن علی شوکانی، نیل الاوطار، دارالجیل، بیروت، ۱۹۷۳ء، ۶/۱۰

([2]) الروم: ۲۱/۳۰

([3]) المائدۃ: ۲/۵

نیکی اور تقویٰ کے اعمال میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔

مزید براں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) [1]

(خاندان کا)ہر فرد راعی ہے اور ہر مسئول ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے سوال کیا جائے گا۔)

خاندان کی تاریخ اس چیز کی گواہ ہے کہ ہمیشہ سے ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی مسئول، امیر یا حکمران رہا ہے۔ جس کی نگہبانی اور نگرانی میں تمام افراد خاندان زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر دریا عبور کرنا چاہا تو ہر قبیلے کے لیے علیحدہ علیحدہ راستہ بن گیا جن کے ذریعے تمام قبائل نے دریا عبور کیا، فرعون اور اس کا لشکر دریا عبور کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو دوبارہ مل جانے کا حکم دیا جس سے فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ﴾ [2]:

(اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو فوراً اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تحقیق ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔)

ابن جریر مشہور زمانہ تفسیر طبری میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،قَالَ:ذَلِكَ فِي التِّيهِ ظَلَّلَ عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى، وَجَعَلَ لَهُمْ ثِيَابًا لَا تَبْلَى وَلَا تَنَسَّخُ، وَجَعَلَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ حَجَرٌ مُرَبَّعٌ، وَأَمَرَ مُوسَى فَضَرَبَ بِعَصَاهُ الْحَجَرَ، فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا فِي كُلِّ نَاحِيَةٍ مِنْهُ ثَلَاثُ عُيُونٍ، لِكُلِّ سِبْطٍ عَيْنٌ، وَلَا يَرْتَحِلُونَ مَنْقَلَةً إِلَّا وَجَدُوا ذَلِكَ الْحَجَرَ مَعَهُمْ بِالْمَكَانِ الَّذِي كَانَ بِهِ مَعَهُمْ فِي الْمَنْزِلِ الْأَوَّلِ"[3]

(حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میدان تیہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل پر بادلوں نے سایہ کر دیا اور ان پر من وسلویٰ کا نزول ہوتا رہا نیز انہیں ایسا لباس عطا کیا جاتا رہا جو نہ بوسیدہ ہوتا تھا اور نہ میلا یا خراب ہوتا تھا، ان کے پیچھے ایک مربع نما پتھر تھا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا جس سے بارہ چشمے پھوٹ

([1]) بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری،الجامع الصحیح بخاری،دار طوق النجاۃ،ط،اولی،۱۴۲۲ھ،کتاب ا لنکاح،باب السلطان ولی لقول النبی ﷺ،حدیث نمبر،۲،۳۰۵/۸۹۳

([2]) البقرۃ:۲/۶۰

([3]) طبری،ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی،الطبري جامع البيان عن تأويل آي القرآن(تفسیر طبری)، ، دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان، ۲۰۰۱ء،۲/۶

پڑے،ہر کونے پر تین چشمے تھے۔ہر ایک قبیلے کے لیے ایک چشمہ تھا جب بھی وہ چاہتے پانی پی سکتے تھے۔وہ پتھر ان کے قریب ہی تھا جس سے چشمے پھوٹتے اور جس سے وہ پانی پیتے تھے۔)

اس آیت سے استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارہ قبائل تھے جن کے لیے بارہ چشمے پھوٹے،ان بارہ قبائل کے بارہ سردار ہوں گے جن کی نگہبانی و نگرانی میں وہ اپنی حیات وزندگی کے لمحات بسر کر رہے تھے۔

خاندان کا آغاز

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر اپنا نائب بنانے کا ارادہ فرمایا اور اپنے اس ارادے کو فرشتوں کے سامنے بیان فرمایا جس پر فرشتے کہنے لگے،اے اللہ! کیا ہم تیری عبادت کے لیے کافی نہیں ہیں؟فرشتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔اس پورے واقعے کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾[1]

(اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتے بولے،یارب العالمین کیا تو ایسے کو اپنا نائب کرے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارادے کی تکمیل میں حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور اسی میں سے جنسِ انسان کی دوسری صنف (عورت) حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو پیدا فرمایا۔پھر دونوں صنفوں کے ملاپ سے نسل بڑھی جس سے خاندانوں کے خاندان روئے زمین پر جلوہ گر ہوتے چلے گئے۔اسی حقیقت کو قرآن مجید میں اس انداز سے بیان کیا گیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[2]

(اے لوگو!اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور اس جوڑے میں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر سوال کرتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔بیشک تم ہر وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نگہبانی میں ہو۔)

([1]) البقرۃ۲/۳۰

([2]) النساء:۴/۱

مذکورہ آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اسی جان سے اس کا جوڑابنایا"اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔عام طورپر جو بات اہلِ تفسیر کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو پیدا کیا گیا۔ (تلمود میں مزید تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب کی تیرہویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا)لیکن کتاب اللہ میں اس سے متعلق کوئی تفصیل نہیں ہے نیز جو اس کی تائید میں پیش کردہ حدیث کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔لہذا بہتر یہی ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اسکی تفصیلی کیفیت معلوم کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔[1]

حضرت آدم علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت بنایا ہے لیکن حضرت حوا سلام اللہ علیہا کی تخلیق کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔بہرحال اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کے نزدیک حضرت حوا سلام اللہ علیہا کی تخلیق کی تفصیل چونکہ قرآن مجید میں موجود نہیں ہے لہذا ہمیں بھی اس کو مجمل ہی رکھنا چاہیے نیز اس کی مزید تفصیل جاننے سے احتراز کرنا چاہیے۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ کے مطابق ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہی قول امام مجاہد کا بھی ہے۔[2]

مزید لکھتے ہیں:

"عَنْ مُجَاهِدٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى:﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾قَالَ:"حَوَّاءُ مِنْ قُصَيرى آدَمَ وَهُو نَائِمٌ، فَاسْتَيْقَظَ فَقَالَ: «أَنَا» بِالنَّبَطِيَّةِ امْرَأَةٌ"

(امام مجاہد،فرمانِ الٰہی "﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت حوا سلام اللہ علیہا حضرت آدم علیہ السلام کی نچلی پسلی سے اس وقت پیدا ہوئیں جب آپ علیہ السلام سو رہے تھے۔اور جب آپ علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے کہا "أَنَا"اور عرف عام میں اسے "عورت" کہا جاتا ہے۔)

مزید حضرت قتادہ سے بیان کرتے ہیں:

"﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾حواخلقت من ضلع آدم من اضلاعه"﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ سے مراد حضرت حوا سلام اللہ علیہا ہیں جنہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔[3]

([1]) مودودی،سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،۱/۳۲۰،۳۱۹

([2]) طبری،ابن جریر، تفسیر طبری،۷/۵۱۵

([3]) طبری،ابن جریر، تفسیر طبری،۷/۵۱۵

اسی طرح امام سدی سے بیان کیاجاتاہے:

"وَأُسْكِنَ آدَمُ الْجَنَّةَ، فَكَانَ يَمْشِي فِيهَا وَحْشًا لَيْسَ لَهُ زَوْجٌ يَسْكُنُ إِلَيْهَا. فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ، وَإِذَا عِنْدَ رَأْسِهِ امْرَأَةٌ قَاعِدَةٌ خَلَقَهَا اللَّهُ مِنْ ضِلْعِهِ، فَسَأَلَهَا: مَنْ أَنْتِ؟ فَقَالَتِ: امْرَأَةٌ، قَالَ: وَلِمَ خُلِقْتِ؟ قَالَتْ: تَسْكُنُ إِلَيَّ"[1]

(اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کوجب جنت میں سکونت بخشی توآپ علیہ السلام بےقراری اوربے چینی کی حالت میں ادھرادھر پھرتےرہتےتھےان کے لیےکوئی بیوی نہ تھی جس کوآرام وراحت کاذریعہ بنائیں۔ایک دن آپ سو گئے اورجب نیند پوری ہوئی اوربیدارہوئےتواچانک اپنےپاس ایک عورت کو بیٹھاہوا پاتےہیں جس کو اللہ تعالیٰ نےآپ علیہ السلام کی پسلی سےپیدافرمایاتھا۔آپ علیہ السلام نےاس سے پوچھاتو کون ہے؟کہا "عورت"آپ علیہ السلام نے پوچھاتجھے کس لیے پیدا کیاگیاہے؟حضرت حوا سلام اللہ علیہا کہنے لگیں آپ کے آرام وراحت کے لیےمجھے پیدا کیاگیاہے۔)

نیز قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ پہلاانسان حضرت آدم علیہ السلام تھےجس سےدنیا میں نسل انسانی پھیلی۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[2]

(اورذرااس وقت کویاد کروجب تمہارے رب نےفرشتوں سےفرمایامیں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتےبولے،یا رب العالمین کیاتوایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فسادبرپاکرے گااورخونریزیاں کرے گاجبکہ ہم تجھے سراہتےہوئے تیری تسبیح بیان کرتےاورتیری پاکی بولتےہیں فرمایاجومجھے معلوم ہےجوتم نہیں جانتے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نےحضرت آدم علیہ السلام کوتمام (اشیاء)کےنام سکھائے پھران سب(اشیاء) کوملائکہ پر پیش کرکےفرمایا گر اپنے دعوے میں سچے ہوتو ان کےنام بتاؤ۔)

نیزفرمایا:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾[3]

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کےہاں حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہےاسے مٹی سےپیدا کیا پھرفرمایاہوجاتووہ فوراً ہوجاتا ہے۔)

([1]) ایضاً،۱/۵۱۳

([2]) البقرۃ؛۲/۳۱،۳۰

([3])آل عمران:۳/۵۹

مذکورہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں جن کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور پھر انہی کے ذریعے سے پوری جنسِ انسانی کو روئے زمین پر پھیلایا گیا۔انہوں نے روئے زمین پر خاندانی نظام کی بنیاد رکھی۔

الغرض حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی پیدائش سے خاندان کی تاریخ کا آغاز ہوچکا تھا اور ان دونوں سے آج تک کے انسان وجود میں آئے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ سے بھی اخذ کی گئی ہے۔خاندان کے اجزائے ترکیبی میں مرد وعورت،اولاد،والدین اور دیگر رشتے دار شامل ہیں۔اسی ضمن میں ڈاکٹر خالد علوی، اپنی شہرہ آفاق کتاب "اسلام کا معاشرتی نظام" میں رقمطراز ہیں:

"خاندان کے اجزائے ترکیبی میں مرد وعورت،اولاد،والدین اور دیگر رشتے دار ہیں۔ان سے متعلقہ زیر بحث امور:عورت کی حیثیت،نکاح وطلاق،تربیت اولاد،حقوق زوجین ،والدین کے حقوق، صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی وغیرہ ہے۔"[1]

عورت کی حیثیت:

خاندان میں عورت ایک بنیادی حیثیت کی حامل ہستی ہے۔خاندان مختلف ادوار سے گزر کر مختلف ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔تاہم خاندانی ارتقاء کے ساتھ عورت کے مقام میں بھی فرق پڑتا رہا ہے۔بعض معاشروں میں اسے سرداری حاصل ہونے کے باوجود مرد کی معاون اور خادمہ کی حیثیت سے معروف رہی۔ پدرسری معاشرے میں عورت کو اساس اور بنیاد قرار دیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقابلہ میں اسے ہمیشہ کمزور سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہندو،یہودی،عیسائی،ایرانی،یونانی،رومی اور ایامِ جاہلیت کے عرب معاشروں میں اس کی حالت ناگفتہ بہ اور ناقابل بیان رہی ہے،اسلامی معاشرے میں عورت کو مختلف روپ میں بلند مقام سے نوازتے ہوئے ذلت وپستی سے نکال کر اسے انسانی معیار تک لایا گیا۔

نکاح وتعلق:

خاندان کا نمایاں جزء دراصل مرد وعورت کا آپسی تعلق ہے۔ایک وقت آتا ہے کہ یہی تعلق خاندان کی عددی قوت کی بڑھوتری کا سبب بنتا ہے۔اسی سے خاندام مستحکم ہوتا ہے نیز یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین کے علاوہ اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

ماہرین عمرانیات کے نزدیک اس تعلق کی تین قسمیں ہیں؛جنہیں نکاح اور جنسی روابط پر تحقیقات کرنے والوں کی زبان میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

1. کثرت ازواج یا چندزنی(Polygyny)
2. یک زوجگی(Monogamy)
3. چند شوہری(Polygynyk)

([1]) ڈاکٹر خالد علوی،اسلام کا معاشرتی نظام،الفیصل ناشران وتاجران،اردو بازار،لاہور،ص:۸۷

تعدد ازواج میں ایک مرد کا ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا،یک زوجگی میں ایک مرد کا ایک ہی عورت سے شادی کرناجبکہ چندشوہری میں ایک عورت کاچند مختلف مردوں سے شادی کرنے کا مفہوم پایاجاتاہے۔تینوں الہامی مذاہب میں تعدد ازواج کاتصور موجودہے جبکہ چند شوہری کا تصور کسی بھی الہامی مذاہب میں موجود نہیں ۔

تربیت اولاد:

خاندانی نظام کو بہتر بنانے کے لیےتربیت اولاد ایک بنیادی عنصر ہے،جس کے بغیر کوئی خاندان معاشرے کی بہتری میں اپنا نمایاں کردار ادانہیں کرسکتا۔خاندان میں مردوعورت کے تعلق کےبعد سب سےزیادہ اہم امر،بچوں کی تربیت اور بزرگوں کی نگہداشت ہے۔جن معاشروں کا گزر بسر زراعت سے منسلک ہوتا ان معاشروں میں بچے چونکہ معاشی معاون ہوتے تھے اس لیے ان کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ہر خاندان اولاد کی افزائش کے سبب معزز سمجھا جاتاتھا۔گو بعض معاشروں میں بچیوں کو ناپسندکیا جاتاتھااور عرب کےچند جاہل قبائل لڑکیوں کو زندہ درگور کردیاکرتے تھے۔لیکن دینِ اسلام نے بچوں اور بچیوں دونوں کی تربیت کوعبادت اور احسان سے تعبیر کیا۔نیز احادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بچوں کی صحیح معنوں میں پرورش کرنےپر جنت کی بشارت بھی سنائی گئی ہے۔

خاندانی ہم آہنگی:

ایک اچھے خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض بخوبی نبھائےاور اس کے عناصر ترکیبی میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہوبلکہ ہر لحاظ سے مکمل ہوں۔خاندانی ہم آہنگی کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ مردوعورت کے آپسی تعلقات مستحکم ہونے چاہئیں۔خاندان کا سربراہ ایساہوناچاہیے کہ اس کا ہر فرد،خواہ اس کا تعلق زرعی معاشرے سےہویا صنعتی سے،اسکے فیصلوں کی پابندی کرتا ہو۔معاشرتی استحکام کی بنیادخاندانی ہم آہنگی پر استوار ہوتی ہے۔جس معاشرے کے خاندانی نظام میں مردوعورت کے تعلقات پر کوئی پابندی نہ ہو،بچےخاندان کا لازمی جزونہ ہوں اور بزرگوں کااحترام نہ ہو وہ معاشرہ جنسی بے راہ روی اور مجرمانہ تغافل کا شکار،رحمت وشفقت سے عاری اورانسانی ہمدردی سے خالی ہوتاہے۔علماء معاشرے کے مطابق خاندانی ہم آہنگی،فرد کا جذباتی تحفظ کاباعث بنتے ہیں۔عصرحاضر میں معاشرتی انتشار کا سبب یہی خاندانی بد نظمی ہے۔ جنسی تعلقات میں غیرذمہ داری،طلاق کی کثرت،ضبطِ تولید،اوربوڑھوں سےعدم التفات وہ برائیاں ہیں ،جنہوں نے استحکام وسکون کو ختم کردیاہےاورجدیددورکاانسان اکثروبیشتراخلاقی خوبیوں سے عاری دکھائی دیتاہے۔[1]

ایک کنبےاورخاندان کےبنیادی عناصر کو،ایک دوسرے رخ سےدیکھاجائےتواسےیوں بیان کیا جاسکتاہے:

([1]) علوی،ڈاکٹر خالد،اسلام کا معاشرتی نظام،ص:۸۷-۹۰

اندرونِ خانہ پختہ تعلقات:

اسلام میں تمام خاندانی تعلقات کی بنیادخداپرستی اور تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔اسی ضمن میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [1]

(اے لوگو!اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیااور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلادیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو ۔بے شک اللہ ہر وقت تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔)

معاشرہ خاندان کی اہمیت پر جتنا زیادہ زوردے گا،لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندانوں کو بنانےاور برقراررکھنے کی کوشش کریں گے۔اگرمعاشرہ بذات خودفاسدہے،جس میں جنسی راہ روی بڑی حدتک پھیلی ہوئی ہےتویہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کوئی بھی شخص اپنےکندھوں پرایسی کسی بھی ذمہ داری کابوجھ ڈالناپسند نہیں کرے گاجس کاتقاضاایک خاندانی زندگی کرتی ہے۔

([1]) النساء:۴/۱

باب سوم:

یہودیت میں خاندانی نظام کاتصور

فصل اول: یہودی خاندانی نظام میں افرادخاندان سے متعلق اہم احکام

(نکاح،مہر،طلاق،عدت،تعددازواج اوروراثت وغیرہ)

فصل دوم: افراد خاندان کے حقوق وفرائض

فصل اول: یہودی خاندانی نظام میں افرادخاندان سے متعلق اہم احکام

(نکاح،مہر،طلاق،عدت،تعددازواج اوروراثت وغیرہ)

یہودیت توحیدی اور ابراہیمی ادیان میں سےایک دین ہے جس کےتابعین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یا بنی اسرائیل کہلاتے ہیں مگر تاریخی مطالعہ کے مطابق دونوں نام اس عصراوراس قوم کے لیےمنتخب ہیں جسکا تورات کے جزوخروج(Exodus) میں ذکر ہے۔اسکےمطابق بنی اسرائیل کوفرعون کی غلامی سےحضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نےآزادکیااوربحیرہ احمر پارکرکے جزیرہ نمائےسینالےآئے۔یہودیت میں اگرچہ کئی فقہ شامل ہیں،بہرحال سب کااس بات پر اتفاق ہے کہ دین کی بنیاد بیشک حضرت موسیٰ علیہ السلام نےرکھی،مگر دین کا دارومدارکسی مخصوص شخصی تعلیمات کی بجائے تورات اور تلمود کے مطالعہ پر ہے۔

یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا اس لیے یہ لوگ بنی اسرائیل بھی کہلاتے ہیں۔موجودہ دور میں ان کی اکثریت دنیا کےجس خطہ ارض پر رہتی ہے اس ملک کا بھی اسرائیل ہے۔تاریخی اعتبار سے یہودیت دنیا کے قدیم ترین اور بڑے مذاہب میں سے ایک الہامی مذہب ہےجس کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔تاریخ کے عمیق مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر یہودیوں کا تعلق عبرانی نسل سے ہونے کی بناء پر ان کے عقائد بھی عبرانی تھے۔جبکہ سامی النسل ہونے کی وجہ سے ان کے عقائد بہت حد تک اہل عرب سے بھی ملتا تھا۔نیز یہودی لوگ مصر میں عرصہ دراز رہائش پذیر ہونے کی وجہ سےمصری مذہب و عقائد سے بھی متاثرہوئےتھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مادسے قبل یہ لوگ بت پرستی کا بھی شکار ہوگئے تھےجس کی مد میں حضرت نوح علیہ السلام،ان کی اولاد اور مقدس ہستیوں کے مجسموں کی پوجا کرنے لگے تھےجنہیں ابتدائی طورپریادگار کی غرض سے تعمیر کیا گیاتھا لیکن بعد میں ان کی مجسموں کی پوجا شروع کردی گئی۔

مذاہب عالم میں قدیم ترین مذہب یہودیت ایک ایسا مذہب ہےجس میں عقائد ونظریات کےساتھ ساتھ زندگی کےاہم اورضروری مسائل پربنیادی تعلیمات موجودہیں۔یہودیت میں دیگرتعلیمات کی طرح خاندان کی اصطلاح اوراس سے متعلقہ ذمہ داریوں کابیان بھی و خاندان کے افراد کے مابین ہم آہنگی باہمی احترام پر زور دیتاہے۔خاندان کو یہودی روایات ،اقداراور ورثے کو برقرارا رکھنے کےایک ذریعے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔یہودیت میں خاندان کے چند اہم پہلو جو بیان کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ روایتی یہودی خاندان پدرانہ ہوتے ہیں جس کے مطابق باپ گھر کا سربراہ ہوتا ہےنیز ان کے ہاں گھر میں امن کا تصور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔تورات اور تلمود میں والدین اور بزرگوں کے احترام کی اہمیت پر زور دیا گیاہے۔پادریوں کی بادشاہت کا تصوریہودیوں کی روحانی قوت کو برقراررکھنے میں خاندانوں کے کردار پر زوردیتاہے۔خاندانی پاکیزگی اور

شائستگی کی اہمیت پر زور دیاگیاہے،بالخصوص ازدواجی تعلقات کے تناظر میں اس کو انتہائی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔یہودیت میں لفظ خاندان ،گھرانہ اورکنبہ کا اطلاق افرادخانہ پر ہوتا ہے،جس میں عموما میاں بیو ی ،اولاد اور ماں باپ شامل ہیں۔

عہدنامہ قدیم کے مطابق عبرانی میں ہمارے موجودہ تصور کے مطابق خاندان کے لیے کوئی ایسالفظ نہیں جو اس مفہوم کو صحیح معنوں میں بیان کرسکے۔ہمارا تصور مغرب سے متاثر ہے جس کے مطابق ایک خاندان ماں باپ اور بچوں پر مشتمل ہوتاہے۔ہمارے ہاں زیادہ تر عبرانیوں کی طرز زندگی کے مطابق مشترک خاندانی طریقہ زندگی رائج رہاہے۔موجودہ مفہوم کے قریب بیت(گھر)ہے جو چندلوگوں کے اجتماع کو بیان کرتا تھا اور پھر ان کی رہائش گاہ کے معنوں میں تبدیل ہوگیا۔[1]

عبرانی زبان میں خاندان کےلیے بیت کا لفظ استعمال کیاجاتاہے ناصرف خاندان کے لیے بلکہ ایک چھت کے تلے رہنے والے افراد کے مجموعہ پرنیز کسی بھی بڑے گروہ کےلیے بیت کا لفظ استعمال کیا گیاہے جیساکہ یسعیامیں بنی اسرائیل کے گھرانہ کے بارے میں کہا گیاہے:

بنی اسرائیل کا گھرانہ جس میں ساری قوم شامل تھی۔[2]

گویا کہ لفظ بیت میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں نا صرف ایک چھت تلے رہنے والے افراد شامل ہیں بلکہ ایک مقصد کے تحت رہنے والے کسی بھی بڑے گروہ میں شامل تمام افراد کے مجموعے پر لفظ بیت کا اطلاق ہوتا ہے۔تاہم موجودہ محدودخاندان کے لیے بیت الاب (باپ کا گھر)کا تصور ہمیں قضاۃ اور پیدائش میں ملتا ہے۔[3]جس کا عام طورپر ترجمہ گھرانہ کیاگیاہے۔اسی سے یہ کہا جاسکتاہے کہ یہودیت میں خاندان کا اطلاق باپ کے گھر میں رہنے والے افراد پرکیا جاسکتاہے۔

تمام الہامی مذاہب میں خاندان کی بڑھوتری کا واحد ذریعہ نکاح کو قرار دیاگیاہے اگرچہ اس کا طریقہ کار ہرمذہب میں جداگانہ ہے ۔تاہم بطور حلال ذریعہ افزائش نسل نکاح ہی کو اختیار کیا گیاہے۔جس میں دیگر فولڈ کےساتھ ساتھ نسب کی حفاظت بھی مضمر ہے۔یہودیت میں مرد وزن کے باہمی اختلاط سے مربوط رشتہ شادی (نکاح)کےنام سے موسوم کیا جاتاہے۔

یہودیت کے مطابق شادی بیاہ کی شروعات حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کے جوڑے کی صورت میں ہوئی۔جبکہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد باقاعدہ شادیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔جیسا کہ کتاب پیدائش میں ہے:

جب روئے زمین پر آدمیوں کی پیداوار کاسلسلہ مزید بڑھنےلگا اورپھر ان کےہاں بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھاانہیں وہ بہت خوبصورت لگیں اور جن کا انہوں نے انتخاب کیا ان سے شادی کرلی۔اور بعدمیں جب خدا کے بیٹے انسان کی بیٹیوں کے پاس

([1]) ا۔تواریخ۱۴:۱۳،زبور۶۸:۶

([2]) یسعیاہ۵:۷

([3]) پیدائش۲۱:۲۸قضاۃ۱۴:۱۵

گئے توان کے لیے ان سے اولاد ہوئی۔[1] اسی طرح کتاب پیدائش میں ہی ہے کہ تارح[2] کے بیٹے نحور نے اپنے بھائی حاران بن تارح کی بیٹی (یعنی اپنی بھتیجی)ملکہ[3] سے شادی کی۔[4]

معلوم ہوا شریعت موسوی کے شروع میں بہن اور بھتیجی کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی ممانعت نہیں تاہم بعد میں بہنوں اور بھتیجوں کو بھی محرمات میں شامل کرلیاگیا۔

یہودیت میں محرمات:

1) حقیقی ماں:تو اپنی ماں کے جسم کو بے لباس نہ کرنا جودرحقیقت تیرے باپ کا جسم ہےکیونکہ وہ تیری ماں ہے۔تو اس کے جسم کو بے لباس نہ کرنا۔[5]

2) سوتیلی ماں:تو اپنے باپ کی بیوی کے جسم کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے۔[6]

3) حقیقی بہن:تو اپنی بہن کے جسم کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیداہوئی ہو خواہ اور کہیں بے لباس نہ کرنا۔[7]

4) سوتیلی بہن: تیرے باپ کی بیوی کی بیٹی جو تیرے باپ سے پیدا ہوئی ہے تیری بہن ہے،تو اس کے بدن کوبے پردہ نہ کرنا۔[8]

5) پوتی:توپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بد ن ہے۔[9]

6) پھوپھی:تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتے دار ہے۔[10]

([1]) پیدائش۳،۱:۶

([2]) تارح ،حضرت نوح علیہ السلام کےبیٹے سم کی اولاد سے ہیں۔اور نحور ان کابیٹاہے۔پیدائش۱۱:۲۵

([3]) ملکہ نحورکی بیوی اور حاران بن تارح کی بیٹی۔پیدائش۱۱:۳۰

([4])ایضا

([5]) احبار۸،۷:۱۸

([6]) ایضا

([7]) احبار۹:۱۸

([8]) احبار۱۸:!۱

([9]) احبار۱۰:۱۸

([10]) احبار۱۲:۱۸

7) خالہ :تواپنی خالہ کے بدن کو بےپردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتےدار ہے۔[1]

8) چچی:تواپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی ا س کی بیوی کے پاس نہ جانا کیونکہ وہ تیری چچی ہے۔[2]

9) بہو:تواپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے۔[3]

10) بھابی:تواپنی بھابھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کابدن ہے۔[4]

11) سالی:تواپنی سالی سے شادی کرکے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے زندہ ہوتے ہوئے اس کے بدن کو بھی بے لباس کرے۔[5]

12) بیوی کی بیٹی ،پوتی اور نواسی(جو دوسرے شوہر سے ہوتی۔):توکسی عورت اور اسکی بیٹی کے جسم کو بے لباس نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی کے بدن کو بےپردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتےدارہیں۔[6]

شریعت موسوی کے مطابق ذکر کردہ عورتیں محرمات کہلاتی ہیں جن سےایک مردقرابت کی وجہ سےنکاح نہیں کرسکتا۔ان میں سے بعض عورتیں ایسی ہیں جن کےحق میں یہ حرمت ہمیشہ کےلیے ہےجیسے ماں ،بیٹی اور پوتی وغیرہ اور بعض عورتیں ایسی جن کے حق میں یہ حرمت ابدی نہیں ہے بلکہ عارضی ہے جیسے سالی اور بہو وغیرہ۔

یہودیت میں بیاہ کے بعد عورت کو مرد کا غلام نہیں تصور کیا جاتا کہ وہ بیوی پرجتنے مرضی مظالم ڈھائے اور بیوی کے جان چھڑانے کاکوئی اختیار نہ ہوبلکہ انتہائی ناگزیر حالات میں جب دونوں میاں بیوی کااکٹھا رہنا مشکل ہوجائےتو ایسی صورت میں طلاق کا تصور بھی موجود ہے۔یہودی تعلیمات کے مطابق گھریلو ناچاقی کے علاوہ طلاق کی ایک وجہ بیہودگی کو بھی قرار دیاگیاہےکہ اگربیوی کسی قسم کی بیہودگی میں مبتلا ہوجائےتو اس صورت میں شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتاہے۔ بناء پر بیوی کو طلاق دی جاسکتی ہے۔

([1]) احبار۱۸:۱۳

([2]) احبار۱۸:۱۴،۱۵

([3]) احبار:۱۸:۱۵

([4]) احبار:۱۸:۱۶

([5]) احبار۱۸:۱۸

([6]) احبار:۱۸:۱۷

جب کوئی آدمی کسی عورت سے شادی کرے اورشادی کرنے کے بعداسےاپنی بیوی کاکسی بیہودگی میں مبتلا ہونا معلوم پڑے جس کی وجہ سے اس عورت کی توجہ نہ رہے تووہ اس کا طلاق نامہ تحریر کرےاور اس کے سپرد کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے[1]

اسکے علاوہ مطلقہ عورت کو کسی دوسرے مرد سے شادی کی اجازت تھی تاہم اسی مرد سے کسی بھی صورت میں دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔جیساکہ کتاب استثناءمیں ہے:

اور جب وہ مطلقہ اس کے گھر سے نکل جائےتو وہ اسی مرد کے علاوہ کسی دوسرے مرد کی ہوسکتی ہے۔[2]

اگر مطلقہ عورت سے اس کے دوسرے شوہرکی بھی نابن پائےاور دوسراشوہر بھی اسے طلاق نامہ تھمادے اور اسے اپنے گھر سے چلتاکرےیاوہ دوسراشوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہومرجائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے طلاق دے کر فارغ کرتےہوئے اپنے گھر سے اس کو نکال دیاتھا اس عورت کے ناپاک ہوجانے کے بعد پھر اس سے شادی نہ کرےکیونکہ ایساکام خداوند کے نزدیک مکروہ ہے۔[3]

معلوم ہواکہ دیگر مذاہب کی طرح یہودیت میں بھی طلاق کا تصور موجودہے تاہم مطلقہ عورت کسی بھی صورت میں اپنے پہلے شوہر سے بیاہ نہیں کرسکتی۔نیزطلاق کے فورابعد گھر سے نکال دینے کا تصور پایا جاتاہے جبکہ اس کے برعکس اسلا م میں عدت کا دورانیہ شوہر کےگھر گزارنے کاحکم ہےاور اس دوران عورت کے نان نفقے کی ذمہ داری بھی شوہر کے ذمےہےجبکہ یہودیت میں ایسا نہیں بلکہ اس کو فورا گھر سے نکال دیاجاتاہے۔ اسی طرحیہ بھی معلوم ہوا کہ یہودی مطلقہ عورت کسی بھی صورت میں پہلے شوہر سے دوبارہ شادی نہیں کرسکتی۔اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہودیت میں مطلقہ عورت کا پہلے والے شوہر سے دوبارہ شادی کرنا مکروہ گردانا گیاہے۔اسلامی تعلیمات کی روشنی مطلقہ عورت اگر اپنے پہلے شوہر سے شادی کرنا چاہے توکرسکتی ہےلیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے کسی دوسرے مرد سے شادی کرے دوسرا مرد اس کو طلاق دے طلاق ملنے کےبعد عدت گزارے اور عدت گزارنے کے بعد اب دوبارہ پہلے والے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی کرسکتی ہے۔

یہودیت صرف چند عقائد و نظریات کا مجموعہ نہیں بلکہ ان عقائد و نظریات کی بنیاد پر ایک با قاعدہ عملی نظام کے تصورکاحامل مذہب ہے ۔ اسی عملی نظام کا ایک بنیادی حصہ خاندانی نظام بھی ہےجسےیہودی مذہبی ادب میں کلیدی کردارکا حامل قراردیاگیاہے۔ دورحاضرمیں یہودی

([1]) استثناء۱:۲۴

([2]) استثناء۲:۲۴2

([3]) استثناء۴،۳:۲۴

اورعیسائی معاشرہ کو سادہ الفاظ میں مغربی معاشرہ سے بھی تعبیر کیاجاتاہے۔مغربی معاشرےمیں چونکہ خاندان کا تصور وقت کے ساتھ بدل چکا ہے۔ اس لیے وہاں خاندانی نظام مختلف صورتوں میں موجود ہے جسے معاشرتی اور قانونی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

بالخصوص یہودی معاشرے میں خاندان کااطلاق کبھی تو بالکل ہی محدود دائرہ میں ہوتا ہے جس میں صرف میاں بیوی اور نابالغ بچے شامل ہوتے ہیں اور کبھی اتنےوسیع دائرے میں ہوتاہے جس میں نا صرف میاں بیوی کے ساتھ پوری اولاد ،والدین اوربہن بھائی کےساتھ ساتھ ان کی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔

> بائبل مقدس کےمطابق نکاح ایک تخلیقی امرہے۔خالق کائنات نے مرواورعورت کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایااور خداکی یہ صورت مرد وزن کی وحدت میں نظر آتی ہے۔دونوں کوایک دوسرے کےلیے بنایاگیاہے،دونوں کی شخصیتیں ایک دوسرے کی شخصیت کا تکملہ ہیں۔شادی کا رشتہ اس وحدت کا دوسرانام ہے۔[1]اس واسطے مرداپنے ماں باپ کو چھوڑےگا،وہ اپنی بیوی سےملارہےگا جس کی وجہ سے وہ دونوں ایک تن ہوں گے۔[2]

یہودی عقیدےکےمطابق خدانے حضرت آدم وحوا سلام اللہ علیہما کومیاں بیوی کے طورپرپیداکرکےپہلےخاندان کی بنیادرکھی۔بائبل مقدس میں اسی ضمن میں لکھا گیاہے:

"خدانےانسان کواپنی صورت پر تخلیق کیانیزخدانےان کوبرکت دی اور کہا: پھلو،بڑھواور زمین کو معمورومحکوم کرو۔"

چنانچہ خداکی صورت پرپیداہونےاورانسان ہونےکی وجہ سے دونوں ہی برابر ہیں ،ان میں کسی کو دوسرےپربرتری نہیں۔ تاہم خاندانی نظام کوبرقراررکھنےکے لیے ایک کو سربراہی کا کرداردینا ضروری تھااوردوسرا اس کا مددگارہوتا،چنانچہ خدانے مردکوخاندان کا سربراہ بنانامناسب سمجھا۔

> مذکورہ بیان سےمرد کوعورت پرفوقیت دینے کےساتھ اس بات کا ازالہ بھی ہوگیاکہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد ، عورت پر حکمرانی جتاتےہوئے اسے حقیر سمجھناشروع کردےبلکہ عورت کو مرد کی مددگار قراردیاگیا۔"اور خداوند نے کہا کہ آدم کا اکیلارہنا اچھانہیں میں اس کےلیے ایک معاون اس کے جیسا بناؤں گا۔"[3]

تاکہ شوہراوربیوی آپس میں ملےرہیں اورایک جسم کی مانندرہیں نیزخاندانی معاملات میں ان کےمابین ہم آہنگی ہو۔

([1]) خیراللہ،ایف۔ایس، ،قاموس الکتاب(لغات بائبل)مسیحی اشاعت خانہ،فیروزپوررروڈلاہور،۱۹۸۴ء،ص۵۵۶

([2]) پیدائش۲:۲۴

([3]) پیدائش۲:۱۸

یہودیت میں بھی افزائش نسل کے لیے شادی کا تصور پایا جاتا ہے جس کے ذریعے سے خاندان بڑھتا پھولتا ہے۔شادی کے ذریعے سے مرد وزن ایک خاندان کی ابتداء کا باعث بنتے ہیں۔خاندان کی افزائش کے لیے عورت کو ہر مذہب میں کلیدی اہمیت حاصل رہی ہے لیکن اس کے باوجود عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ایک مرد کو حاصل ہے۔

عورت کی حیثیت:

یہودیت ایک الہامی مذہب ہے جس کی بنیاد وحیِ خداوندی پر تھی اور انبیاء کرام کلامِ الٰہی سے مؤید تھے۔ لیکن ان کے ماننے والوں نے دین کے اند ر اتنی تحریفات و تبدیلیاں کیں کہ اس (یہودیت) کو دینِ الٰہی کہنا ظلم لگتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے عجیب قسم کے عقلئد و توہمات عورت سے جوڑ رکھے تھے۔

چنانچہ یہود کا کہنا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ورغلانے اور آمادہ گناہ کرنے میں عورت کا اہم کردار تھا جس کی وجہ سے بطور سزا عورت کو حیض، حمل ،مرد کی غلامی،پاکی اور ناپاکی جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ کتابِ مقدس میں ہے کہ:

"میں تیرے دردِ حمل میں اضافہ کروں گا ،پھر تو تکلیف کے ساتھ بچہ پیدا کرے گی جس کی وجہ سے تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف بڑھے گی اور وہ تجھ پر حکمرانی کرے گا"۔[1]

یہودیت کے حوالے سے یہ تصور تمدنِ عرب میں بھی اسی طرح بیان ہوا ہے:

"گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے ممیز کرنے کی ضرورت ہے اور عورت اچھی ہو یا بری اسے بد کی ضرورت ہے"۔[2]

جس قوم و مذہب میں عورت کا رتبہ اس حد تک گراچکا ہو مذہب بیوی کو کیا حقوق مہیا کرے گا اس کا اندازہ اس عبارت سے عیاں ہے کہ عورت کا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ بچے پیدا کرے اور اپنے شوہر کی خدمت میں اپنی ساری زندگی لگادے۔ان کے ہاں شادی کا مقصد صرف بچے پیدا کرنا ہے ۔جیسا کہ گنتی کی عبارت میں بالکل واضح ہے:

"بیویاں کرنا تاکہ ان سے بیٹے،بیٹیاں پیدا ہوں اور اپنے بیٹوں کی شادیاں کرو اور اپنی بیٹیوں کی دوسرے مردوں شادیاں کرواؤ تاکہ ان سے مزید زاولاد پیدا ہو اس طرح تم پھولو پھلو اور کم نہ ہو"۔[3]

([1]) پیدائش۳:۱۷

([2]) بلگرامی،سید علی،تمدن عرب، ظفر ٹریڈرز، سرگودھا،۱۹۳۶ء، ص:۳۷۳

([3]) گنتی۱۶:۳۰

یہودیت میں طلاق کی طرح نکاح کا قانون بھی اسی منطق پر مبنی ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا لہٰذا یہودی مرد جب،جہاں اور جیسے چاہے اپنی عورت کو طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے اور یہ اختیار انہیں مذہب نے دیا ہے۔

چنانچہ ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"یہودیوں کو ان کی مذہبی تعلیمات کے ذریعے یہ حقوق دیئےگئے ہیں کہ وہ جب چاہیں ایک چھوٹی سی کوتاہی کی وجہ سے عورت کوطلاق دیتےہوئے گھر سے باہر نکال سکتے ہیں"۔[1]

کسی عورت کے شوہر کی وفات کی صورت میں بیوہ عورت کو دوسری شادی کا اختیارتو دیا گیا ہے مگریہ اختیار انتہائی محدودہے کہ بیوہ عورت صرف اپنے شوہر کے بھائی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی ہے۔یعنی بیوہ عورت اگردوبارہ شادی کرنا چاہے تواس کو اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتاہے۔

اسی طرح یہودی تعلیمات میں کسی مرد کے لیے ایک سے زیادہ شادیوں کا تصور اگرچہ موجودہے لیکن تعدد ازدواج کی اجازت صراحتانہیں ملتی۔یہودیت میں تعدد ازدواج کے حوالے سے ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی بلکہ ایک یہودی مرد اپنی مرضی سے جتنی شادیاں کرناچاہتا کرسکتا تھا اسکے لیے کوئی حد یدکاوٹ نہیں تھی۔

جیسا کہ سید امیر علی تحریر کرتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سےقب بنی اسرائیل میں تعدد ازدواج کا دستور تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نےاسے برقرار رکھا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی کوئی حد متعین نہ کی کہ ایک یہودی مرد بیک وقت کتنی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا تھا۔"[2]

درج بالا عبارت سےمعلوم ہوتاہےکہ یہودیت میں تعددازدواج کی اجازت ہے اور اس کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہے مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک یہودی شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا ہے جن کو نان و نفقہ دینے کی وہ استطاعت رکھتاہو۔

یہودیت میں منگنی کا تصور:

یہودیت میں منگنی کاتصور بھی موجود ہے۔اس لیے کہ یہودیت میں نکاح کودو حصوں میں تقسیم کیاگیاہے۔ایک منگنی دوسرا رخصتی، منگنی کو لوگوں کے درمیان بطورِ اعلان استعمال کیا جاتا ہے گویا یہ شادی کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔

([1]) آزاد،مولانا ابوالکلام،مسلمان عورت،مکتبہ جمال،اردو بازار لاہور،۲۰۰۸ء،ص:۲۳

([2]) ڈاکٹر محمد رفیع الدین،روح اسلام،طوبیٰ ریسرچ لائبریری،آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس،ص۳۵۹

Jewish Encyclopedia میں ہے :

"جیوش انسائیکلوپیڈیا میں منگنی کے متعلق واضح بیان ہوا ہے۔جسے بہت اعلیٰ اور اچھے اندازمیں پیش کیا گیا ہے کہ تین طرق میں سے آخری طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ اوراس رسم کو قدیم یہودی مذہبی علماء نے ناجائز قرار دیا ہےاور دوسرا طریقہ یہودی سماج میں بہت کم پایا جاتا ہے جبکہ رقم یا انگوٹھی کے ذریعے منگنی کرنے والا طریقہ بہت زیادہ رائج ہے"۔[1]

کس عمر میں شادی ہونی چاہیے:

شادی کے لیے عمر کی حد بندی کتنی ہونی چاہیے ۔اس سے متعلق کوئی واضح حکم کوموجود نہیں ۔کتابِ مقدس میں ایسی کوئی ہدایت نہیں ملتی جس سے یہ واضح ہو سکے کہ عمر کے کس حصے میں شادی ہونی چاہیے۔البتہ یہودیوں کی تشریعی کتاب تالمود میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں کہ شادی کے لیے عمر کی حد بارہ سال ہونی چاہیے۔[2]

چنانچہ مولانا ظفیر الدین یہودیت کے قانونِ ازدواج کا جائزہ پیش کرتےہوئے لکھتے ہیں:

"قانونِ یہودیت میں ہے کہ جس شخص کی کسی بیٹی کی عمر بارہ برس ہو جائے اس کے باوجود وہ اس کی شادی نہ کروائی جائے پھراگر اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتاہے تو اس گناہ کا وبال اس لڑکی کے باپ پر ہو گا"۔[3]

تورات کےمطابق بارہ سالہ لڑکی کی شادی کروادینی چاہیےاس کی حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے جس کےراوی حضرت عمربن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تورات میں موجودہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ کفو پانے کے باوجود اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی یعنی بدکاری وغیرہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے"۔[4]

مذکورہ روایت سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ نکاح کے لیے لڑکی کی کم از کم عمر کتنی ہونی چاہیے مگر نکاح کے لیے لڑکے کی عمر کی حد اس روایت سے معلوم نہیں ہوتی ۔تاہم تالمود کی دوسری آیت سے لڑکے کی شادی کی کم از کم عمر کی حد اٹھارہ سال معلوم ہوتی ہے۔جیساکہ تالمود بیان کیا گیاہے:

"عدالت ہر اس مرد کو شادی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے جس کی عمر بیس برس سے زیادہ ہو گئی ہو ۔ تالمود کے احکام میں مرد کےلیےشادی کی اوسط عمرکم از کم اٹھارہ سال اور عورت کےلیے کم از کم عمرکی حد بارہ سال متعین کی گئی ہے،لیکن

([1]) Jewish Encyclopedia,Funk and waggnals Compny,New York,1901-1906,p.1272

([2]) Ibid.

([3]) ندوی، محمد اسجد قاسمی،اسلام کا نظام عفت وعصمت، جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد یوپی انڈیا،ص۱۹۵

([4]) بیہقی،أبو بکر أحمد بن الحسین البیھقي،شعب الإیمان،دار الکتب العلمیۃ - بیروت،ط،اولی،۱۴۱۰ء،۴۰۱/۶

یہودیوں کے ہاں شادیاں عملی طورپر اس سے کم عمر میں بھی ہوتی رہی ہیں۔ تیرہویں صدی میں یہودی لڑکیوں کی شادیاں بالغ ہونے سے قبل کر دی جاتی تھیں اور سترہویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں بچوں کی شادیاں دس سال سے بھی کم عمر میں کردیا کرتے تھے۔"[1]

یہودیت میں شادی کے طور طریقے:

ذیل میں یہودیوں کے شادی کے اطوار کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جس کو نہایت احسن انداز میں رشید احمد نے اپنی کتاب تاریخِ مذاہب میں لکھا ہے:

"یہودیوں میں شادی کا طریقہ انتہائی سادہ اور دل کو بہانے والاہے ۔منگنی کا اعلان شادی سے پہلے کردیاجاتاہے۔شادی کے دن روزہ رکھنے کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔شادی کی رسم سہ پہر کو مجلس میں ادا کی جاتی ہے ،جس میں کم از کم دس بالغوں کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی ہے ۔ مجلس کی عمارت میں ایک ریشمی کپڑے کا شامیانہ تیار کیا جاتا ہے۔جس میں دلہا،دلہن کے ہمراہ آتا ہے۔ راہب(یہودی عالم) ایک گلاس میں شراب لیتا ہے اور پھر اس گلاس کو دلہا دلہن کو دے دیتا ہے۔یہ لوگ شراب چکھتے ہیں پھر دلہا دلہن کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے عبرانی زبان میں کہتا ہے دیکھو تم اس انگوٹھی کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیل کے اسلام کے مطابق میرے ساتھ منسوب ہو چکی ہو۔پھر شادی کے عہد نامہ کو ارامی زبان میں ربی بآوازِ بلند پڑھتا ہے۔اس کے بعد شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کر کے پھر زوجین کو دیتا ہے۔جسے دونوں چکھ لیتے ہیں ۔خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جیسے نوشہ(دولہا) توڑ دیتا ہے اور حاضرین میزل تاؤ (mezal tov) یعنی خوش قسمت چلاتے ہیں"۔[2]

اس اقتباس میں یہودیوں کی شادی کا طریقہ بیان کیاگیاہے جس کے مطابق شادی سے پہلے منگنی کا اعلان شادی سے پہلے کر دیا جاتا ہےپھر اس کے لیے باقاعدہ رسم کا اہتمام کیاجاتاہے۔اس رسم کو مختلف طریقوں سے پوراکیاجاتاہے۔زیادہ تر منگنی کے موقع کچھ رقم یا انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔منگنی کے بعد پھر دس بالغ مردوں کی گواہی میں نکاح کروایا جاتاہے۔پھر ربی ایک گلاس میں زوجین کو شراب دیتاہے جس کو دونوں میاں بیوی چکھتے ہیں اور پھر اس گلاس کو دلہا توڑ دیتا ہے جس کو قسمتی کی علامت گرداناجات ہے۔

یہودیت میں عائلی زندگی کے بارے نہایت کم مواد موجود ہے۔اس لیے اس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں،البتہ جتنی معلومات دستیاب ہے ان رسوم و رواج کا خلاصہ انہی سے بیان کیا جا رہا ہے:

([1]) رشید احمد، پروفیسر، تاریخ مذاہب، ص۳۸۹

([2])ایضا، ص۲۸۹

رخصتی کے دوران صوم رکھنا،شادی کے دن زوجین کا روزہ رکھنا ایک پسندیدہ عمل تصور کیا جاتا ہے،اس کا اصل مقصد یہ کہ عوام الناس کو یہ واضح ہو جائے کہ شادی خوشی منانے کے لیے ایک مذہبی فریضہ ہے اور مذہبی عبادت کے دن روزہ رکھنا ایک بہت اعلیٰ کام شمار ہوتا ہے۔[1]

شادی کے لیے خیمہ لگانا:

یہودیوں میں شادی کے بندھن میں بندھنے کے لیے ایک ضروری اور لازمی جزو ایک چار ستونوں کا خیمہ لگانا ہے اور اس خیمے کے نیچے تمام تقریبات اور رسوم و رواج ادا کیے جاتے ہیں جو شادی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔اس خیمہ لگانے کو (Kuppah\Chuppah) کہا جاتا ہے۔خیمہ لگانے سے یہودی یہ شگون لیتے ہیں کہ اس کی علامت گھر ہے جس میں دونوں میاں بیوی مل کر رہیں گے کہ جہاں ان کی مرضی و منشا کا خیال رکھا جائے گا۔

اس خیمے میں دلہا اپنے ہم عمروں کے ساتھ جاتا ہے جہاں وہ خوشی کے نغمے پڑھتے ہیں اور جب نقاب زدہ دلہن اس میں داخل ہوتی ہے تو وہ پردے میں ہوتی ہے۔اس خیمے سے یہ بھی مطلب لیا جاتا ہے کہ اس خیمے نے ان دونوں پر سایہ کیا ہے لہٰذا آرام کا باعث ہو گا۔کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ سایے میں چہروں کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے۔ لہٰذا یہاں پر زوجین کے چہرے اچھی طرح دیکھ لیے جائیں گے اور گواہی میں آسانی سے پہچانے جائیں گے۔[2]

گواہوں کی تعداد:

شادی کے لیے حاضرین کی موجودگی بھی ضروری ہوتی ہے ۔اور یہودیت میں حاضرین کی تعداد دس بتائی جاتی ہے۔بدونِ ھذایہ تقریب نامکمل بتائی جاتی ہے۔جب گواہوں کی تعداد دس مکمل ہوجائےتونکاح کاانعقاد درست ہوجاتا ہے اوربوقتِ ضرورت ان گواہوں کو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے،ان میں ایک ربی کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔

انگوٹھی کی رسم:

یہودیت میں ر انگوٹھی پہنانے کی رسم کارواج ہےجوداصل دلہا دلہن کوپہناتا ہے۔اوراگر دلہن اس انگوٹھی کوپہن لےاورپہننےکےبعدہاتھوں کو بندکر لےتو اس کامطلب یہ ہوتاہےوہ اس عقدپرراضی ہےورنہ نہیں۔انگوٹھی سونےکی ہوتی ہے اور اس کے اندر نگینہ یا پتھر نہیں ہوتا بلکہ سادی سونے کی ہوتی ہے۔[3]

([1]) Jewish Encyclopedia,p.1272
([2]) Ibid.
([3]) Ibid.

شادی سے قبل یہودیوں میں انگوٹھی پہنانے کا رواج پایاجاتاہے اور اس انگوٹھی پہنانے کا مقصد عورت کی رضا مندی جاننا ہوتاہے۔عورت کی رضامندی اس طریقے جانی ہوتی ہے کہ اگر عورت انگوٹھی پہنانے کے اپنی مٹھی کو بندکرلے تو اس کا مطلب ہے کہ لڑکی شادی کے لیے رضامند ہے اور انگوٹھی پہننے کے بعد اپنی مٹھی کو بند نہیں کرتی اس کا مطلب ہوتا ہے وہ لڑکی اس رشتے سے خوش نہیں۔

نکاح نامہ:

یہودیت میں نکاح نامہ انتہائی اہمیت کاحامل گرداناجاتاہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایاجاسکتاہے کہ نکاح نامے کے بغیر نکاح ہی نامکمل سمجھا جاتاہے۔نکاح نامہ کو یہودیوں کی زبان میں (ketubah) کہا جاتا ہے۔یہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے(key.tay.beit) جس کا معنٰی ہے لکھا ہوا۔

زوجین کا شراب پینا:

یہودیوں میں شادی کی رسوم میں سے ایک رسم شراب نوشی کی بھی ہے کہ یہودی عالم شراب پر کچھ دعائیں پڑھتا ہے اور پھر گلاس دلہا دلہن کو دیتے ہیں جس سے باری باری وہ شراب پیتے ہیں۔[1]

گلاس توڑنے کی رسم:

یہودیوں میں شادی کے موقع پر ایک رسم گلاس توڑنے کی بھی ہےوہ ایک مخصوص ہوتا ہے جس یں شراب ہوتی ہے اور اس شراب پر یہودی عالم کچھ مخصوص دعائیں پڑھتاہےاور پھر باری باری دلہا اور دلہن کو پینے کے لیے دیتا ہے۔پینے کےبعد دلہا اس گلاس کو اپنے دائیں سے جس کو خوش قسمتی کی علامت گرداناجاتاہےاورپھر سب لوگ میزل تاؤ یعنی خوش قسمت پکارتے ہیں۔

اس موقع پر جو گلاس کو توڑا جاتاہے اس کی ایک مخصوص وجہ بتائی جاتی ہے کہ یہودیوں پر جومختلف حالات میں ظلم و ستم ماضی میں ہو چکا ہے اور لوگوں نے انہیں جتنا تنگ کیا ہے ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے اس موقع پر گلاس توڑاجاتاہےاوراس سے وہ شگون بھی مراد لیتے ہیں کہ ایک نئے دن کا آغاز ہوا ہے جو خوشی اور خوشحالی کا سبب ہے۔

اس موقع پرایک شگون یہ بھی لیاجاتاہےکہ جس طرح گلاس کوتوڑنے کے بعد اس کے ٹکڑوں کو جوڑنا مشکل ہے اسی طرح شادی کے بندھن میں جڑنے کے بعد اسے توڑنا مشکل ہے۔ لہٰذا زوجین اس رشتے کو تاحیات قائم و دائم رکھیں گے۔[2]

دلہا کے گرد سات چکر کاٹنا:

([1]) Ibid.
([2]) Jewish Encyclopedia,p.1272

یہودیت میں ایک رسم یہ ہے کہ دلہاکے گردسات چکرلگائے جائیں اوران کو دعاؤں میں یاد رکھا جائے۔[1]

یہودیت میں مہر کا تصور:

مہر کا تصور تقریباً ہر مذہب میں موجود ہے لیکن یہودیوں کے ہاں حق مہر عورت کا معاشی حق نہیں ہے شوہر کی صوابدید پر منحصر ہےیعنی اگر شوہر نہ بھی دے تو کوئی برائی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت محکوم ہے اور محکوم کسی چیز کامالک نہیں بن سکتا۔یہی وجہ ہے کہ حق کو کوئی خاص اتنی اہمیت نہیں دی جاتی ۔البتہ اشارۃ و کنایۃ اس کا ذکر جابجا ملتا ہے۔

"یہودی مذہب میں عورت کا حق مہر ہوتا ہے اور وہ اس کی مالک بنتی ہے لیکن یہ اس کا قانونی یا معاشی حق نہیں ہے کہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دی جائے"۔[2]

اسی طرح کتابِ مقدس میں بھی مہر کا ذکر ملتا ہے:" اگر کوئی مرد کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلاکراس سے جنسی تعلقات قائم کرےتو ضروری ہے کہ اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے لیکن اگر اس کاباپ ہر گزراضی نہ ہو کہ یہ لڑکی اسےدےتووہ کنواری کےمہر کے موافق اسے نقدی دے"۔[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں عورت کے حق مہر کا تصور موجود ہے لیکن اس کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کنواری لڑکی کو بہلا پھسلا کراس کے ساتھ نکاح کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرلے تواس کے ساتھ شادی کرنا ضروری ہے اور کسی وجہ سے شادی نہ کرسکے تو پھر اس لڑکی کو مہر کے موافق رقم ضرور دے گا۔

مقدارِ مہر:یہودیوں کے ہاں مہر کی مالیت کے متعلق ایک روایت کتابِ مقدس میں ملتی ہےکہ چاندی کےپچاس مثقال ہیں۔چنانچہ روایت ہے:

"اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو تو وہ اسے پکڑے،اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو ،لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی ہے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی میں طلاق نہ دینے پائے"۔[4]

اس اقتباس میں حق مہر کی مقدار بیان ہوئی ہے جو کہ پچاس مثقال چاندی ہے۔

غیر یہودی عورت سے نکاح:

([1]) Ibid

([2]) محمد عبدالرحمان،عورت انسانیت کے آئینے میں،ص۱۴۰

([3])خروج۲۱:۲۲

([4])استثناء۲۸:۲۲

یہودی لوگ ہمیشہ یہودیت کے دائرے میں ہی شادی کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہودیت میں غیر یہودی عورت سے نکاح کرنا حرام تصور کیا جاتاہے لیکن اس کا ذکر صراحتاً نہیں ملتا بلکہ اشارۃ ملتا ہے۔مثلاً لڑکے اور لڑکی کا پیدائشی طور پر یہودی ہونا ضروری ہے۔اگر دونوں میں سے کوئی یہودی نہ ہوتو نکاح درست نہیں ہو گا۔ چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

In certain cases,the marriage in not recognized ambition,eg. Marriage with a mother,sister,daughter,non jewses or wife of an other man.[1]

(بعض صورتوں میں شادی تسلیم شدہ نہیں ہے۔ مثلاً ماں،بہن،بیٹی،غیر یہودی یا کسی دوسرے آدمی کی بیوی کے ساتھ)

اسی طرح ایک اور روایت ہے:

Most marriages in jeudaism take place between believing jews,this is not because the child of a non jewish mother is not jewish even if the father is.[2]

(یہودیت میں زیادہ تر شادیاں یہودیوں کے درمیان بنی ہوئی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر یہودی عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ یہودی نہیں کہلائے گا اگرچہ اس کا باپ یہود سے ہو۔)

نکاحِ ثانی یہودیت کی نظر میں:

یہودیت میں عورت کی حیثیت ایک کمزور،ذلیل اور حقیر سی شے کی ہے۔لہٰذا مطلقہ عورت عمر بھر شادی نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی کسی مرد کو اس سے شادی کی اجازت ہے۔چنانچہ کتاب سلاطین میں ہے:

"وہ کسی فاحشہ ناپاک عورت سے بیاہ نہ کریں اورنہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو"۔[3]

اسی طرح یہودی مرد کو متعدد بار یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی مطلقہ عورت سے شادی نہ کرے۔احبار کی روایت ہے:

"اور کنواری لڑکی سے بیاہ کریں جو بیوہ یا مطلقہ ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے بیاہ نہ کرے بلکہ اپنی ہی قوم کی کنواری کو بیاہ لے"۔[4]

یہودیت میں مطلقہ عورت سے نکاح کو ناپسند سمجھا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان آیات میں مطلقہ عورت سے شادی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مطلقہ عورت سے مطلقاً شادی کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ کنواری لڑکی کی موجودگی میں مطلقہ عورت کے ساتھ شادی کرنا ناپسند کیا گیا ہے۔یعنی کنواری عورت کے مقابلے میں مطلقہ عورت کو ترجیح دینا ناپسندیدہ عمل ہے۔

([1]) jewish Encyclopedia,p.1272

([2]) www.marraigigjudiasim.com

([3]) سلاطین ۱۱:۲

([4])احبار۷:۲۱

تاہم اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائےاورعورت بیوہ ہوجائے تو اس کے لیے انتہائی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتاہے۔اس کے لیے انتہائی سخت قانون ہے کہ اس کے لیے اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ شادی کرناضروری ہوتا ہے۔نیز شادی ہونے کے بعد اس کا پہلا پیداہونےوالابچہ اس پہلے خاوند کا شمار ہو گا۔ اگر مرنے والے شوہر کا بھائی اس بیوہ سے شادی کرنے سے انکار کردے تو اس بیچاری کو ساری زندگی اسی اذیت میں گزارنا ضروری ہوگا۔چنانچہ کتابِ مقدس میں ہے:

"اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بےاولاد ہے تو اس (مردہ شوہر) کی بیوی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنا لے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے اور اس عورت کے ہاں جو پہلا بچہ ہو اس کے آدمی کے معلوم بھائی کے نام کہلائے تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے اور اگر اس کی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کےپاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا۔اس شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ اس سے بیاہ نہیں کرنا تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر پاؤں سے جوتی اتار دے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور یہ کہے جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔تب اسرائیلیوں میں اس کا نام پڑ جائے گا کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اتاری گئی تھی"۔[1]

اس قانون کے مطابق پہلے عورت کو مردہ شوہر کےبھائی کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتاہے پھر دیور کے شادی کرنے کے انکار پر عورت سے اس کے منہ پر تھوک ڈلوایا جاتا ہے اور یہ دونوں ہی حرکتیں قبیح اور قابل مذمت ہیں۔دین اسلام میں ایسے کسی قانون کا تذکرہ نہیں ملتا۔یہ سراسر دونوں کے ساتھ زیادتی ہے۔

یہودیت میں زنا:

تمام مذاہب میں زنا کو برا عمل قراردیاگیاہے۔ اسی طرح یہودی تعلیمات کی روشنی میں بھی زنا کوفعل حرام قرار دیاگیاہے اور زنا کےمرتکب کوبطور سزا رجم / سنگسار کیاجائے گا۔کتابِ مقدس میں متعدد روایتیں اس پر دال ہیں۔مثلاً:

"اگر کوئی شخص کسی شادی شدہ عورت سے زنا کرتا پکڑا جائے تو دونوں کو قتل کردیا جائے مرد بھی اور عورت بھی۔یوں تو اسرائیل میں ایسی برائی کو دفع کرنا"۔[2]

([1]) استثناء۲۵:۱۰

([2])استثناء۲۲:۲۲

ایک اور روایت میں ہے:"اگر یہ بات ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشانات نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شوہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی ہے کہ اپنے باپ کے گھر میں فحش پن کیا۔یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا"۔[1]

معلوم ہوایہودی تعلیمات کی روشنی میں زناکی سزاسنگسار کرناہے۔اس قانون کے مطابق زنا کرنےوالےلڑکے اورلڑکی دونوں کوپتھر مارمار کر قتل کردیاجائےگا اوریہ سزا ان کے اپنے عمل کی وجہ سے دی جائے گی۔

یہودیت کی روشنی میں زنابالجبر:

زنا بالجبر سے مراد کسی سے زبردستی غلط کاری کرنا ہے لہذااگر کوئی شخص کسی عورت سے اس کی رضامندی کے بغیر زنا کرے تو ایسی صورت میں عورت کو قصوروار تصور نہیں کیاجاتا کیونکہ وہ مجبور تھی ،لیکن اس مرد کو قتل کیا جائے گا۔

استثناء کی روایت ہے:

"اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے گا۔پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا کیونکہ لڑکی کا ایسا گناہ نہیں جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرے۔اس لیے کہ یہ بات ایسی ہے جیسے کوئی اپنے ہمسایہ پر حملہ کرے اور اسے مار ڈالے کیونکہ وہ مرد کو اسی میدان میں ملی اور مجبور لڑکی چلائی بھی۔پر وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو چھڑواتا"۔[2]

اس قانون کے مطابق جس کی طرف سےزنا بالجبر ہوگا صرف اسی کو سزا دی جائے گی جس کے ساتھ زنا بالجبر ہواہوگا چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا اس کو سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ اس میں مجبور کا قصور نہیں ہے بلکہ مجبور کرنے والے کا قصور ہےلہٰذا سزابھی صرف اسی ایک کو دی جائے گی۔

باندی سے زنا:

اگر کوئی آدمی لونڈی سے زنا کرے تو بطورسزااسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس شخص کو معمولی سزا دی جائے گی۔احبار میں روایت ہے:"اگر کوئی ایسی عورت سے صحبت کرے جو لونڈی ہو یا کسی شخص کی منگیتر ہونہ تو اس کا فدیہ ہی دیا گیا ہو اور نہ وہ آزاد کی گئی ہو تو ان دونوں کو سزا ملے ،لیکن وہ جان سے مارے نہ جائیں اس لیے کہ وہ عورت آزاد نہ تھی"۔[3]

([1]) ایضا۲۲:۲۱

([2]) استثناء۲۵:۲۲

([3]) احبار۲۰:۱۹

اس قانون کے مطابق لونڈی سے زنا کرنے کی صورت میں کسی کو بھی قتل نہیں کیاجائے گا بلکہ ان کی قاضی کی صوابدید پر چھوڑی گئی کہ قاضی جتنی اور سزا بہتر سمجھے وہ دے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

According to jewish practice since early times,there are to stages in the marriage ceremony, betrothal and M.Betrohal (erusin or kiddushin) is the wife of betrother (betrothed),so that she may be married to no one else (unless her husband die or divorce her)[1]

یہودی معاشرہ کے مطابق شروع سے ہی شادی کے دو مراحل ہیں:

Betrothal یعنی منگنی M.Betrothal یعنی شادی ۔یہ وہ تقریب ہے جب ایک عورت اپنے منگیتر کی بیوی بنتی ہے اور پھر وہ عورت (اپنے شوہر کے مرنے یا طلاق کے بغیر) کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔

یہودیوں میں منگنی تین قسم یا تین طریقوں سے ہوتی ہے:

ا۔ منگنی کاتصوریہ ہے کہ لڑکا منگنی کے طور پرلڑکی کو کچھ رقم دے دیتا ہےاوراس رقم کومنگنی کی علامت گردانا جاتا ہےاور اب یہ قانوناً ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔زیادہ تر اس قسم کی منگنی میں پیسے کی بجائے انگوٹھی دی جاتی ہے جو منگنی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

۲۔ منگنی کادوسرا طریقہ یہ ہے کہ لڑکااورلڑکی آپس میں ایک معاہدہ کرکےلکھ لیتے ہیں اوریہ لکھاہوامعاہ منگنی کی علامت سمجھاجاتا ہے۔

۳۔ منگنی کا تیسرا طریقہ یہودی معاشرہ میں بہت کم پایا جاتا ہے ۔اس میں لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ جنسی ملاپ کر لیتے ہیں اور یہی ان کی منگنی شمار ہوتی ہے۔

مشنا نے منگنی کے تین طریقے بیان کیے ہیں ۔ا۔پیسے کے ذریعے(جب ایک مرد کسی عورت کو دو گواہوں کے سامنے کوئی قیمتی چیز مثلاً انگوٹھی یا پیسے شادی کے معاہدہ کے طور پر دیتا ہے اور وہ عورت اسے قبول کر لیتی ہے)۔ ۲۔ معاہدے کے ذریعے اور یہ معاہدہ ان کی منگنی کی علامت ہوتا ہے۔۳۔ جنسی ملاپ کے ذریعے یعنی اس نیت سے جنسی ملاپ کرنا کہ یہ شادی کا معاہدہ ہے ۔اس طریقہ کو سمجھدار راہب اچھا خیال نہیں کرتے اور یہ صرف صلہ رحمی کی شادی میں ہی مستعمل ہے۔[2]

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی منگنی کے ان تینوں طریقوں کو بیان کیا گیا ہے:

This ceremony must take place before witnesses and legally may be performed in one of three ways,1. By mony,i.e the betrother gives the woman a symbolic sum or its equivalent as a token of betrother. 2. By deed: i.e the betrother gives the woman a document conforming the betrother in writing.3. By

---

([1]) Jewish Encyevlopedia,p.1272

([2]) Jewish Encyevlopedia,p.1272

intercourse: the betrother enters a private chamber with the woman informing witnesses beforehand that the intercourse which will be take place is to be considered an act of betrothal.[1]

یہ تقریب گواہوں کے سامنے اور تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے منعقد ہوتی ہے۔۱۔ پیسے کے ذریعے: یعنی منگیتر عورت کو پیسے یا کوئی قیمتی چیز منگنی کی علامت اور یادگار کے طور پر دیت ہے۔۲۔ معاہدہ کے ذریعے: یعنی منگیتر عورت کو معاہدہ کے لکھے ہوئے کاغذ منگنی کے طور پر دیتا ہے۔۳۔ جنسی ملاپ کے ذریعے: یعنی منگیتر عورت کو ایک الگ کمرہ میں جنسی ملاپ کے لیے لے جاتا ہے اور گواہوں کو پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ یہ میل ملاپ جو ہمارے درمیان ہونے والا ہے وہ منگنی کے طور پر ہے۔

قدیم یہودی علماء نے شادی کے آخری طریقہ کو قبول نہیں کیا اور یہ یہودیوں میں رائج نہیں ہے۔شادی کا دوسرا طریقہ بھی آج کل بہت کم ہے ۔آج کل اور ہمیشہ سے پہلا طریقہ ہی رائج ہے ۔شادی میں زیادہ کردار مرد ہی کا ہے لیکن عورت کی رضامندی کے بغیر اس شادی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔[2]

دولہا اور دلہن دونوں شادی کی تقریب کے اختتام تک روزہ کی حالت میں ہوتے ہیں (یعنی کچھ نہیں کھاتے)(اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ) شادی خوشی کے ساتھ ایک سنجیدہ اور مذہبی کام بھی ہے اور یہ روزہ اس مذہبی نوعیت کو یاد دلاتا ہے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شادی کے دن روزہ رکھا جاتا تھا اور جب شادی کی رسم مکمل ہو جاتی تو وہ دونوں ایک الگ کمرہ میں جا کر اکھٹے روزہ افطار کرتے ہیں یعنی مل کر کچھ کھاتے ہیں۔

The bride and groom usually fast until after the ceremony and immediately after the ceremony go into a separate room where they eat toghether.[3]

"دولہا اور دلہن شادی کی تقریب کے اختتام تک روزہ کی حالت میں ہوتے ہیں اور تقریب کے فوراً بعد ایک الگ کمرہ میں جا کر اکھٹے کچھ کھاتے ہیں۔

The Marriage takes place under a Chuppah, a canopy held up by four poles. The chuppah is a symbol of their new life together in their own dwelling.[4]

شادی ایک Chuppah یعنی ایک خیمہ کے نیچے ہوتی ہے جس کے چار ستون ہوتے ہیں۔یہ خیمہ ان کی اکھٹی رہنے والی زندگی اور شوہر کے دلہن کو اپنے گھر لانے کی علامت ہے۔اس خیمے کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض اوقات شادی کی تقریب کو اس خیمہ سے ہی منسوب کر دیا جاتا ہے۔[5]

([1]) Ibid.
([2]) Ibid.
([3]) Jewish Encyevlopedia,p.1272
([4]) Ibid.
([5]) Ibid.

خیمہ کے نیچے جانے سے پہلے دلہا مہمانوں کے درمیان کھڑا ہو کر خوشی کے گانے گائے گا جبکہ دلہن کا چہرہ ایک نقاب(گھونگھٹ) ڈھانپا جائے گا۔اس تقریب(رسم) کو Bedeken یا bedekung کہا جاتا ہے اور یہ رسم چھ سو سال پرانی ہے۔ اس رسم کی بنیاد یا حقیقت اس تنازع پر ہے کہ chuppah اصل میں کیا چیز ہے۔ اس بارے میں کئی رائے ہیں: chuppah کا مطلب ہے دلہن کے منہ کو چھپانا یا پھر اس غلاف کا مطلب ان کی شادی ہے۔ یہ رائے (توراۃ کی) ایک آیت کی بنیاد پر ہے۔ تب اس نے نقاب سے اپنے آپ کو چھپا لیا۔ جب ربقہ اسحاق سے ملنے گئی۔بعض لوگ اس معاملے میں شدت کے قائل ہیں،ان کے مطابق گواہوں کی گواہی ہی تب معتبر ہوگی جو وہ اس پردے کو دیکھیں تب وہ شادی کے گواہ شمارہوں گے۔[1]

نکاح نامہ:

یہودیت میں نکاح نامہ کی حیثیت ایک معاہدہ کی سی ہے جو شوہر اپنی بیوی کوتھماتاہے اور اس میں مہر دینے کا عہد کرتا ہےجسے شادی کا معاہدہ بھی کہاجاتاہے۔یہ نکاح نامہ بیوی کے حقوق کا آئینہ دارہوتاہے ۔نیز اس نکاح نامے کی عبارت کو لوگوں کے سامنےانہیں اپنی شادی پر گواہ بنانے کی غرض سےپڑھا جاتاہے۔یہودیوں کے ہاں یہ معاہدہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتاہے اس اہمیت کے پیش وہ لوگ اسے فریم میں محفوظ کرلیتےہیں۔[2]

سات دعائیں ،سات چکر:

ہندوؤں کی طرح یہودیت میں بھی شادی کے اختتام پر سات چکر لگوائےجاتے ہیں اور ساتھ میں سات مخصوص دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔[3]

یہودیت میں شادی کو مرد و عورت کے مابین ایک ایسامقدس بندھن تصورکیاجاتا ہے جس میں خدا بذات خود شامل ہے۔[4] اگرچہ ان کے یہاں شادی کا واحد مقصد افزائش نسل نہیں ہے تاہم اس عمل کو افزائش نسل کے ربانی حکم کے پورا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔[5] اسی مقصد کے پیش نظر جب مرد و عورت شادی کے رشتے میں منسلک ہوتے ہیں تو انہیں

([1]) Ibid.
([2]) Ibid.
([3]) Jewish Encyevlopedia,p.1272

([4]) استثنا ۲۴:۱

([5]) پیدائش ۱:۲۸

یک جان دو دل سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہودی مرد شادی نہ کرے تو تلمود کی نگاہ میں وہ ایک "نامکمل" مرد ہے۔[1] عصر حاضر میں بعض یہودی فرقے ہم جنسی کی شادی کو درست سمجھتے اور افزائش نسل کے مقصد کو کمتر خیال کرتے ہیں۔[2]

یہودیت کے خاندانی نظام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں عورت کا مقام نہایت پست ہے اور اس کے پیچھے یہ نظریہ کارفرماہے کہ حضرت حوا نے حضرت آدم کو ممنوعہ پھل کھانے پر اکسایا جس کی وجہ سے وہ جنت سے نکالے گئے اور اسی بنا پر عورت کو مرد کی غلامی، حیض جیسی ناپاکی اور حمل کے درد کی سزا ملی۔ چنانچہ بائبل میں ہے:

میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا۔ تُو درد کے ساتھ بچّے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شَوہر کی طرف ہوگی اور وہ تُجھ پر حکومت کرے گا۔[3]

قانون نکاح کی طرح قانون طلاق بھی یہودی روایات میں عورت کی مظلومیت کی داستاں سناتا ہے۔ یہودی مرد جب چاہیں چھوٹی سی لغزش پر طلاق دے دیتے اور ان کو یہ حق مذہب نے دیا تھا۔ بقول مولانا ابو الکلام آزاد:

"یہودیوں کو ان کے مذہبی تعلیمات کے ذریعے سے یہ حقوق حاصل ہیں کہ وہ جب چاہیں ایک ادنیٰ سی لغزش پر عورت کو گھر سے نکال باہر کر سکتے ہیں۔"[4]

یہودیت میں طلاق عام ہے جس کی وجہ سے آئے روز عام حالات زندگی بھی متاثر ہوتے ہیں جوانتشار کی طرف دھکیلتے ہیں۔یہودی خاندانی نظام کی ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ شادی کے بندھن میں بندھنے کے باوجود ہر ایک ذاتی مفاد کوترجیح دیتا ہے ، جس کی مد بچے بھی متاثر ہوتےہیں ۔حالانکہ حقیقی طور پر کامیاب شادی وہ ہوتی ہے جس میں دونوں افراد ایک دوسرے کی ذات اور مفاد کوترجیح دیتےہیں۔ذاتی مفادات کی تربیت بچوں کو بچپن میں ہی دی جاتی ہے جبکہ وہ سکول جاتے ہیں تو انہیں Express themselves کا فلسفہ سکھایاجاتاہے۔شادی شدہ زندگی میں بھی یہی انفرادی سوچ برقراررہتی ہےاوریوں دونوں اپنی اپنی زندگی گزارتےہیں۔

اہلِ یہودمیں طلاق کی حیثیت

قدیم عہد میں اہلِ یہود میں نکاح و طلاق کی حیثیت فقط ایک معاہدے کی سی رہی اور نکاح کی طرح طلاق

---

(1) "Why Marry?" - Chabad.org۔ مورخہ 2007-12-24 کو اصل سے آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 2007-12-19۔ نامعلوم پیرامیٹر (deadurl= ignored|معاونت;(نادرست =|مـردہ ربـط)معاونت)

(2) "Text of the Reform Judaism Gay Marriage Resolution"- Beliefnet.com سے اصل - مورخہ 7 جنوری 2019 کو آرکائیو شدہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 2013-09-10

(3) پیدائش ۳:۱۶

(4) مسلمان عورت ص ۲۳

بھی معاشرے کا ایک حصہ قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن جب دستور سازی کی گئی توطلاق نامناسب فعل قرار پایا لیکن عورت کے معمولی غلطی پر بھی مرد حقِ طلاق کو استعمال کر سکتا تھا بلکہ بغیر وجہ کے طلاق دینے کو بھی کوئی غلط فعل نہیں کہتا۔ [1] جبکہ اس کے برخلاف تالمور سے متعلقہ ربّی نکاح کو ایک مقدس رشتہ قرار دیتے ہیں جبکہ طلاق کو غیر مقدس عمل مانتے ہیں۔[2] جبکہ اصل میں طلاق ایک مذموم فعل ہے جیسا کہ عہد نامہ قدیم میں مذکور ہے: "کیونکہ خداوند اسرائیل کا خدا فرماتا ہے میں طلاق سے بیزار ہوں اور اس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتاہے رب الافواج فرماتا ہے اس لیے تم اپنے نفس سے خبردار رہو تاکہ بے وفائی نہ کرو۔[3] جبکہ مشنا ء ، جو کہ یہودی فقہی قوانین اور فروعی مسائل پر مبنی کتاب ہے جومتعدد علمائے یہود نے تقریباً دوصدیوں میں مرتب کی ہے۔[4]میں مذکور ہے۔

The school of Shammai say: A man may not divorce his wife unless he has found unchastity in her, for it is written, because he hath found in her indecency in anything. And the School of Hillel say: [He may divorce her] even if she spoiled a dish for him, for it is written, because he hath found in her indecency in anything. R.Akiba says: Even if the found another fairer than she, for it is written.[5]

(Shammai) مسلک کے مطابق ایک مرد کواس وقت تک طلاق نہیں دینی چاہیے جب تک کہ عورت میں کسی بھی طرح نامعقولیت عیاں نا ہوجائے۔ جبکہ (Hillel) مسلک کے مطابق کوئی مردکو طلاق دے سکتا ہے فقط کھانے کے خراب کرنے پر بھی ۔ اور (R.Akiba)کے مطابق۔"جبکہ اسے اپنی زوجہ سے کوئی اور زیادہ خوبصورت عورت ملے اور وہ اس بات پر طلاق نامہ لکھ دے۔

عہد نامہ قدیم میں درج طلاق کی مذمت کے باوجود اہلِ یہود میں طلاق کو بہت زیادہ مذموم فعل نہیں سمجھا جاتا۔خصوصاً اس وقت کہ جب زوجین کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان ہو اورزندگی محض سمجھوتہ کرتے ہوئے بسرکرنا پڑے تو ایسی زندگی گزارنے سے بہترہے کہ طلاق دے کر دونوں کی جدائی کر دی جائے، اس طرح طلاق دینے کو امرِ مستحسن جانا جانے لگا۔ یہودی قوانین کے مطابق مرد ہی طلاق دینےکا حق رکھتا ہے۔ چاہے تو کسی سبب سے طلاق دے یا بغیر کسی سبب کے طلاق دے۔تالمود میں یہاں تک مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو اس بات پر بھی طلاق دے سکتا ہے کہ اس کی زوجہ نے کھانا خراب کر دیاہو۔یا اپنی زوجہ کے علاوہ کوئی اور پرکشش عورت مل جائے۔اور ان وجوہات کی بنا پر طلاق دینے میں عورت کی رضا

([1]) Divorce Level: Basic, Jewish Attitude Toward Divorce," http://jewfaq.org/ divorce.htm, accessed on October 2, 2019.

([2]) Issues in Jewish Ethics: Divorce," http://jewishvirtuallibrary.org/divorce-in-judaism, assessed on October 5, 2019

([3]) پیدائش 2:16

([4]) Mishna, Jewish Laws, accessed on October 5, 2019.

[5].*The Mishnah*, trans. Herbert Danby, (New York: Oxford University Press, 1993), 321.

کو کچھ دخل نہیں۔اگر کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو شوہر کو ضروری ہے کہ اس کو طلاق دے۔اگرچہ شوہر اس کو معاف بھی کر لے۔

طلاق دینے کی صورت میں خاوند عقد نکاح کی تحریر کے وقت زوجہ کی طرف سے جملہ تحریر شدہ شرائط کو پورا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔اور ان شرائط میں طلاق کی صورت میں ،جو مال مذکور ہو، وہ خاوند کو ادا کرنا ہوتا ہے۔یہودی بنیادی ماخذ تورات میں دوام نکاح کی ترغیب اور بوقتِ ضرورت طلاق دینے کے طریقہ کار نیز ان زوجین کو طلاق سے پہلے کن کوائف کی تکمیل کرنی چاہیے اس سے متعلق تفصیلی احکامات درج نہیں التبہ مشنا میں اس کے فروعی مسائل اختلافِ مسالک کی روشنی میں درج کیئے گئے ہیں۔

عدت:

عدت سے مراد وہ دورانیہ ہے جس کا سامنا ہر مطلقہ عورت کو کرنا پڑتا ہے۔یہودیت میں اگرچہ ناپسندیدہ فعل گردانا جاتا ہےاس کے باوجود بھی طلاق کا نا صرف تصورموجود ہے بلکہ اس کے تفصیلی احکام بھی موجود ہیں۔ طلاق کا حق یہودی مرد کو دیا گیاہےجبکہ عورت کو کسی بھی صورت میں طلاق کا مطالبہ کرنے کے حق سے بھی محروم رکھا گیاہے۔بیوہ ہونے کی صورت میں عورت کو اپنے خاوند کے بھائی کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہےاور عورت کے انکار کی صورت میں اس کو ساری زندگی بغیر شادی کے گزارنا پڑتی ہے۔طلاق کے بعد اگر کسی صورت میں عورت کو دوسرے مرد سے شادی کرنے کی مشروط اجازت ہے جس کے لیے اسے 90 دن بطور عدت گزارنے ہوں گے 90 دن گزرنےکے بعد اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ آگے کسی اورمرد سے شادی کر سکتی ہے۔گویا کہ یہودیت میں عدت کی 90 دن ہے۔

وراثت:

یہودی مذہب میں وراثت کا طریقہ یہ تھا کہ مرنے والے کی ساری جائیداد اس کی وفات کے بعد اس کے سب سے بڑے بیٹے کی ملکیت ہوجاتی تھی۔[1] اگر مرنے والے کا کوئی بیٹا نہ ہوتا تو وہ اپنے دوست کواپناوارث مقررکر دیتا تھا۔عہدنامہ قدیم میں ہےکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بے اولاد ی سے مایوس ہوئےتو اپنے بھتیجےکے ہوتے ہوئے اپنے غلام کو وار ث بنانے والے تھے۔[2] اگرچہ خونی رشتہ دار موجود تھااسکے باوجود ان کا حق تھا کہ وہ کسی بھی بچے کو وارث مقررکردیں۔سارہ جو کہ نہیں چاہتی تھیں کہ حضرت

([1]) استثناء21:17۔15

([2]) پیدائش15:3

اسماعیل علیہ السلام اس کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی وراثت میں حصہ دار بنے ۔لہذا انہو ں نے ابراہیم ؑ کو کہا کہ وہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کوگھر سے لے جائے۔[1]بعدمیں ابراہیمؑ نےانہیں باندیوں کےساتھ تحائف دے کررخصت کیا تاکہ وہ اسحاق کی ورا ثت میں مداخلت نہ کریں۔[2]عہدنامہ قدیم میں ہے کہ حضرت یعقوب اپنی بیویو ں اور لونڈیوں کے بچوں میں کوئی تفریق نہیں کی اور ا پنے پوتوں کو بھی وارث بنایا۔ ان کے دوپوتےافرائیم اور فسی[3] یعقوب علیہ السلام کےوارث ہوئے۔[4]اس زمانہ میں بیوہ کااپنے متوفی خاوندکی وارث ہونےکاسوال ہی نہیں پیداہوتاتھا۔نہ ہی بٹی اپنےوالدکی وارث بن سکتی تھی۔[5]کیونکہ شادی کےوقت والد،بھائی یارشتےدار اسےجوکچھ دے کررخصت کرتے تھےوہ اسخاندان کا ہوجاتا جس میں اس کی شادی ہوتی تھی۔[6] اس کے برعکس ایک واقعہ ایساہواجب ایوب نےاپنی بیٹیوں کوبیٹوں کے برابرحصہ دیا۔راخل اورلیاہ نے بھی یعقوب سےباپ کی طرف سےوراثت نہ ملنے کی شکایت کی۔[7]

عہد نامہ قدیم کے مطابق حقداروں کاتعین درج ذیل ہے:

بڑا بیٹا دوسرے بیٹوں کی بانسبت دگنا حصہ میراث میں سےلینے کا حقدار ہوتاہے۔اگر ایک مرد کی دوبیویاں ہوں ،وہ ایک سے محبت کرتاہو جبکہ دوسری سےمحبت نہ کرتا ہوتو اس صورت میں جس سے محبت نہ ہو اس سےبڑا بیٹا اورمحبوبہ سے چھوٹابیٹا ہوتو بھی بڑے بیٹے کو دگنی ہی میراث دینا ہوگی۔[8]

سب سےپہلےبیٹے کو پہلوٹھی کا بیٹا کہتے ہیں ،اس کو میت کی جائیداد سےدیگر بھائیوں کی نسبت دگنا حصہ ملتا ہے۔[9]

---

(1) ایضا6:25

(2) یوسف علیہ السلام کابیٹااور یعقوب علیہ السلام کے پوتے جنہیں بیٹوں کی موجودگی میں میراث دی گئی۔

(3) پیدائش6۔5:48

(4) گنتی8۔1:27

(5) ایضا8:36

(6) ایوب15:42

(7) راخل اور لیاہ،لابن کی دوبیٹیاں ہیں جن کی شادی یکے بعد دیگرے یعقوب علیہ السلام سے ہوئی۔پیدائش29:31

(8) استثناء17۔15:31

(9) ایضا17۔15:21

باقی بیٹے بھی وراثت کے حقدار ہوتے ہیں لیکن ان کا حصہ بڑے بیٹے کی نسبت آدھا ہوتا ہے۔[1]

بیٹیاں کلی طور پر جائیداد کی حقدار نہیں ہوتیں،والد کی جائیداد سے انہیں شادی تک صرف نفقہ ملتا ہت۔انہیں قرابت داری میں ہی شادی کرناپڑتی ہے۔اگر میت کی مذکر

اولاد نہ ہو اور پوتے بھی نہ ہوں اس صورت میں بیٹی کو حصہ ملے گا۔[2]

عہد نامہ قدیم میں میاں بیوی کی میراث کے حوالےسےکوئی صراحت نہیں ہے ۔ بعض مذہبی لوگوں کے نزدیک خاوند توبیوی کی میراث کا حقدارہے لیکن بیوی کو خاوند کی میراث سے کچھ نہیں ملتا۔

والدین کی وراثت کے حوالے سے کچھ بیان نہیں کیا گیا۔ والدہ بیٹے اور بیٹی دونوں کی وراثت سے محروم ہے۔مذکرہی اصلا وارث ہیں۔ان کےنہ ہونےکی صورت میں مونث کومیراث ملتی ہے۔

بیٹوں اور پوتوں کی عدم موجودگی میں بھائیوں کو میراث ملتی ہے ۔[3]

بیٹوں ،پوتوں اور بھائیوں کی عدم موجودگی میں چچا میراث لے سکتے ہیں ۔

مذکورہ بالا ورثاء کےنہ ہو نےکی صورت میں باقی قریبی رشتہ داروں میں الاقرب فالاقرب کے قاعدے کی روشنی میں صرف مذکر رشتہ دارہی وراثت کےحقدارہوتے ہیں ۔[4]

ایک قانون یہ بھی ہےکہ جس آدمی نے سب سے پہلے متوفی کی میراث پہ قبضہ کر لیا تو تین سال تک وہ میراث اس کے پاس بطور عاریت کے ہو گی۔ اور اگر تین سال تک کوئی بھی وارث سامنے نہ آیا تویہ میراث اس کی ملکیت میں چلی جائے گی ۔[5]

جب متوفی کا کوئی بیٹانہ ہوتو بٹیاں برابری کےساتھ وارث ہوں گی لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ یہ لڑکیاں اپنےہی قبیلے کے کسی مرد سےشادی کریں گی۔اور اگر کسی لڑکی نے اپنے والد کی حیات میں قبیلے سے باہر کسی

([1]) استثناء15۔17:21

([2]) پیدائش14:31

([3]) سعودابن شمعون،احکام الشرعیۃفی الاحکام الشخصیۃللاسرائیلین،ط،کوہین قاہرہ،1422ھ،ص44

([4]) گنتی11:27

([5]) عبدالمتعال الصعیدی،المیراث فی الشریعۃالاسلامیۃ،ط،محمودیۃ مصر،1924ء،10/2

مرد سے شادی کر لی تو والد کی میراث سے محروم ہو گی ۔[1]

عبرانی قانون کے مطابق وراثت کے چند حقداروں کی وضاحت در ج ذیل ہے :

مرنے والے کے ہر بیٹے کو برابر حصہ ملے گا۔صرف بڑے بیٹے کو دوہرا ملے گا۔ناجائز بیٹا جو والد کے مرنے کے بعد پیدا ہو وہ بھی وارث ہو گا۔غیر یہودی اور غلام کا بیٹا اس میں شامل نہیں۔[2]

مرتد یہودی کو بھی حق وراثت حاصل ہے۔ تاہم عدالت اس کو اس حق سے محروم کر سکتی ہے۔جس طرح نومذہب یہودی کو غیر یہودی ریاست حق وراثت سے محروم کر سکتی ہے اسی طرح یہودی

ریاست مرتد یہود ی کو بھی محروم کر سکتی ہے ۔[3]

جو بیٹا والد کی موجودگی میں مر جائے۔اس کے بیٹے اس کے حصے کے وارث شمار ہوتے ہیں۔[4]

جہاں بیٹوں کی اولا د نہ ہو تو وہاں بیٹیاں اور ان کی اولاد وارث بن جاتے ہیں۔اگر اولاد میں سے کوئی وارث نہ ہو تو ورا ثت اجداد کی طرف منسوب ہو جاتی ہے۔

یہودی خاوند کی وراثت یہودیہ بیوی کی وراثت

خاوند اپنی بیوی کا وارث ہوتا ہے جبکہ بیوی خاوند کی وارث نہیں ہوتی۔تاہم جب تک وہ کسی اور مرد سے شادی نہ کرلے اسکی گزر بسر کا انتظام کیا جاتا ہے خاوند صرف متوفیہ بیوی کی ذاتی ملکیتی جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔متوقع ملکیت یا وہ قرض جس میں رہن وغیرہ نہ ہو اس میں متوفیہ کے خاوند کا حصہ نہیں ہوتا۔خاوند اگر بیوی سے پہلے مر جائے تو اسکی بیوہ اس کی وارث نہیں ہوتی۔مرد اپنی منگیتر کا وارث نہیں ہوتا۔ناجائز بیوی کا وارث صرف کچھ صورتوں میں خاوند ہوتا ہے۔مرتد بیوی کا وارث خاوند ہی شمار کیا جاتا ہے۔وہ شخص جس نے اپنے بھائی کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کی تو وہ اپنے بھائی کا وارث بن جاتا ہے۔لیکن والد کی طرف سے اس بھائی کا حصے کا وارث نہیں ہو سکتا

([1]) احمد شلبی، مقارنۃ الادیان، الیھودیۃ، مکتبۃ النھضہ مصریہ، مصر، 1947ء، 301

([2]) عبدالمتعال الصعیدی، المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ، 11/2

([3]) پیدائش 48:5۔6

([4]) یہ یہودی ازم میں ایک رسم ہے، جس میں چھوٹا بھائی اپنے بھائی کیسے اولاد بیوہ سے بھائی کا نام باقی رکھنے کی غرض سے شادی کرتا ہے۔

جب تک کہ اس کے والد کاانتقال اس بھائی سے پہلے نہ ہوجائے۔بھائی کی بیوہ سے شادی کی رسم کو Halizah کہا جاتا ہے۔(1)

اہلِ یہود میں طلاق کی حیثیت

قدیم عہد میں اہلِ یہود میں نکاح و طلاق کی حیثیت فقط ایک معاہدے کی سی رہی اور نکاح کی طرح طلاق کو بھی معاشرے کا ایک حصہ قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن جب دستور سازی کی گئی توطلاق نامناسب فعل قرار پایا لیکن عورت کے معمولی غلطی پر بھی مرد حقِ طلاق کو استعمال کر سکتا تھا بلکہ بغیر وجہ کے طلاق دینے کو بھی کوئی غلط فعل نہیں کہتا۔(2) جبکہ اس کے برخلاف تالمود سے متعلقہ ربّی نکاح کو ایک مقدس رشتہ قرار دیتے ہیں جبکہ طلاق کو غیر مقدس عمل مانتے ہیں۔(3) جبکہ اصل میں طلاق ایک مذموم فعل ہے جیسا کہ عہد نامہ قدیم میں مذکور ہے: "کیونکہ خداوند اسرائیل کا خدا فرماتا ہے میں طلاق سے بیزار ہوں اور اس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتاہے رب الافواج فرماتا ہے اس لیے تم اپنے نفس سے خبردار رہو تاکہ بے وفائی نہ کرو۔(4) جبکہ مشناء ، جو کہ یہودی فقہی قوانین اور فروعی مسائل پر مبنی کتاب ہے جومتعدد علمائے یہود نے تقریباً دوصدیوں میں مرتب کی ہے۔(5)میں مذکور ہے۔

> The school of Shammai say: A man may not divorce his wife unless he has found unchastity in her, for it is written, because he hath found in her indecency in anything. And the School of Hillel say: [He may divorce her] even if she spoiled a dish for him, for it is written, because he hath found in her indecency in anything. R.Akiba says: Even if the found another fairer than she, for it is written.(6)

(Shammai) مسلک کے مطابق ایک مرد کواس وقت تک طلاق نہیں دینی چاہیے جب تک کہ عورت میں کسی بھی طرح نامعقولیت عیاں نا ہوجائے۔ جبکہ (Hillel) مسلک کے مطابق کوئی مردکو طلاق دے سکتا ہے فقط کھانے کے خراب کرنے پر بھی ۔ اور (R.Akiba)کے مطابق۔"جبکہ اسے اپنی زوجہ سے کوئی اور زیادہ خوبصورت عورت ملے اور وہ اس بات پر طلاق نامہ لکھ دے۔)

یہودیت میں طلاق دینے کا طریقہ

---

(1) مرقس،ڈاکٹر سلیمان،المدخل للعلوم القانونیہ،ط،اردن2012ء،238

2. Divorce Level: Basic, Jewish Attitude Toward Divorce," http://jewfaq.org/divorce.htm, accessed on October 2, 2019.

3. Issues in Jewish Ethics: Divorce," http://jewishvirtuallibrary.org/divorce-in-judaism, assessed on October 5, 2019

4 ۔پیدائش 2:16

5.Mishna, Jewish Laws," https://www.britannica.com/topic/Mishna, accessed on October 5, 2019.

6.*The Mishnah*, trans. Herbert Danby, (New York: Oxford University Press, 1993), 321.

تورات کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ بہت سادہ ہے وہ یہ کہ خاوند ایک طلاق نامہ زوجہ کو دیدے اور اسے روانہ کردے۔اور عورت کسی بھی طرح خاوند کو طلاق دینے سے روکنے کا حق نہیں رکھتی۔ لیکن بعد میں ربّیوں نے اجتہاد کے ذریعے طلاق دینے کے عمل کو پیچیدہ کر دیا۔ اس طرح کہ پہلے مخصوص طریقے سے طلاق نامہ لکھا جائے پھر زوجہ کو دینا پھر زوجہ کا اس طلاق نامے کو وصول کرنا۔ربّیوں کے تنظیم نے اس بات کو بھی لاگو کیا ہے کہ طلاق دینے والا ،قبل از طلاق کسی ربّی سے مشورہ ضرور کر لے۔[1]مشنا میں طلاق نامہ کے مفصلاً احکامات کو (GITTIN)کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔

یہودیوں کے ہاں طلاق چونکہ تحریری طور پر دی جاتی ہے تو اس تحریر کو کہ جس میں خاوند رشتہ ازدواجیت کو ختم کرنے کی بات لکھتا ہے اسے Get یا Gett کہتے ہیں،جو آج کل یہودیوں میں معروف ہے ،جبکہ تالمور کے مطابق اسے (Sefer K'ritut) جس کے لفظی معنی''کاٹنے والا دستاویز'' ہے اور اس سے مراد طلاق نامہ ہے[2]۔طلاق نامے میں اس بات کو صراحتاً ذکر کیا جاتا ہے کہ اب یہ عورت کسی بھی دوسرے مرد سے شادی کرنے کے لیے آزاد ہے۔اگر اپنی زوجہ کو صراحتاً متعین کر کے طلاق نامہ میں ذکر کیا تو طلاق نامہ قابل قبول ہوگا اور اگر فقط ضمائر،اشارات و کنایات پر اکتفاء کیا تو یہ طلاق نامہ قابل قبول نہ ہوگا جیسا کہ مشنا میں مذکور ہے:

"No bill of divorce is valid that is not written expressly for the woman''[3]

(کوئی طلاق نامہ درست نہ ہوگا جبکہ اس میں صریح طور پر عورت کے لیے تحریر نہ ہو۔)

یہ ضروری نہیں کہ خاوند خود ہی طلاق نامہ زوجہ کودے،بلکہ وہ کسی وکیل کو گواہوں کے ساتھ طلاق نامہ دے کر بھیج سکتا ہے۔ طلاق نامہ وکیل کے ذریعے بھی بھیج سکتا ہے اور بھیجنے کے بعد اگر خاوند طلاق سے رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے۔لیکن اگر زوجہ کو پہلے طلاق نامہ مل جائے اور بعد میں خاوند کے رجوع کا پیغام ملے یا خود خاوند رجوع کرنے کے لیے پہنچ جائے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ مشنا میں مذکور ہے۔

"If a man said, "deliver this bill of divorce to my wife' or 'this writ of emancipation to my slave", and he wished in either case to retract, he may retract."

"اگر کوئی شخص کہے،'یہ طلاق نامہ میری زوجہ کو دے دو' یا 'یہ آزادی کا تحریرنامہ میرے غلام کو دے دو' اوروہ کسی بھی طرح اس سے رجوع کرنا چاہتا ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔"

If a man sent a bill of divorce to his wife and then over took the messenger or sent another messenger after him, and said to him, "The bill of divorce that I gave to thee is void", it thereby becomes void. If he reached his wife first or sent another messenger to her, and said to her, "The bill of divorce that I have

---

1. Danby, *The Mishnah*, 311
2. *Divorce Level: Basic*, "Jewish Attitude toward Divorce", http://jewfaq.org/divorce.htm, accessed on October 2, 2019.
3. Danby, *The Mishnah*, 309

sent to thee is void", it thereby becomes void. But [If he or the messenger reached her] after the bill of divorce came into her hand he can no more render it void.(1)

(اگر کوئی شخص طلاق نامہ اپنی زوجہ کو بھجوائے اور پھرپیغام بھیجنے والے کو منع کرے یا ایک اور پیغام لے جانے والا بھیجے جو پہلے پیغام رساں کو بتائے کہ ''جو طلاق نامہ میں نے تمہیں دیا ہے وہ منسوخ ہے'' تو وہ طلاق نامہ باطل ہوجائے گا۔اگر دوسرا قاصد پیغام لے کر پہلے والے پیغام رساں سے پہلے پہنچا یا خاوند نے ایک اور پیغام براہ راست زوجہ کی طرف بھیجا (قبل پہلے والے طلاق نامے کے پہنچنے کے) اور اس (دوسرے)پیغام میں مذکور ہو''میں نے جو طلاق نامہ بھیجا تھا وہ منسوخ ہے'' توطلاق باطل ہوگا۔لیکن اگرخاوند یا دوسرا پیغام رساں ،پہلے والے قاصد کے بعد پہنچا اس حال میں کہ طلاق نامہ زوجہ کے ہاتھ پہنچ چکا تھا تو طلاق باطل نہ ہوگی۔)

طلاق نامہ کسی سے بھی لکھوا سکتا ہے لیکن طلاق نامہ دینے کے لیے مخصوص اوصاف کے حامل افراد ہی متعین ہیں جن کی تفصیل مشنا میں یوں مذکور ہے:

"All are qualified to write a bill of divorce, even a deaf-mute, an imbecile, or a minor……… All are qualified to bring a bill of divorce excepting a deaf-mute, an imbecile, a minor, a blind man, or a gentile.(2)

"سب لوگ طلاق نامہ لکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں یہاں تک کہ گونگا ،بہرہ،کم عقل یا نابالغ۔ اور تمام لوگ طلاق نامہ لانے کی اہلیت رکھتے ہیں سوائے بہرے ،گونگے،کم عقل،نابالغ،نابینا یا غیر یہودی کے۔"

طلاق نامہ مفقود ہونے کی صورت میں مشنا میں مذکور ہے:

"If a man brought a bill of divorce and lost it but straightway found it again, it remains valid; otherwise it becomes invalid."(3)

"اگر کوئی شخص طلاق نامہ لا رہا تھا اور پھر اُس سے وہ طلاق نامہ کھو جائے اگر فوراًہی واپس مل جائے تو طلاق درست ہوگا۔ بصورتِ دیگروہ طلاق نامہ درست نہ ہوگا۔"

اگر خاونددوردرازعلاقے سےطلاق نامہ بھیجناچاہتاہےتواسے گواہوں کی موجودگی میں طلاق نامہ لکھوانا اور اس پر دستخط کرناہو گااورپھریہ گواہ طلاق نامہ زوجہ کودیتےوقت اپنی موجودگی میں خاوند کی تحریراوردستخط کرنےپر گواہی دینگے۔ لہذا مشنا میں مذکورہے۔

"If a man brought a bill of divorce from beyond the sea he must say, "It was written in my presence and it was signed in my presence."(4)

(اگر کوئی شخص طلاق نامہ لائے سمندر پار سے تو اسے لازم ہے کہ یوں کہے،"یہ تحریر میری موجودگی میں لکھی گئی ہے اور اس پر میری موجودگی میں دستخط کیئے گئے ہیں۔)

---

[1]. Ibid., 307
[2]. Ibid., 310
[3]. Ibid., 309
[4]. Ibid., 307

سمندر پار کی تفصیل کے بارے میں مذکور ہے کہ شوہر اگر اسرائیل کی زمین سے باہر رہتا ہو اور اس کی زوجہ اسرائیل کی زمین میں رہنے والی ہو۔جب تک عورت طلاق نامہ وصول نہ کر لےاور خاوند نکاح کے معاہدے کی شرائط کے مطابق جملہ منقولہ اور غیر منقولہ اموال عورت کوادا نہ کرلےتب تک طلاق واقع نہیں ہوتی اور نکاح برقرار رہتا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں درج طلاق کی مذمت کے باوجود اہلِ یہودمیں طلاق کوبہت زیادہ مذموم فعل نہیں سمجھاجاتا۔خصوصاً اس وقت کہ جب زوجین کےدرمیان ہم آہنگی کافقدان ہواورزندگی محض سمجھوتہ کرتےہوئےبسر کرنا پڑے توایسی زندگی گزارنے سےبہترہے کہ طلاق دےکردونوں کی جدائی کردی جائے، اس طرح طلاق دینےکو امرِ مستحسن جانا جانے لگا۔

یہودی قوانین کے مطابق مرد ہی طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔ چاہے تو کسی سبب سے طلاق دے یا بغیر کسی سبب کے طلاق دے۔تالمود میں یہاں تک مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو اس بات پر بھی طلاق دے سکتا ہے کہ اس کی زوجہ نے کھانا خراب کر دیاہو۔یا اپنی زوجہ کے علاوہ کوئی اور پرکشش عورت مل جائے۔اور ان وجوہات کی بنا پر طلاق دینے میں عورت کی رضا کوکچھ دخل نہیں۔اگر کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرےتوشوہر کوضروری ہے کہ اس کو طلاق دے۔اگرچہ شوہر اسےمعاف بھی کر لے۔

طلاق دینے کی صورت میں خاوند عقد نکاح کی تحریر کے وقت زوجہ کی طرف سے جملہ تحریر شدہ شرائط کو پورا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔اور ان شرائط میں طلاق کی صورت میں ،جو مال مذکور ہو، وہ خاوند کو ادا کرنا ہوتا ہے۔یہودی بنیادی ماخذ تورات میں دوام نکاح کی ترغیب اور بوقتِ ضرورت طلاق دینے کے طریقہ کار نیز ان زوجین کو طلاق سے پہلے کن کوائف کی تکمیل کرنی چاہیےاس سے متعلق تفصیلی احکامات درج نہیں۔مشنا میں اس کے فروعی مسائل اختلافِ مسالک کی روشنی میں درج کیئے گئے۔

فصل دوم: افرادخاندان کے حقوق و فرائض

والدین کے حقوق:

"اپنے ماں باپ کی عزت کرنا جیساکہ خداوند تیرے خدانے تجھے حکم دیاہےتاکہ تیری عمر درازہواور جو ملک خداوند تیراخدا تجھے دیتا ہے اس میں تیرا بھلاہو۔"[1]

یہودیت میں والدین کی فرمانبرداری کو درازی عمر کا سبب قراردیتے ہوئے لوگوں کو والدین کی فرمانبرداری کی طرف ترغیب دی گئی ہے جو خاندان کی فلاح وبہبوداور باہمی ربطوتعاون کا ذریعہ بنتی ہے۔

یہودی طرزِ زندگی کے لیےخاندانی زندگی کو تربیت گاہ سمجھا جاتا ہے۔ بچے اپنی ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرتے ہیں،جس کے تحت والدین انہیں ہودیوں کی طرح رہنے کا عملی طورطریقہ سکھاتےہیں بتاتے ہیں۔ یہودی والدین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ گھر کو ایسی جگہ بنائیں جہاں یہودیت زندہ ہو۔ وہ اس فریضے کو یہودی عبادت کے ذریعے کر سکتے ہیں، جیسے کہ ہفتہ وار شبت کا جشن یا یہودی تہواروں کو منانا۔

اولاد کے حقوق:

یہودی اصطلاح میں کسی عورت کے ہاں پہلا پیدا ہونےوالا بچہ اگر بیٹا ہو وہ نہایت اہمیت کا حامل ہوتاہے جس کو یہودیت میں پہلوٹھا کہاجاتاہے۔ کتاب الخروج میں ایسے بچوں کے متعلق مذکورہے:

"اور خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایاکہ سب پہلوٹھوں کو یعنی جو بنی اسرائیل میں خواہ انسان ہو خواہ حیوان پہلوٹھی کے بچے ہوں ان کو میرے لیے مقدس ٹھہرا کیونکہ وہ میرے ہیں۔"[2]

ایسےبچوں کو یہودی تعلیمات کے مطابق وراثت میں سے دگنا حصہ دیاجاتاہے جیساکہ کتاب استثناء میں مذکورہے:

"اگرکسی آدمی نے دوشادیاں کی ہوں،ایک سے اس کو زیادہ محبت اور دوسری سے کم محبت ہوپھر محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے بیٹےہوں لیکن پہلوٹھا بیٹا(بنی اسرائیلی) غیر محبوبہ سے ہوپھر جب وہ اپنے بیٹوں میں اپنے مال کو بطور وراثت تقسیم کرنے لگےتو واث کرے تواسے چاہیے کہ غیر محبوبہ کے بیٹےکو پہلوٹھا ہونے کی بناء پرفوقیت دے،محبوبہ کےبیٹے کو فوقیت نہ دے کیونکہ اگرچہ وہ محبوبہ کابیٹا ہے لیکن وہ پہلوٹھا نہیں ہےاس لیے اس کو غیر محبوبہ کے پہلوٹھے بیٹے پر فوقیت نہ

([1]) استثناء:۵:۱۶

([2]) خروج۲،۱:۱۳

دے بلکہ وہ غیر محبوبہ کے (پہلوٹھے) بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے۔ کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتداء ہے اور پہلوٹھے کا حق اس کا ہے۔"[1]

کسی بھی خاندان میں عورت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے جس کے بغیر خاندان کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔اس کے باوجود یہودیت میں عورت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔ان کے ہاں اگر کسی مرنے والے شخص کی کوئی اولادِ نرینہ ہوتی تو اس کے ہوتے ہوئے کی عورت کو مستحقِ وراثت تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہودی معاشرہ میں عورت کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے ہے یہاں تک کہ اسے سر تا پا گناہ کا منبع بتایا گیا ہے۔

خاندان کی پرورش کرنا یہودیوں کے ہاں ایک مقدس فریضے کی اہمیت رکھتا ہے،جسے یہودیت سے وفاداری کے اظہار کا ایک طریقہ گردانا جاتا ہے۔یہودی خاندانوں میں، والدین اور بچے بطور تعظیم خدا ایک دوسرے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ والدین کو خدا کی ہر تخلیق میں شریک کے طور پر دیکھا جاتا ہے، لہذا یہودیت میں کسی کے والدین کی عزت کرنا خدا کی عزت کرنے کے مترادف ہے۔اسی طرح اپنے والدین کی بے عزتی کرنا یا ان پر تشدد کرنا خدا کے لیے ایسا کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔کتاب الخروج میں ماں اور باپ کی عزت کرنے کا درس درج ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے:

بچوں کو اپنے والدین کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا خیال رکھنا بھی سیکھنا چاہیے جب وہ بوڑھے ہو جائیں۔ اسی طرح والدین کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر بھی دھیان دیں۔[2]

اسی طرح بچوں کی پرورش کے حوالے سے بھی تعلیمات موجود ہیں کہ تورات والدین سے کہتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہودیت اور بطور یہودی اپنے فرائض کی تعلیم دیں۔ زیادہ تر یہودی والدین اپنے بچوں کی پرورش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک مرد، یعنی ایک مہربان، ذمہ دار اور عزت دار شخص ہو۔

اس حکم خداوندی کے ذریعے سے والدین سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کھانا کھلائیں،صاف ستھرا لباس پہنائیں اور تعلیم دینے کا انتظام کریں نیز ان کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ اپنی کفالت کریں۔

بیواؤں ،یتیموں اور محتاجوں کے حقوق:

یہودی مذہبی ادب میں باقاعدہ بیواؤں ،یتیموں اور محتاجوں کے حقوق بیان کیے گئے ہیں ۔جس کی مد میں بیوہ اور یتیم کو دکھ درد دینے سے باقاعدہ منع کیا گیا ہے۔چنانچہ کتاب الخروج میں ہے:

([1]) استثناء ۱۷،۱۵:۲۱

([2]) خروج ۱۲:۲۰

"تم کسی بیوہ یا یتیم بچے کو دکھ مت دینا۔اگرتم ان کو کسی طرح دکھ دو اوروہ مجھ سے التجاء کریں تو میں ضروران کی التجاءکو سنوں گا،میرا قہر بھڑکے گااور میں تمہیں تلوار سےمارڈالوں گا۔"

یہودیت میں عورت کے بارے میں دو نظریات ہیں۔ ایک تو دنیا کے معاملے میں اس کا عملی کردار ہے اور دوسرا اس کا روحانی مقام ہے۔ روحانی ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ خدا سے زیادہ قریب ہے۔

یہودیت میں عورت معاشی طور پر مرد پر انحصار کرتی ہے۔ وراثت میں اسے کوئی جائیداد نہیں ملتی، لیکن اگر شوہر کے مرنے کے بعد وہ جائیداد کی مالک بن جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قبیلے کے اندر ہی کسی سے دوسری شادی کرے تاکہ جائیداد خاندان ہی میں رہے۔

قدیم یہودی سامراج میں خاندان کی شناخت ماں کے ساتھ ہوتی تھی ورنہ اگرچہ اس میں مرد کی بھی شمولیت ہوتی تھی، خدا اور حضرت ابراہیم کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں اس میں مرد کو عورت پر بلاواسطہ فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔ توریت کے قدیم دور میں جس سماج کا ذکر ملتا ہے اس میں خاندان اور اس کے ورثے کے سلسلے میں عورت اور مرد کو اہمیت حاصل ہے۔

عہدِ وسطیٰ کے یورپ میں عورت کو بائبل اور تالمود کی تعلیمات کے تحت دیکھا جاتا تھا۔ یہودی جس غیر یہودی معاشرے میں رہتے تھے اس میں عورت کا کام خاندان کی خدمت کرنا تھا۔ اسی کو یہودی معاشرے میں بھی تسلیم کر لیا گیا، اگرچہ یہودیت میں عورت کو اعلیٰ مقام حاصل تھا، لیکن غیر یہودی معاشرے میں رہنے کی وجہ سے اس کے اثر سے اس کا سماجی مرتبہ بھی کم ہو گیا۔

یہودی مذہب میں دو فرقے ہو گئے ہیں،'اشکنازی'جن کا تعلق مشرقی یورپ اور جرمنی سے تھا جبکہ 'سفاردی' یہودی وہ تھے جنہیں 1492 میں سپین سے نکالا گیا تھا۔

اشکنازی فرقے میں عوت مردوں کی طرح رہتی تھی۔ عہد وسطیٰ میں عورت کو یہ اجازت مل گئی تھی کہ وہ مذہبی تعلیم حاصل کر سکتی تھی اور یہودی عبادت گاہوں میں جاکر مذہبی رسومات کی ادائیگی اور عبادت میں حصہ لے سکی تھی۔ قدیم روایت کے تحت عبادت گاہ میں عورتیں مردوں سے علیحدہ عبادت کر سکتی تھیں، جبکہ کچھ عبادت گاہوں میں عورتوں کے لیے جداگانہ جگہ ہوتی تھی۔ عبادت گاہوں میں وہ مردوں کی عبادت میں شامل ہو جاتی تھیں یا علیحدہ سے اپنی عبادت کرتی تھی۔ مذہبی قوانین کے تحت شادی سول معاہدہ نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ شوہر اور بیوی کے درمیان مذہبی عہد ہوا کرتا تھا جس کی حیثیت مقدس ہوتی تھی۔

1492 میں جب یہودیوں کو سپین سے نکالا گیا تو اس بحرانی ماحول میں عورت کی ذمہ داریاں بڑھ گئی اور اس نے یہودی رسم و رواج کو برقرار رکھ کر مذہبی شناخت کے تسلسل کو قائم رکھا۔

ہودی مذہبی راہنماؤں نے گھریلو تشدد، شادی اور طلاق کے بارے میں اصول اور قوانین بیان کیے ہیں۔ یہودی مذہب میں شادی ایک انتہائی اہم رسم ہے۔ اس لیے مذہبی راہنماؤں نے اس کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ عورت اپنے شوہر کی سختیوں سے تنگ آکر اگر طلاق لینا چاہتی تھی وہ عدالت سے رجوع کر سکتی تھی اس کے علاوہ وہ عورت جس کو اپنے شوہر کی شکل و صورت پسند نہیں ہوتی تھی وہ بھی طلاق کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتی تھی، لیکن طلاق کے معاملات اتنی افراط سے رونما نہیں ہوتے تھے، کیونکہ یہودی مذہب میں عورت کو زدو کوب کرنا بہت ہی ناپسندیدہ عمل تھا۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہودی معاشرے میں بیوی سے مار پیٹ کرنے کی وجہ سے عورت مرد سے تو طلاق لینے کا حق رکھتی تھی، لیکن بیوی کی شکایت پر اسے جرمانہ بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔

عورت کو ایک حد تک تعلیم حاصل کرنے کی آزادی تھی، تاکہ وہ گھر کے اخراجات اور آمدنی کا حساب رکھ سکے اور اس کی روز مرہ کی زندگی میں آسانی پیدا ہو۔ مذہبی تعلیم کو بھی اتنا ہی اہم گردانا جاتا تھا۔

یہودی عورتیں عیسائی عورتوں کو سود پر قرضے بھی دیتی تھیں اور اس وقت کی یہودی عورتیں دائی کا کام چرخہ کاٹنا اور کپڑے بنے کے پیشے بھی اختیار کرتی تھیں، تاکہ اپنے گھریلو اخراجات میں بہتری لا سکیں۔

یہودی مذہب میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ ایک جانب قدامت پرست ہیں جو مذہب کی قدیم تعلیمات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں جس میں عورت کو بھی اسی نقطۂ نظر سے ایک مقام دیا گیا، جبکہ دوسری جانب جدیدیت کے حامل ہیں اور تبدیل ہوتے ہوئے معاشرے میں عورت کو قدیم رسم و رواج سے آزادی دلا کر اس کی ذات کو اہمیت کا حامل بنانا چاہتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں امریکہ اور یورپ کے سماج میں رہتے ہوئے یہودیوں نے خود کو مغربی تہذیب سے ہم آہنگی پیدا کر لی ہے، لیکن انہوں نے اپنی مذہبی شناخت کو برقرار رکھا ہے اور ان کی عورتیں مذہبی پابندیوں سے آزاد ہو کر دنیاوی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتی ہیں، لیکن بہت سے مشرقی ممالک میں جہاں یہودی آباد ہیں وہاں قدامت پرستی کا تسلط ہے۔ اسرائیل میں بھی قدامت پرست مذہبی حلقے عورت کو دوبارہ سے مذہبی تعلیمات کے تحت اس کے مقام کا تعین کرنا چاہتے ہیں۔

بیوہ اور یتیم کا حصہ:

جب تو اپنے کھیت کی پیداوار کو کاٹے اور کوئی پولا بھول سے کھیت میں رہ جائے تووہ لینے کے لیے واپس نہ جانا ،وہ پردیسی،بیوہ اور یتیم کے لیے رہنے دین۔

یہودی مذہبی ادب کے مطابق بیوہ اور یتیم کا وراثت میں باقاعدہ کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اگر کبھی بھولے سے کھیت میں کاٹنے والارہ جائے تو اس حصے کو بیو ہ اور یتیم کے لیے چھوڑنے کا حکم ہے۔

یہودی مذہبی ادب میں خاندانی نظام کو چلانے کے لیے جو قوانین بیان کیے گئے ہیں اگر صحیح معنوں کی ان کی پاسداری کی جائے تو ایک یہودی خاندان معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردار اداکرسکتاہےتاہم اگر ان حقیقی تعلیمات کی جگہ خودساختہ قوانین کو لاگو کیاجائے تونا صرف ایک خاندان تباہ ہوتاہے بلکہ اس کےاثرات پورےمعاشرےپرپڑتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ انتشار کاشکار ہوجاتا ہے۔

اسی طرح خاندان کی بقاء اور اہمیت میں عائلی زندگی اتنا ہی کردار اداکرتی ہے جتنا کہ خاندان،عائلی زندگی کی مضبوطی میں کرداراداکرتا ہے۔افراد کاباہم مل جل کر زندگی بسر کرنااورایک دوسرے کےدکھ درداور خوشی وغمی کواپنا سمجھتےہوئے اس میں شریک ہونا افراد کو لامحدود سکون مہیا کرتاہے۔ یہودی خاندانی نظام ان چیزوں کا فقدان کاشکارہوتاجارہاہے جس کی وجہ سے ان کا خاندانی نظام تنزلی کاشکار ہوگیا۔

باب چہارم:

مسیحیت میں خاندانی نظام کا تصور

فصل اول: مسیحیت میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام

(نکاح، مہر، طلاق، عدت، تعدد ازواج اور وراثت وغیرہ)

فصل دوم: افراد خاندان کے حقوق وفرائض

فصل اول: مسیحیت میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام

(نکاح،مہر،طلاق،عدت،تعددازواج اوروراثت وغیرہ)

مسیحی تعلیمات میں خاندان کومذہبی تعلیم اور ایمان کو دوسری نسل تک پہنچانے کا ذریعہ قرار دیاگیاہے۔اسی طرح مذہب سکھانے والے استاد کو قطعی والدین کا درجہ دیا گیاہےجو کہ مذہب کو مجسم کرتےہیں۔لوقا میں ہے کہ:

دینی تعلیم دینے والے والدین ہی ہوتے ہیں جو مذہب کو مجسم کرتے ہیں۔[1]

مسیحی خاندان ایک چھوٹا کلیسا ہے۔ہر مسیحی خاندان کے لیے مسیحی ایمان کا اظہار کرنا ضروری ہے۔تیموتاؤس میں اسی اظہار کا مطالبہ کرتے ہوئے مرقوم ہے:

"اورہر مسیحی خاندان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسیحی ایمان کا اظہار کرے۔"[2]

مسیحی خاندان ایک مکتب کی حیثیت رکھتا ہے جہاں ہر بچہ مذہبی اور اخلاقی اقدار اور آدابِ معاشرہ سیکھتاہے۔خاندان کے افراد میں باہمی محبت اور فکر مندی کا ہونا لازمی جزو ہے۔

تکوین کے مطابق بچوں کی روحانی اور دنیاوی بہتری وتربیت کی فکر کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔[3]

سیموئیل ۲ کے مطابق زوجین میں محبت کی کمی شادی کی بربادی کاباعث بن سکتی ہے۔[4]

سیموئیل ۱ کے مطابق زوجین کے لیے ایک دوسرے کی خامیوں کو برداشت کرنا کامیاب زندگی کی علامت ہے۔[5]

متی میں ہے کہ خداپر بھروسہ کے ساتھ ازدواجی زندگی کی بنیاد خاندانی ہونی چاہیے۔[6]

جدیدعیسائی تعلیمات کی روسے خدا کی ذات محبت کا انمول و انوکھا سرچشمہ ہے۔اسی لیے ان کے ہاں خدا کو محبت قرار دیاجاتا ہے۔اور یہ عقیدہ اختیار کیاگیاہے کہ اسی محبت سے خدا نے اپنی شکل و صورت پر انسان کو پیدا کیا۔ پھراسی انسان میں سے نروندی کو پیدا کیا۔خدا کی نظر میں مخلوق بہت اچھی ہے جسے وہ برکت دیتا ہے کہ مخلوق پھلے پھولے اور بڑھے۔نیز مخلوق کو ہی تخلیق کی ذمہ داری بھی عطا کرتا ہے۔جیسا کہ تکوین میں ہے: ۲۸/۱

([1]) لوقا:۴۹/۲

([2]) تیموتاؤس:۸/۵

([3]) تکوین:۵۸/۲۴

([4]) سیموئیل۶:۲/۱۱-۱۷

([5]) سیموئیل ۲۵/۱:۲۵

([6]) ایضا

عیسائیت میں انسانی اور مسیحی سماج دونوں کی فلاح و بہبود کو مضبوط،تندرست وتوانا،صحت مندانہ ازدواجی اور خاندانی زندگی سے منسلک کیا گیاہے۔اور اس خاندانی و ازدواجی زندگی کا بانی خود خداہے۔

زندگی اور محبت کی گہری رفاقت سے جنم لینے والی ازدواجی حالت اور خاندانی زندگی کو خالق کائنات نے قائم کیا اور انہیں اپنے ہی قوانین بھی عطا کیے ہیں۔

کلام مقدس اور انسانی علم کی روشنی میں مردوزن کے میل ملاپ کی اہمیت و افادیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔جیساکہ تکوین کے مطابق انسان کا اکیلا رہنا اچھا نہیں ہے۔[1]

خدا نے مردوعورت کے ملاپ ،نسل انسانی کی بڑھوتری اور زمین کو معمورومحکوم کرنے کے ارادے سے اپنی تخلیقی قوت انسان کو سونپ دی۔مردوعورت کے مابین پاک بندھن،محبت،نکاح وشادی میں خاندان کو پروان چڑھاتے ہیں۔نکاح کا پھل اولاد کی صورت میں ظاہر ہوتاہےجو کہ اس باہمی بندھن کو مضبوط کرنےکاباعث بنتی ہے۔خاندان ہر فرد کے لیے امن وسکون کا گہوارہ اور محبت کی آماج گاہ ہےجہاں پر ہر عمل میں محبت کی شراکت کا ظہور ہوتاہے۔عموماً محبت کو مردوعورت کے مابین ایک تعلق سمجھا جاتاہے جبکہ مسیحیت میں محبت مرد،خدااور عورت کے مابین ایک رشتہ ہے۔[2]

چونکہ عیسائی تعلیمات کے مطابق خدامحبت کے رشتے کوبرقرار اور مضبوط رکھنے کی غرض سےمرداور عورت کے درمیان ہےتاکہ محبت کایہ رشتہ ٹوٹ کا شکارہونے کی بجائے ہمیشہ بندھا رہےاورمردوعورت خدا ی تائید و نصرت سے اس رشتے کو استوار رکھتے ہوئے اچھے خاندان کی تشکیل کرسکیں۔اگر محبت کا یہ رشتہ صرف مردوعورت کے درمیان ہی تصور کیا جائے تو بسااوقات یہ رشتہ مختلف وجوہات کی بناپرٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتا ہےجس میں ایک فریق دوسرے سے زیادہ قصوروار سمجھا جاتاہے۔لیکن اگر اس رشتے میں مردوعورت کے ساتھ ساتھ خدا کو بھی شریک سمجھا جائے توخدا اس رشتے کو کبھی شکار کا شکار نہیں ہونے دیتا۔کیونکہ عیسائیوں کے بقول وہ تو خود محبت ہے۔ مسیحیت میں پاکدامنی ایک صفت ہے۔[3]

جب انہوں نے روحانی اور نفسیاتی طور پر قربت حاصل کر لی ہو۔اگرسارا دن وہ لڑنے جھگڑنےمیں گزاردیتے ہیں تومحض جسمانی قربت اورملاپ ان کو ایک نہیں کر سکتا۔

([1]) تکوین:۱۸/۲

([2]) اچھا چرواہا،پاک نکاح کاساکرامنٹ اور خاندانی زندگی،شمارہ نمبر۲،نومبر ۲۰۱۸ء،ص:۵۳/۲

([3])ایضا:۱۶۵

نوجوانوں کے لئے عمر کے مختلف مراحل میں مواقع کے مطابق جنسیات کی تعلیم حاصل کرناسود مند ثابت ہوسکتاہے۔لیکن محض علم ہی ازدواجی مسائل زندگی کا حل نہیں بن سکتا۔ضروری چیزبھی کہ زوجین میں باہمی محبت اورباہمی اعتماد ھو۔جنسی ملاپ میں فریقین کو محبت سے ایک دوسرے کو دینا چاہیے۔جنسیات میں جب محرک حیوانی خواہش کی خود غرضانہ تسکین ہو اور جہاں دوسرے فریق کا خیال نہ رکھا جاتا ہو تو یہ عمل محبت کی بجائے نفرت کو جنم دیتا ہے۔ مباشرت میں خود غرضی ازدواج کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔جنسی طور پر دو مختلف ہستیوں کا ایک بدن اور ایک روح ہونا ازدواج ہے ۔

سماجی یکتائی :

خاندان سوسائٹی اور کلیسیا کے وجود کی ایک اہم اکائی ہے ۔ خاندان ہی مل کر ایک معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں ۔ اسی کے وجود سے معاشرہ کا وجود ہے ۔ ازدواجی زندگی میں سماجی یکتائی کو مضبوط کرنا خاندان کے تمام افراد کا فرض ہے ۔ اور خاندان کی سماجی یکتائی کیلئے ضروری ہے کہ خاوند اور بیوی کے درمیان باہمی ہے۔

اس میں قلڈ کی خوبیاں پیدا کرنے میں مدد دے ، تاکہ وہ خاندان کا موثر سر ثابت ہو سکے اور وہ اصل و ایال کی ترقی اور تکمیل کے لئے موزوں قدم اٹھا سکے ۔- خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کی نسوانی خوبیوں کو ترقی دینے میں اس کی مدد کرے ، تاکہ وہ گھر کی مالکہ ، اچھی ماں اور اچھی بیوی ثابت ہو سکے ۔جب خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو اپنا اپنا مخصوص کردار ادا کرنے ، ایک دوسرے کی مخصوص خوبیوں کو ترقی دینے ، ایک دوسرے کی خوشیوں ، غمیوں ، احساسات اور ھیجانات کی تسکین کے لئے مدد دیتے ہیں تو وہ بہت سی نفسیاتی الجھنوں سے بچ جاتے ہیں ، بلکہ ان کی نفسیاتی قوت جو خود غرض جوڑے میں فرار اور تحفظ نفس کیلئے استعمال ھوتی ھے وہ ایک دوسرے کی ترقی کیلئے دستیاب ہو سکتی ہے ۔ اگر وہ اپنی نفسیاتی یکتائی کو مضبوط نہیں کرتے تو وہ خود غرضی غیر ذمہ داری، نابالغ پن ، ازدواجی مشن سے لاعلمی ، عدم تعاون مردانہ یا نسوانی خوبیوں اور صلاحیتوں میں عدم ترقی کا شکار ہو جاتے۔

بدنی یکتائی:

ازدواجی زندگی میں زوجین کی بدنی اور طبعی یکتائی نہایت ہی اہم ہے ۔ دیکھنےمیں آیاہےکہ اکثر شادیاں ناکام انسانی محرکات نہیں ہو سکتے۔وہ اس لئےایک دوسرےکوپیار نہیں کرتے کہ ایک کو دوسرے میں پائی جانے والی خوبی یا خوبصورتی پسند ہے بلکہ وہ ایک دوسرےکواس طرح پیار کرتے ہیں جس طرح خدا نے انہیں پیار کیا ہے ۔ اوریہ کہ دوسرے کو میرے ساتھ اسلئے منسلک کیا ہے کہ وہ مجھ سے خدا کا ہے غرضانہ پیار ظاھر کرے اور میں اس سے ۔ خدا نے مسیح اور کلیسیا کی پاکیزہ اور اعلی ترین محبت کو زوجین کی زوجین کی روحانی یکتائی محبت کا نمونہ

ٹھہرایا ہے۔[1] وہ دوسرے ہوئے مشن کے تحت ایک دوسرے کو کا سرچشمہ یہ ھے کہ وہ خدا کے دیے ہوے اس طرح پیار کریں جس طرح وہ اپنے آپ کو پیار کرتے ہیں۔ گویا کو اپنا ہی بدن سمجھیں ۔ اس قسم کی سوچ کی یک جہتی ان کی روحانی زندگی یا یکتائی کو مضبوطی بخشے گی ۔ جب وہ خدا کو اپنی یکتائی کا سرچشمہ بنا لیں گے تو ازدواجی زندگی کے لئے دوسری ضروری یکتائیاں قائم ہوتی چلی جائیں گی

نفسیاتی یکتائی :

ازدواجی محبت کا آغاز جنس مخالف میں فطرتی کشش سے ہوتا ہے۔ یہ کشش جو جسمانی اور نفسیاتی تفرقات جنس پر مبنی ھوتی ھے آہستہ آہستہ محبت میں ڈھل جاتی ہے۔ مرد اور عورت ایک مختلف ہوتے ہیں لیکن ان کا اختلاف ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے سے باہمی ملاپ سے ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث بن سکتے ہیں ۔ازدواج اسے معاف کرنے کا سبق دیتا ہے تاکہ کمزور فریق کو راہ راست پر آنے اورترقی کرنے کا موقع مل سکے ۔[2]

لازمی ہے دونوں کو مل کر اپنے گھر کے معاشی نظام کو چلانا چاہیے . اکثر گھر معاشی طور پر برباد ہو جاتے ہیں ۔یہ کم آمدنی کی وجہ سے نہیں ، بلکہ اس لیے کہ انہیں پیسہ خرچ کرنا نہیں آتا ۔ بنیادی ضروریات مثلاً روٹی ، کپڑااور مکان کاپوراکرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ انہیں اپنےبچوں کی تعلیم،تفریح،بیماری اور علاج معالجہ کیلئے بچت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے - یقیناً ازدواجی زندگی میں روپیہ پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جہدی کو ٹھی دانے اوھدے کملے وی سیانے " لیکن صرف اسے ہی خاندانی مسائل کا حل نہیں سمجھ لینا چاہیے ۔ خاوند بیوی اور بچوں کے درمیان با ہمی گفتگو ، ایک دوسرے کے مسائل پر تبادلہ خیالات اور ایک دوسرے کو سمجھنے کیلئے کافی وقت صرف کیا جانا چاہیے۔ پیسہ انسان کیلئے ہےنہ کہ انسان پیسہ کیلئے۔بہت سے خاندان جو دوسری خاندانی اقدار کا تحفظ کرتے ہیں وہ پیسہ کم ہونےکےباوجودہ بھی معاشق یکتائی :- خاندان کی خوشی کیلئے معاشی یکتائی نہایت بھی خوشحال ازدواجی زندگی بسر کر سکتے ہیں کے باہی سلوک حصہ ایک اہم سے پیدا ہوتا ہے ۔[3]

ضبط نفس جو کردار کی بناوٹ میں لیتا ہے والدین کی مشاہدہ کردہ قربانیوں سے بھی پیدا ہوتا ہے ۔ یہ بچے کو اپنی خود غرضانہ محبت سے نکل کر اپنے آپ کودوسروں کو محبت دینے پر اکساتا ہے ۔ بچے کی تعلیم کے سلسلے میں متوفی والد یا والدہ کی کمی کو پورا اپ کی بہادری ، حب الوطنی کیا جا سکتا ہے ۔ جب متوفی فریق کی خوبیوں کو بچے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے مثلاً جب بچے کو اس کے مرحوم باپ شرافت یا ذوق علم کے متعلق بتایا جاتا ہے تو بچہ اپنے باپ سے تطابق پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ طلاق کی وجہ سے ٹوٹے ہوے ہوئے گھر میں بچے

([1]) افسیوں ۵:۲۵

([2]) یوحنا ۸: ۲-۱۱

([3])پیدائش:۱:۱۲۹

کی تربیت میں ایک بہت بڑا خلا رہ جاتا ہے۔ بچے کیلئے باپ کی غیر حاضری کی کس طرح تلافی حق ہے اکثر دفعہ طلاق ہو سکتی ہے جب کہ وہ یہ جانتا ہو کہ اس کا باپ خود غرضی کی بنا پر وہ محبت کسی اور کو دے رہا ھے جس پر اس کا نفرت کرنے لگتے ہیں ۔ اس یافتہ زوجین کے بچےاپنےدونوں والدین سےطرح والدین کی جدائی کی وجہ سے بچے اکثر ذہنی و اعصابی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں ۔[1]

مسیحی خاندان اقدار و کردار

مسیحی خاندان کاتصور ذہن میں آتے ہی محبت، معافی، عدل وانصاف اور امن جیسی خصوصیات کی طرف دھیان چلاجاتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اقدار ہیں جو مسیحی خاندان کاخاصہ ہونا چاہئیے اور کلیسا بھی زمینی سفر میں اسی زاد راہ کے ساتھ لمبی مسافت طے کرتی ہے مسیحی خاندان کانمونہ مقدسہ مریم کے قبول سلام و پیغام باری تعالی کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے جب اُس کا صحن سے چوکھٹ تک اور چال چلن سے مزاج تک کا تمام ماحول بدل گیا۔ کیوں کہ جس الٰہی کرشمہ کا ظہورہوچکاتھا اورجوکلمہ مریم کے رحم میں آچکا تھا۔ اس نے مقدس مریم کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اور خداوند یسوع کی پیدائش کے بعد کا جو ماحول بنا اس میں امن و انصاف، محبت و خلوص اور دیانت داری کی ترجیحات تھیں حضرت یوسف نے گھر کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے فرائض نبھائے اور یسوع کو مکمل انسان بننے میں راہنمائی دی اُس کی فطری قوتوں اور صلاحیتوں کو بڑھنے پھلنے پھولنے میں مدد دی۔

بحیثیت ماں مقدس مریم نے بے نظیر مثال پیش کی۔ اور عظمت کا لوہا منوا کر زمانے کی فرسودہ روایتوں کو خاک میں ملا دیا حتی کہ وہ بچہ عقل ودانائی میں بڑھا چلا گیا اور اپنے جلال تک پہنچا۔ اس مختصرسےخاندان کا سر براہ (حضرت یوسف) ماں (مقدسہ مریم)بیٹا(یسوع)کاکردار مکمل و خالص مسیح خداوند کی قدروں سے متعلق تھا۔ وہ اپنے وقت کی ڈگر سے ہٹ کر تھا۔ جب خداوند یسوع نے اعلانیہ زندگی کا آغاز کیا تو فقیہ فریسی حیران ہوکر کہنے لگے :اورکیا یہ یوسف کا بیٹا نہیں؟ یہ الفاظ اپنے اندر اس سیاق وسباق کو سمیٹے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یسوع کا گھرانہ اعلی پایہ تہذیب کانمونہ تھا اوران سےمختلف تھا۔ جہاں پر خلوص ومحبت ایمان داری ، اور حق گوئی ، حلیمی اورفروتنی کےبنیادی اصول تھے ۔ اور اپنے ارد گرد کے ماحول کو متاثر کئے بغیر نہ رہے ۔

اور شیروں کے دانتوں تلے پیس کر لیو کی حقیقی رو (مقدس اگنیش) مر زمان کاکوئی فرعون بھی انہیں فرون بھی انہیں مقصد حقیقی سے متزلزل نہ کر سکا تہ خانوں کی قید و بند کی صورتیں اور کڑی سے کڑی سزائیں جسموں میں شراکت کے جذبے کو مزہ پھوس اور گرم جوش بنائیں انہیں ریاست کے قانون سے کیا خطرہ کیوں کہ ان کا قانون تو بس محبت تھا کلیسا معاشرے کے رد کئے ہوئے ۔ پسیے اور پچھلے غریب لوگوں کو گھے سے لگائی اور زندگی کے کلام سے روحوں کو تاثیر پہنچاتی رہی جس کے عوض اسے ہمیشہ بھاری ہرجانہ اور اگر نا پڑا۔ کیوں کہ انجیلی اقدار کو اپناتے ہوئے ہی ایک پاکیزہ ، انصاف پرور اور انسان پر ور معاشرے کی توقع تھی۔

([1]) فادر پطرس،کراچی،2120

خداوند یسوع کی موت کے بعد کلیسا پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مسیحی ہر بادشاہ کے ظلم وستم کے شکنجے میں کھینچتے رہےاور شیروں کے دانتوں تلے پس کر یسوع کی حقیقی روٹی بنتے رہے۔(مقدس اگینش) مگر زمانے کا کوئی فرعون بھی انہیں مقصد حقیقی سے متزلزل نہیں کرسکا۔تہہ خانوں کی قید وبند کی صعوبتیں اور کڑی سے کڑی سزائیں جسموں میں شراکت کے جذبے کو مزید ٹھوس اور گرم جوش بنائیں ۔انہیں ریاست کے قانون سے کیا خطرہ کیونکہ ان کا قانون تو بس محبت تھا۔کلیسیا معاشرے کے رد کیے ہوئے،پسے اور کچلے غریبوں کو گلے سے لگاتی اور زندگی کے کلام سے روحوں کو تاثیر پہنچاتی رہی۔جس کے عوض اسے ہمیشہ بھاری ہرجانہ ادا کرنا پڑا۔کیونکہ انجیلی اقردار کو اپناتے ہوئے ہی ایک پاکیزہ،انصاف پروراور انسان پرور معاشرے کی توقع تھی جہاں حقوق انسانی بحال ہوں۔اور ہر عام و کاص کو بلارنگ ونسل وشہرت اور بلا امتیاز،مساوات کے ترازو میں پر کھا جاتا۔ خدا وند یسوع کی مبارک بادیوں سے لے کر قیامت تک تمام تعلیمات ایسے سماج کی متقاضی ہیں چونکہ کلیسیا، خدا کی بادشاہت کی تکمیل کے لئے دنیا میں مسافر ہے اس لئے اسے بنگلوں محلوں کی ضرورت نہیں ہےاُسے یسوع کی مانند انسانوں کے ہجوم میں رہنا ہے ۔لیکن افسوس کہ کلیسا کی تنظیم اور نظم و ضبط اور ڈھانچہ نے ردی حکومت کے اطوار اپنائےاپنے اندر وہی ڈھنگ ڈھونگ اور شان و شوکت جذب کی ۔ نظریاتی طور پر کلیسیا زمین پر خدا کی بادشاہت کی متمنی ہے وہ معاشرہ میں امن و انصاف محبت و صلح دیانتداری،احترام اور پڑوسی کے حقوق پر زور دیتی ہے ۔ لیکن زیادہ تر مسیح کی بادشاہت کے تصور کو علامتی بناکر تخیلاتی چکر دیا جاتا ہے ۔

> مفادات کا ٹکراؤ ہو توحالات ناساز گار ہوتے ہیں اور اس میں حسد،خود فرضی اور رشوت جیسی لعنتیں شامل ہو جائیں تو پھر اپورا معاشرہ غیرانسانی رویوں کا شکار ہوجاتا ہے پھر ہم اس یسوع کی نفی کرتے ہیں جو کہتا ہے انسان صرف روٹی ہی سے نہیں بلکہ خدا کے ہر اس کلمے سے جو اس کے منہ سے نکلتا ہے ان جنگلی سوستوں کو دیکھو جو نہ بوتی اورنہ کاشتی ہیں مگر پھر بھی زندہ رہتی ہیں ۔ آج دنیا حالات کے جس دوراہے پر کھڑی ہے۔وہاں پر کلیسیاء کے ایک بڑے اہم اور مثالی کردار کی ضرورت ہے ایٹمی دوڑ دھوپ کے سیل رواں میں ہم یسوع ناصری کی سوچ اور اس کی شخصیت کو دوسرں پر کس طرح آشکار کرسکتے ہیں یہ عہد حاضر کےنازک ترین مرحلے میں ہمارے لیے سوالیہ نشان ہے۔آج مسیحی خاندان برائیوں اور لعنتوں کا شکار اوکت پت نظر آتا ہے ۔[1]

میرے خیال میں خاندان کا عالمی سال ہمیں یہ بھی سکھانا چاہتا ہے کہ خدا کی تمام نعمتوں کا صبر و شکر کریں اور فکر اس بات کی کریں کہ آئندہ زندگی میں ہماری خدا اور ہمسائے سے دوری نہ ہو جائے ۔ آئیں یہ ذہن نشین کرلیں کہ خاندان ہی ایک ایسی اکائی ہے جو معاشرہ میں نمایاں تبدیلی کی بنیاد بن سکتی ہے ۔ کیونکہ انسان کی ابتدائی تربیت کا ذمہ دار خاندان ہی ہے جہاں بیچ ، انصاف ، محبت ، بھی زیادہ اجاگر کرے گا۔مختصراً خاندان ہی ایک ایسا واحد مقام ہے جہاں خود انکاری ، خود ضبطی ، ہمدردی اور باہمی محبت کے بے نظیر نمونے ملتے ہیں ۔

([1]) گنتی:۱:۶۶

خاندان کی مثال ایک خوبصورت گلدستہ کی دی جا سکتی ہے مختلف رنگ برنگے پھولوں کا اکٹھا ہونا آنکھوں کو ،کتنا بھلا اور اچھا لگتا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ آزادی اور صبح کے بیج بوئے جاتے ہیں ۔[1] جب کہ عورتوں کو پھر ار بھی کام کرنا پڑتا ہے جو دو میں باہر کام پر نہیں جائیں اگر ان کے مرد سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہاری بیوی کیا کام کرتی ہے تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ کوئی کام نہیں کرتی ۔ یعنی گھر کے کام کھانا پکنا کپڑے دھونا ، بچوں کی دیکھ بھال کرنا یہ سب کچھ کام تصور نہیں کیا جاتا ۔ مقامی سطح پر اہم فیصلوں کے لئے جو پنچایت اکٹھی ہوتی ہے اس میں صف مورد نظر آتے ہیں ۔ عورتوں کا مردوں کی باتوں میں آنا مناسب کام کرنے کے رد کرتے ہیں ایسے و ہ ہم کو محمدی اور نفاست سے کرا جاتے ہیں اپنے کام میں کسی قسم کی کمی کو پسند نہں کرتے جو ہم ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسے ایمانداری اور محنت سے انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں اگر ہم میں کوئی کی ارم ، جائے تو وہ فکر مند ہوجاتے ہیں ۔

دوسرا نمبراس قسم کے لوگ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو جاری کیے ہیں اور وی توں وہ دوسروں کی مدد کرنا فخر سمجھتے ہیں ۔ جو لوگ ان کے نزدیک اسپیشل ہوتے ہیں ۔ ان کے لئے " انکار " ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے ۔ وہ اپنی مدد کے لئے نہیں سمجھا جاتا ۔شخصیات کا مختلف ہونا افغانستان کے ایک صوفی نے ماہرین دوسروں کے طلب گار نہیں ہوتے۔نفسیات کو ایک سبق دیا ۔ جس کے بعد ماہرین نفسیات نے دنیا کو ایک اور سبق دیا ۔ جس کا نام اپنا گرام (ENNEA.GRAM) ہے ۔ اس کے ذریعے تیسرا نمبر یہ لوگ ناکامی سے گریز کرتے ہیں ۔ ان کی زندگی کا اولین مقصد کامیابی ہے ۔ وہ اپنی شاخت کامیابیوں کی وجہ سے کروانا چاہتے ہیں ۔ لہذا ناکامی کوسے انسان کو اپنی شخصیت پہچانے میں کافی مدد ملتی ہے ۔ اینا گرام کے مطابق دنیا میں 9 مختلف شخصیات پائی جاتی ہیں ۔

> پہلا نمبراس نمبر کے اشخاص نداضگی سے کنارہ کشی کرتے ہیں ۔ اگرچہ انسان ہونے کے ناطے سے نداضگی اور دکھ محسوس کرتے ہیں تاہم دوسروں پراپنی زندگی میں لانے سے پر ہیز کرتے ہیں ۔چوتھا نمبرایسے لوگ اپنے آپ کو ہر کام میں منوانا چاہتے ہیں ۔ ایسے لوگ تصور کرتے ہیں کہ ان میں پاکیزگی پائی جاتی ہے ۔ وہ اپنے آپ کو بالاتر تصور خاندانی زندگی اور مشکلات مشکلات انسانی زندگی کا حصہ ہیں ۔ یہ یا ممکن ہے کہ کوئی خاندان مشکلات میں سے نہ دوسرے لفظوں میں جس خاندان میں گورے مسائل نہیں اس خاندان میں کوئی کمی ہوتی ہے۔[2]

جب خاندان مختلف مسائل کا شکار ہوتا ہے تو گھر کے افراد ان مسائل کو دور کرنے کے لئے تگ و دو کرتے ہیں ۔ مسائل کے حل کے لئے مشترکہ کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے درمیان ہم آہنگی اور میل ملاپ بڑھتا ہے ۔ اور وہ ایک دوسرے کی قربت میں آنا شروع ہو جاتے ہیں ۔ میرے نزدیک چند مشکلات ایسی ہیں جن کی وجہ سے خاندانوں کا امن اور سکون برباد ہو جاتا ہے ۔ یہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

([1]) برادر سلیم امیر او۔ایف۔ایم،لاہور، ص ۱۷

([2]) خروج: ۲۹:۲

میاں اور بیوی کے درمیان فاصلے بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ مشترکہ خاندان میں بچے شادی کے بعد بھی اپنے فیصلوں میں والدین پر انحصار کرتے ہیں ۔ وہ بالغ ہو کر بھی خود فیصلے نہیں کر سکتے ۔ اگر وہ فیصلہ کرنے کی کوشش کریں تو والدین اپنا فیصلہ ان پر لاگو کرنے کی سعی کرتے ہیں ۔ پاسبانی خدمات کے دوران میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اگر میں کسی شخص سے کسی اہم بات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں تو پہلے وہ اپنے والدین کی رائے ضرور لیتا ہے۔ہمارے ملک میں لڑکا اپنی پسند کی شادی نہیں کر سکتا ۔ اپنے بیٹے کے لئے والدین خود لڑکی تلاش کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اپنی بہو سے بہت سی توقعات کرتے ہیں ۔ خاوند بھی چاہتا ہے کہ اس بیوی ہر کام میں اس کی فرمانبرداری کرے اور جو اسے ۔ ۔ ہر وہ فیصلہ کرے اسے ہر حال میں تسلیم کرے ۔

ہر شخص کی عادات مختلف ہوتی ہیں جب لڑکی اپنی ساس ، سر اور خاوند کے معیار پر پورا نہیں اترتی تو اس کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے ۔ ایسے مواقعوں پر شوہر جیون ساتھی کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے والدین کا ساتھ دیتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے بیویاں زندگی سے مایوس ہونا شروع ہو جاتی ہیں ۔ ساس ، ۔ شروع ہوجاتی ہیں ۔ ساس ،ہمارے ملک میں مشترکہ خاندان کا رواج کی ہے ۔ اس قسم کے خاندان میں دادا، دادی ، والدین بھی اور ان کے بچے اکٹھے ایک چھت کے نیچے زندگی بر کرتے ہیں ۔مشترکہ خاندان کی وجہ سے ایک شادی شدہ شخص کی سوچیں بٹ جاتی ہیں ۔ میاں بیوی دونوں ایک تن اپنے ہونے میں مشکلات سے گذرتے ہیں ۔ جتنا وقت ایک شوہر کو اپنی بیوی کو دینا چاہیئے وہ نہیں دیتا۔[1]

تعدد ازدواج :

اولاد کی کثرت اور بہت بچوں کی خواہش،بڑھاپے میں تحفظ ، قبائلی حلقوں میں بدلہ کے قوانین اور مردانگی جیسے چند عناصر نے ایک سے زیادہ بیویوں کی رسم اور رواج کو جنم دیا۔ جدعون کے ستر بیٹے تھے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس کی بہت سی بیو یاں تھیں۔[2]لیکن یہودا کے لیے ایک بیوی ایک شوہر مثالی ہے ۔[3]لیکن جنگل کے باسی جنگلی اور شکاری لایک نے دو بیویاں علاوہ اور صلہ بیاہ لیں۔[4] پھر بھی بائبل مقدس کے عہد عتیق کے اوائل حصوں میں دو بیویوں کی مثالیں بہت ہی عام ہیں کبھی دوسری محبوبہ بیوی ہوتی اور کبھی بیویوں کی خادمائیں جیسے یعقوب کی راحیل محبوبہ اورلیا غیر محبوبہ بیوی تھی اور

([1]) ایضا

([2]) رقضات ۸ : ۱۲۰۳۰ : ۸

([3]) تکوین ۱۲ ۲۰۱۰

([4]) تکوین ۴ : ۱۹

ان دونوں کی خادمائیں بالترتیب بلہہ اور زلفہ بھی اس کی بیویاں بنیں ۔(تکوین ۲۹ ۱۳۰۰ ابواب) لیکن ان تمام کا مقصد اولاد کی پیدائش اور افزائش نسل تھا۔ اور اسی مقصد کے لیے ابراہیم کے لئے سارہ کے بجائے ہاجرہ سے پہلا بیٹا پیدا ہوا(تکوین ۲۱۱۲)

اور یعقوب کے لیے راحیل کی بجائے بلہہ سے(تکوین ۵:۳۰۔۱)اور اس رسم کے متعلق قوانین بھی بنائے گئے(خروج:۷:۲۱۔۱۱) ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی رسم کو بادشاہوں نے اور بھی فروغ دیا۔ان کے وسائل لاانتہا اور اختیار بےحد تھا۔اس لیے تمام حدود پار کرگئےاور کئی مترف وجوہات کی بنا پر بہت سی بیویاں رکھنے لگے چندایک انہیں بہادری کے کارناموں پر تحفہ اور انعام کے طور پر ملیں اور چند ایک پر فریفتہ ہوکر انہیں زبردستی لے لیا۔جیسے داؤد نے اوری یاہ کی بیوی بتشابع کو لے لیا (۲سموئیل۱۱)اور خاوند کو مراڈالا۔چند ایک کوانہوں نے فتح کےبعد مال غنیمت سمجھ کر رکھ لیا۔یاچند ایک کوسیاسی وجوہات کی بناپر محل میں داخل کیا(ملوک ا:۳سلیمان)لیکن ان تمام امور میں انہوں نے اپنے اختیاراور قوت کاغلط استعمال کیا۔اپنی ذمہ داری اور خداسے باندھے ہوئے عہد کی بے وفائی کی۔اور خداوند کوناراض کیا۔(ا۔ملوک ا:۱۱۔۱۳)

آہستہ آہستہ ملوں میں زنانہ داستائیں رکھنے کا رواج اس قدر زور پکڑ گیا کہ یہ ایک سیاسی ضرورت بن گئی اور شاہانہ دستور سمجھا جانے لگا۔ لیکن یہ ہر صورت میں بادشاہوں کی سیاسی مضبوطی اور پائیداری کے بجائے بیشہ دینی ، اخلاقی اور سیاسی پستی اور زوال کا سبب بنا۔

یک زنی ایک زوجگی:

بائبل مقدس میں ایک بیوی ایک شوہر یعنی یک زوجگی کی بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں میاں بیوی میں گہری محبت اور ایک دوسرے سے وفاداری کی قدر کو فوقیت حاصل ہے ۔ اسحاق اپنی بیوی رفقہ پر جان فدا کرتا تھا بے شک وہ بانجھ تھی اور اسحاق اس کے لیے دعا کرتا تھا۔[1] یوسف نے مصرمیں شاہی عہدے پر سرفراز ہونے کے با و جود تعددازواج کو نہ اپنایا۔ یہودیت نے بیوگی کی صورت میں بھی نکاح ثانی اختیار نہ کیا۔[2]

یہودی خاندانی نظام کے مطابق ایک مرد اپنی بیوی کو کسی بھی وقت چھوٹی سی لغزش کی صورت میں طلاق دےکر کسی دوسری عورت سے شادی کرسکتاہے جبکہ عیسائیت میں دوسری شادی کی اجازت ہر گزنہیں۔عیسائی عقیدے کےمطابق ایک سے زیادہ شادیاں جائز نہیں ۔یعنی ایک مردایک ہی بیوی سے جائز نکاح اور ایک عورت ایک ہی خاوند کی جائز بیوی بن سکتی ہے۔

"لیکن حرام کاری کےاندیشہ سے ہر مرداپنی بیوی اورہر عورت اپنا شوہر رکھے۔"[3]

([1]) تکوین ۲۵ : ۱۹-۳۶

([2]) یہودیت ۲:۸۔۸

([3]) کرنتھیوں2:7

مسیحی ازدواجی رشتہ اتنا پائیدارہے کہ جو زندگی بھر نہیں ٹوٹ سکتااور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد خدا نےخود ڈالی ہے ۔اس نےفرمایاکہ مرد اپنےماں باپ کوچھوڑےگااوراپنی بیوی سے ملارہےگااوردونوں ایک تن ہوں گے ،اس لیے مسیحی عقیدے کے مطابق شادی شدہ جوڑاایک دوسرے سےعلیحدہ ہوکرکہیں دوسری جگہ شادی نہیں کرسکتے اوراگرکسی وجہ سے علیحدگی ہوبھی جائے توبھی میاں بیوی ہی رہیں گےاگرچہ ملاپ نہ کریں۔

"مگرجن کابیاہ ہوگیاہےان کو میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتاہے کہ بیوی اپنے شوہرسے جدانہ ہونہ شوہر بیوی کو چھوڑے۔"[1]

مسیحیت میں یہ عقیدہ حضرت آدم وحواسلام اللہ علیہما کےنکاح سے مستعارلیاگیاہے کہ اگرخداوند چاہتاتو یقینا حضرت آدم کےلیے زیادہ بیویاں تخلیق کرسکتاتھالیکن خدانے ایسا نہیں کیا۔حضرت آدم علیہ السلام کےلیے صرف ایک بیوی کی پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ خاندان کی تشکیل کے بارے خدا کی مصلحت یہ ہے کہ ایک خاوند صرف ایک بیوی رکھے۔یہی وجہ ہے مسیحیت میں طلاق کا تصور نہیں پایاجاتاجبکہ اس کے مقابلےمیں یہودی مذہبی ادب میں طلاق کا تصور موجود ہے۔

انسانی تحفظ اور نشو و نما کا عمل:

تمام تہذیبوں، تمدنوں اور ثقافتوں میں خاندان اور شادی ایک ایسا عمل ہے جس میں دو فریقین میاں بیوی ہونے کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ انہیں دعوت دی جاتی اور حوصلہ افزائی کرنے سے ایسی قوت دی جاتی ہے کئی دفعہ مجبور کیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اور ازدواجی زندگی میں شوہر اور بیوی اور پھر والدین یعنی ماں باپ ہونے کی ذمہ داری اور فرائض پورے کریں اور اولاد کی بہتر تربیت کے لئے وسائل اور ماحول فراہم کریں۔ پس شادی ایک ایسا خاندانی ماحول اورگھرانہ قائم کرنے کا ساکرامنٹ ہے جہاں پہلے میاں بیوی آپس میں محبت و عقیدت ، عزت و احترام،وفاداری اور تابعداری کا تجربہ کرتے ہیں ۔ بعد ازاں والدین کی حیثیت سے اولاد کے لئے خوشی د مسرت اور ایمان واخلاق کی فضا پیدا کرتے ہیں جس میں وہ ہر طرح سے محفوظ ہو کر نشوونما پاسکیں نیز حکمت اور قدروقامت اور خدا اور آدمیوں کی مقبولیت میں ترقی کر سکیں۔[2]

ازواجی زندگی ایک ساکرامنٹ اور نجات بخش وسیلہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سماجی تنظیم اور ضابطہ بھی ہے۔اس لیے اسے ثقافتی،تاریخی سیاق وسباق ،معاشرتی اقداروقوانین اور سماجی ضوابط کی روشنی میں سمجھنا بھی ضروری ہے۔یعنی شادی کو بطور ساکرامنٹ سمجھنے کےلئے کئی دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے۔آخر ساکرامنٹ مومنین کی روزمرہ زندگی میں ہی فضل وایمان کاظہار ہے۔خاندان سب سے قدیم بنیادی اور اہم ترین معاشرتی بندھن اور تنظیم ہے جس میں انسانی ثقافت نہ صرف محفوظ رہتی بلکہ بنیادی اقدار نشو نما پاتیں اور نسل درنسل

([1]) ایضا7:11،10

([2]) لوقا ۲ : ۱۵۲

وراثت میں ماضی سے مستقبل کاسفر کرتی رہتی ہیں۔ خاندان میں انسان کو بیرونی و اندرونی تحفظات حاصل ہوتے اور زندگی بسر کرنے کے تمام مواقع،وسائل اور ذرائع فراہم کیے جاتے ہیں۔انسان کی تمام تر تاریخ میں شادی کا وجود بنیادی قدر اور ترجیح ہے جس سے دوسرے سماجی،ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی ڈھانچے اور نظام متاثر ہوتے اور اثر انداز ہوتے ہیں۔

فریقین کا انتخاب:

شادی اور ازدواجی زندگی پر سماج و ثقافت کے دباؤ کی ایک مثال شادی کے لیے فریقین کے چناؤ میں ظاہر اور واضح ہے۔مشرقی بائبل کی دنیا کی رسومات میں قدیم سے یہ رواج تھا کہ والدین شادی کا انتظام کرتے تھے بچوں سے پوچھ گچھ تو کیا انہیں کانوں کان خبر تک نہ ہوتی تھی ان پر والدین کی تابعداری فرض تھی۔ وہ شادی سے پہلے نابالغ غیر ذمہ دار اور بے اختیار تصور کئے جاتے تھے۔

> ازدواجی زندگی کے لئے دوسرے فریق کا چناؤ والدین کی ذمہ داری ، حق اور عزت سمجھی جاتی تھی۔ مثلا نجات کی تاریخ کے آغاز میں ہی اسحاق کی بیوی رفقہ کا فیصلہ عمر رسیدہ باپ ابراہیم نے اپنے گھر کے پیر سالہ نوکر کے ذریعہ کیا جو سب چیزوں کا مختار تھا۔[1] چند ایک شادیاں نسل کو قائم اور برقرار اور خالص رکھنے کی غرض سے لازمی قرار دی جاتی تھیں۔[2] مثلاً عورت کے بانجھ اور بے اولاد یا بیوہ ہونے کی صورت میں قریبی رشتہ دار ولایت کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنی بیوی بنانا۔ (شرع:۲۵۔۵۱۰)

چد شادیاں ممنوع تھیں اور ان کو رشتہ ازدواج اور نکاح کے دائرہ سے باہر اور خارج سمجھا جاتا تھا۔مثلا رشتہ داروں میں ماں بہن ،پوتی،نواسی، پھوپھی، ماسی، چچی، بہو،اور بھاوج سے شادی ممنوع تھی۔(احبار۶:۱۔۱۹)

پھر غیر وطن،غیر قوم اور اجنبیوں یعنی غیر ایمان اور غیر یہودیوں سے شادیاں ممنوع تھیں۔(تکوین۳:۲۴)

ان تمام ثقافتی ،خاندانی،سماجی بندونوں اور قوانین وضوابط کے باوجود ہمیشہ مضبوط اور حاوی رہا ہے۔ کبھی کبھار مجبوری کی شادی کے باوجود بھی میاں بیوی بہت ہی خوش رہے۔جیسے اسحاقا اور رفقہ کیپہلی ملاقات پر جب وہ اسحاق کے گھر کی طرف لے جائی جارہی تھی (تکوین۲۴:۶۱۔۶۷)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ باءبل میں اپنے چناؤاور دل کو بھا جانے الی شادیوں کا ذکر بھی ہے یعقوب کا راحیل کو کنویں پر دیکھتے ہوئے اس پر فریفتہ ہوجانا اور اسے اپنا بنانے کے لیے چودہ سال اپنے ماموں سسر لابن کی بھیڑیں چرانا(تکوین ۲۹:۱۔۳۰)

([1]) تکوین ۲۴ ۱۰-۹

([2]) ایضا

ایسی مثالیں بھی بہت سی ملتی ہیں جن میں فریقین نے اپنی رضامندی سے ،والدین اور رشتےداروں کی خواہش کے خلاف بیاہ رچایا۔سمیں عینسو کا چالیس سال کی عمر میں یہودیت اور بسمت سے نکاح کرنا شامل ہے۔جو اسحاق اور رفقہ کے لیے جان کی تلخی کا باعث بنا۔(تکوین۲۶:۳۴)

ایک اور مثال قاضی شمشون کی ہے جس نے والدین کی رضا کے خلاف نامختون فلسطینیوں میں سے بیوی لی بعد ازاں دلیلہ سے اس کا عشق بھی قابل ذکر ہے۔جو غیر قوم سے تھی۔(قضات:۱۶)

دوفریقین کا گہرا رشتہ اور باطنی عشق جو ثقافتی اور سماجی دباؤ کا شکار ہو چکا ہو اس کی بھر پور عکاسی نشید الانانشید میں چرواہے اور چرواہن کی عشقیہ ، صوفیانہ اور کنایتا گفتگو میں کی گئی ہے۔اگر چہ یہ مقدس خدا اور امت کےمابین عشق کی کنایتا داستان اور حقیقت ہے پھر بھی اس کتاب کا مصنف عشق و محبت سے متعلق مروجہ رویہ جات اور رجحانات کی بھرپور منظر کشی کرتاہے۔

نکاح نا ممکن الفریق (عہد جدید):

نکاح کےساکرامنٹ اور مسیحی عقد کی اخلاقیات کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ، سمجھنا اور قبول کرنا نہایت اہم اور لازمی ہے کہ نکاح میں میاں بیوی دائماً ایک دوسرے سے وفا اور محبت میں ثابت قدم رہنے کا خدا اور مومنین کلیسا کے سامنے حلف اٹھاتے ہیں۔ مسیحی نکاح و شادی ایک ساکرامنٹ ہے جو مسیح اور کلیسیا کے عہد کا صرف ظاہری دخارجی نشان اور علامت ہی نہیں بلکہ یہ میاں بیوی کی گہری باوفا اور حقیقی وابدی شراکت بھی ہے جس میں ایمان اورروح القدس کی بخششوں کے ذریعے میاں بیوی ایک دوسرے کے لئےفضل سے معمور کامل خود سپردگی کا عہد کرتے ہیں ۔سواب وہ دو نہیں بلکہ ایک تن ہیں۔ پس جسے خدا نے جوڑا ہے اسے انسان جدا نہ کرے۔[1] یہ ایک بڑا بھید ہے یعنی مسیح اور کلیسیا کی نسبت ۔بہر حال تم میں سے بھی ہر ایک اپنی بیوی کو اپنی مانند پیار کرے۔[2]

ازدواجی زندگی میں وفاداری اور ثابت قدمی پر انبیاء نے بہت زور دیا۔ اور ہر طرح سے بیگانے یا تیسرے فریق کی شمولیت پر لعن طعن کیا لیکن دورانبیاء میں جس عقد روحانی کا ذکر زیادہ کیا گیا ہے وہ امت اور خداکے مابین عہد کے طور پر ہے ۔ اس کو سمجھنے کے لیے عبرانی لفظ بعل کے تین معانی سمجھنا ضروری ہیں : (1) خداوند(۲) آقا یا مالک (۳) بت پرست قوموں کا دیوتا۔ انبیاء نے بنی اسرائیل کی بت پرستی کو زنا کاری اس لیے کہا کہ دوسرے بعل (دیوتا) کے سامنے سرجھکانا ایسےہی ہے جیسے ایک عورت اپنے خاوند (بعل)کوچھوڑ کر کسی دوسرے کےآگے سر جھکائے۔انبیاء کا مقصدائمی اور غیر منقسم محبت اور وفاداری کی تعلیم واضح کرناتھا۔انبیاء میں ارمیاہ نےاس موضع پر جذباتی اور ہوشیع

([1]) متی۱۹:۶

([2]) انسیوں ۵:۳۲-۳۳

نے علامتی رنگ میں بہت تعلیم دی۔انہیں سمجھنے کے لیے تمام تر صحیفہ پڑھنا ضروری ہے۔ملاکی نبی خلاصہ کے طور پر یوں فرماتا ہے . خداوند تیرےاور تیری جوانی کے درمیان گواہ ہے تو نے اس سے بے وفائی کی ہے حالانکہ وہ تیری رفیقہ اور منکوحہ بیوی تھی۔کیااسنے ایک ہی نہیں بنایا حالانکہ اس کے پاس اور بھی دم موجود تھا۔ تو پھرایک کیوں ہے؟اس مقصدسے کہ خداترس نسل پیدا ہو۔ پس تم اپنے نفس سے خبردار رہو اور کوئی اپنی جوانی کی بیوی سے بے وفائی نہ کرے (ملا کی ۳ : ۱۴ - ۱۵)

بیوی یا خاوند سے بے وفائی کرنے کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں اولاد کی خواہش جنس کا اہل ، نفس کی شدت، خود سپردگی کی قدر میں کمزوری ، بانجھ رہنے کا خوف یہ وہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر وفا داری میں کمزوری آتی ہے ۔ اور یوں تعدد زوجین یا تعدد ازدواج کا رواج پڑا اور شریعت نے طلاق کو متعارف کرا کے بات اور بھی آسان اور سادہ کردی۔ بے شک بابل کی جلا وطنی اور اسیری کے بعد دور بحالی کے انبیاء ، دانشوروں اور مفکرین نے جوانی کی بیوی سے وفاداری کا نغمہ الا پا اور ازدواجی زندگی میں ثابت قدمی اور وفاداری کے قصیدے پڑھے اور شادی کو ایک بندھن ظاہر کرنے کے لئے عبرانی کا وہی لفظ استعمال کیا جو خدا نے اپنی امت کے ساتھ عہد باندھتے وقت عہد "(بے ریط) استعمال کیا تھا۔

بے وفائی اور زنا:

ازدواجی زندگی میں وفاداری کی روایت جتنی قدیم ہے اتنی ہی اس سے بے وفائی کرنے کے جرم کی سزا۔ ماتار نے جب اپنے خسر یہودہ سے زنا کیا تو اس کی سزا اسے جلایا جانا مقرر ہوئی ۔[1]

بعد ازاں اس سزائے بے وفائی کوشریعت کا قانون اور ضابطہ بنا دیا گیا۔[2]

انبیاء نے ازدواجی زندگی میں بے وفائی یعنی زنا کو مسلسل تنقید کا موضوع بنایا۔ اس وقت بھی جب کہ شریک کار فاعل داود جیسا عظیم بادشاہ تھا۔ناتان نبی نے اس کی سرزنش کی۔(سیموئیل ۱۲:۲۱) ہیر ودیس جیسا جابراورظالم حاکم یوحنا نبی سے بچ نہ سکا۔(مرقس۱۴:۶-۱۹) - دانشوروں اور مفکرین نے بھی نوجوانوں کو بہکائے اور گمراہ کئے جانے کے ڈر سے ورغلانے والی گمراہ عورتوں سے محتاط رہنے کے لیے باخبر کیا۔[3] تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ ازدواجی وفاداری پر دھیان دیں اور عہد میں ثابت اور مستقل مزاج رہیں اور ادھر ادھر شہوت پرستی میں دھیان نہ لگائیں۔یسوع کے نزدیک تو وفاداری اس قدر اہم ہے کہ اس کے حصول کے لیے نیت اور خیالات کی تہہ تک چلا جاتا ہے۔ تم سن چکے ہوکہ کہاگیا تھا۔ توز نا مت کر۔ لیکن میں تم سے

([1]) تکوین ۳۸ : ۲۲۴

([2])احبار۱۰:۲۰

([3]) را شال ۲۰۱:۵ اہ میران ۲۱ : ۹-۲۴

کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل ہی میں اس کے ساتھ ز ناکر چکا"[1] سواب وہ دو نہیں بلکہ ایک تن ہیں۔ پس جسے خدا نے جوڑا ہے اسے انسان جدا نہ کرے۔(متی۱۹:۶)

مسیحی نکاح کا طریقہ کار اور تصور اکثر یہودی تصور سے ملتاجلتاہے،تاہم بعض معاملات میں عیسائی نکاح کی صورتیں مختلف نظر آتی ہیں۔

غیر مسیحی سے شادی کی ممانعت:

یہودیت کی طرح مسیحیت میں بھی غیر مذہب سے شادی جائز نہیں ہے۔ایک عیسائی مرد اور عورت کسی غیر مسیح سے شادی نہیں کرسکتے۔ اوراس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ ایک تواپنےخداؤں جوکہ دیوتابھی ہوسکتےہیں ان کی طرف مائل ہونےکا اندیشہ ہے یعنی اس کی وجہ بڑی عقیدہ کا متاثر قراردیاگیاہے۔دوسرا یہ کہ اچھے اور نیک لوگوں کے لیے بے ایمان زوجین کےساتھ منسلک ہوجانا مناسب نہیں،یعنی نیکوں کے لیے نیک اور بدوں کے بد ہوناچاہیے اس لیے عیسائی کی غیر عیسائی سے شادی ممنوع ہے۔

اگرچہ مختلف تہذیبوں کےاختلاط کی وجہ سے عیسائی تصورنکاح میں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں نیز کثرت ازدواج کی بھی کئی صورتیں نکل آئی ہیں اور اکثر ممالک میں ایسے قوانین بن چکےہیں جس کی وجہ سے عیسائی عقیدہ کے حامل لوگوں میں بھی وہ قوانین دیکھنےمیں آتےہیں جوکہ بائبل کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہیں اور اس کو خود عیسائی بھی مانتےہیں۔

بائبل کی تعلیمات اور موجودہ حالات کومدنظررکھتےہوئے یہ کہنا مشکل نہیں کہ باقی اقوام کی طرح مسیحی خاندانی نظام بھی مختلف تہذیبوں سے اثر اندازہوتاصراحتانظرآتاہے۔اوراس کی وجہ یہی ہے کہ عیسائی لوگ بائبل کی تعلیمات سے منحرف نظر آتے ہیں۔

کسی بھی خاندان کی افزائش میں عورت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔تاہم عہد قدیم کی طرح عہدجدید میں بھی عورت کوقدرکی نگاہ سے نہیں دیکھاجاتابلکہ بہت ہی پست مقام کی حامل گرداناجاتاہے۔ان کے نزدیک عورت ہی کے ذریعے گناہ دنیا میں ظہور پذیرہوا۔عہد قدیم اورجدید میں خاندانی نظام میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت میں بھی عورت کوکوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔عورت کومرد کی لونڈی تصور کیاجاتاہے۔عہدنامہ قدیم اور جدیددونوں میں دیگر معاملات کی طرح نکاح اورطلاق کےمعاملات میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے۔دونوں مذاہب کےمطابق مرد کی جب مرضی ہو وہ چھوٹی سی لغزش پر بھی طلاق دینے کا حق رکھتاہےجبکہ عورت کوخودسےطلاق لینے کاحق نہیں ہے ۔بلکہ عہد نامہ میں تو یہاں تک موجود ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سےطلاق لے کرکسی اور آدمی سے نکاح کرتی ہے تو درحقیقت وہ زنا کی مرتکب گردانی جاتی ہے۔لکھا ہے کہ:

"جوکوئی اپنی بیوی کوطلاق دےدے پھرکسی دوسری سےنکاح کرلےوہ اس پہلی کے برخلاف زناکرتا ہے۔ اوراگرعورت اپنے

([1]) متی ۵ : ۲۲ – ۲۸

شوہر کو چھوڑدےاور کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے تو وہ زنا کارتکاب کرتی ہے۔[1]

نکاح انتظام خدا (عہد عتیق)متقدس اور بابرکت عمل:

عقد نکاح اور خاندانی اور ازدواجی زندگی ایک اتنی ہی قدیم ، فطرتی، انسانی، معاشرتی اور دینی حقیقت جتنا انسان خود اور اس کی تخلیق و پیدائش ۔ لہذا ایسے موضوع اور عنوان کا بائبل مقدس کی روشنی میں ذکر چھیڑتے وقت انسان کی پیدائش سے متعلق یہ حوالہ دینا لازمی امر ہے کہ خدا وند خدا نے کہا انسان کا اکیلا رہنا اچھا نہیں ہم اس کے لیےایک مددگار اس کی مانند بنائیں (۱۸:۲)انسان کو خدا نے کار تخلیق کے وقت اپنی صورت اور شبہ پر بنایا، اس نے کائنات کی غیر ترتی اور است و فروغ میں اسے اپنا نمائندہ بنا کر رکھا اور تمام مخلوقات میں صرف اس کو حکومت کرنے کا اختیار دیا اور اشرف المخلوقات کا درجہ بخشا۔[2]

لیکن اس انسان کو تمام کائنات اور مخلوقات میں کوئی بھی ایسا سنگی ساتھی اور رفیق و جبیب نہ ملا جس کے ساتھ وہ خارجی و باطنی اور روحانی و جذ باتی شراکت رکھ سکے اور اس کی زبان اور جذبات نہ صرف سمجھ سکے اور قبول کرے بلکہ اپنائیت بھی ظاہر کرے ۔ وہ ایک ایسے ساتھی کی تلاش اور انتظار میں تھا جسے وہ حقیقی معنوں میں رفیق حیات اور زندگی کا ساتھی قبول کر کے اپنا سکے۔ خدا نے مرد کے لیے عورت کو پیدا کیا جس کی رفاقت میں مرد نے اپنا پن محسوس کیا، کیونکہ عورت کے سر پراس نے شان و شوکت کا تاج رکھا۔

یہی رفاقت کا وہ بندھن اور عہد و مقدر ہے ی کی بپردہ ایک دوسرے کو بت میں قبول کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک ابدی نامہ میں اس طرح بند ھے ائے کا ہی کرتے ہیں جس کی اہ میں حال ہونے والی ہر کار تھی کہ خونی تعلقات بھی کر چھوڑنے پڑیں تو چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ اس واسطے مرد اپنے باپ اور اپنی ماں کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملے گا۔ اور وہ دونوں ایک تن ہوں گئے۔[3]

لہذا ازدواجی زندگی کی وحدت اور بندھن مرد اور عورت کا خدا کے رو برد بندھن ہے۔ اور نکاح میں مرد عورت کا میاں بیوی بننا منصوبہ بنجات میں ساکرانٹی عمل ہے یعنی منکوحہ زندگی جنس اور جنسی افعال سے کہیں بڑھ کر خدا کے فضل اور برکات پانے کا مقدس ذریعہ ہے۔ بالفاظ دیگر نکاح صرف دو بدنوں اور جسموں کا استاد ہی نہیں بلکہ خدا کے منصوبہ نجات کو محسوس کرنے اور اسے حقیقت کا لباس پہنانے کا عہد اور بندھن ہے۔

([1]) 1کرنتھیوں۱۱:۵

([2]) زبور :

([3]) تکوین ۲:۲۴

نکاح کے نتیجہ میں ازدواجی زندگی ایک مقدس عمل ہے۔ازدواجی زندگی کو ساکرامنٹ کے طورپر سمجھنے کے لئے اس عقیدہ کو سمجھنااز حدضروری ہے کہ اسےخدا نےچاہا اور برکت کے طور پر فضل کا ذریعہ بنا کرمقدس کیا نیزا سے فضیلت اور برتری بخشی . اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اس نے ان کو پیدا کیا۔ اور خدا نے انہیں برکت دی اور کہا چلو۔ اور بڑھو اور زمین کو مورد محکم کر۔[1]

ازدواجی زندگی اور اس میں جنس کا استعمال مقدس با برکت اور اچھا عمل ہے یہ کائنات کی تمام رعنائیوں کو پیدا کرنے کے بعد خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے ۔ اور ایسی ہی خوشی اس سے کہیں زیادہ اسے انسان کو پیدا کرنے اور نرو ناری کے رشتہ میں جوڑنے کے بعد محسوس ہوئی ۔[2]

شادی محبت کی حقیقت کو سروس کرنے کا ساکرامنٹ ہے اورجس کو صرف جنسی تعلقات اور افزائش نسل تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔افزائش نسل کا مقدس عمل بابرکت ہے ۔[3]

شادی کی رسومات:

شادی اور اس کی رسومات لوگوں کے لئے ہمیشہ کشش کا باعث رہی ہیں۔ پاکستان میں رشتہ داروں اور عزیز وں میں اسے بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ شادی میں شرکت لازمی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے لیے لوگ وقت ، فاصلہ، دوری اور اخراجات کا لحاظ نہیں رکھتے۔ دنیا بھر میں کوئی شادی بھی اتنی توجہ کا مرکز نہیں بنی جتنی پرنس چارلس اور ڈیانا کی۔ اس پر فلمیں بنائی گئیں اور مہینوں یہ رسالوں اور اخباروں کو مزین کرنے کا موجب بنی رہی۔ صدیوں میں شاہی بیاہ کے لئے رچائی گئیں شادیوں میں سے یہ شادی ایک مثال ہے۔

بہت سی رسموں اور دستوروں کی ترویج صاف کر کے اور نیا روپ دے کر مسیحی ممالک میں جذب کر لیا۔کیونکہ یہ شادی بیاہ کی رسومات نہیں بلکہ دولہا اور دلہن کی باہمی محبت اور قبولیت ہے جو شادی کو ساکرامنٹ کا اہم درس دیتی ہے۔ یہ اس پیار کے رشتہ کی طرف اشارہ ہے جو کلیسیا اور اس کے دولہا میں پایاجاتا ہے۔

رومن رسومات:

پرنس چارلس اور لیڈی ڈیانا کی شادی کی تقریب رومن رسومات کے مطابق اداکی گئیں۔ اس مہم میں گرجہ گھر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس رسم کے مطابق پروگرام میں دلہاایک طرف دلہن کا انتظار کرتا ہے ، جبکہ اس کے برعکس دلہن کے عزیزہ ہوتے ہیں. دلہن

([1]) تکوین : ۲۰ - (۲۸)

([2]) تکوین ۱ : ۳۱

([3]) ایضا

اپنے والد اور چند دو شیزاؤں کے ساتھ بعد میں جلوس کی صورت میں لائی جاتی ہے ۔ متعین جگہ ہے جس کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوتا ہے جہاں پر پہنچ کر باپ اپنی بیٹی کو دلہا اور کاہن کے جو کیا اور حکومت کے نام پران کا نکاح کرتے ہوئےدلہےحوالے کر دیتا ہے۔ تقریب کا لازمی اور اہم حصہ دلہا اورو لہن اپنے خاندان اور دوستوں کے ساتھ سے شخصی طور سے معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ اس عہد سے میاں بیوی کی حیثیت سے ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہوتے ہیں۔

اور وہ خوشحالی یا تنگدستی اور تندرستی یا بیماری یعنی ہر حال میں موت تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ یہ عہد نکاح کے وقت میں تحریری شکل میں بھی ہوتا ہے جس پر دولہا دلہن شخصی طور سے کا ہن اور دو گروہوں کے روبرو دستخط کرتے ہیں۔ عام طور سے دلہا دلہن کو سونے کا سادہ سا چھلا پہنانے کی رسم ادا کر تا ہے۔ جس پر پہلے کا ہن بائیں ہاتھ کی انگلی میں یہ کہتے ہوئے پہناتا ہے۔ میری وفاداری اور محبت میں رہنا، اور دلہا دلہن کے نشان کے طور پر یہ چھلا پہن لو ۔ باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے"۔

دلہن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ یہ چھلا ظاہر کرنے کے لیے ہمیشہ پہن رکھے کہ وہ شادی شدہ ہے اور اپنے خاوند کی وفادار ہے۔ اسی قسم کا ایک چھلا دلہن اپنے دلہا کو دے سکتی ہے ۔ اگر نکاح یو خرمستی عبادت کے دوران ہو تو عام طور سے اسے ہمارے باپ کے بعد کا ہن نکاح کی خاص برکت دیتے ہیں۔ نکاح کی رسوم اس وقت اپنے انجام کو پہنچتی ہیں جب دلہا د لہن جلوس کی صورت میں پروگرام سےنکلتے ہیں۔ دلہن کی والدہ دلہے کی والدہ کے ساتھ چلتی ہے۔جس کے بعد ایک خاص کھانا دیا جاتا ہے جس میں نئے جوڑے کے رشتہ دار اور عزیز دودوست احباب شام ہوتے ہیں کہ دو خاندان آپس میں متحد ہو گئے ہیں ۔[1]

مسیحی خداوند اس کے جواب میں یہ تعلیم اور فریسیوں کے آنہ مانے پر اور ان کے اس سوال میں کہ کیا یہ روا ہے کہ مرد کسی بھی سبب اپنی بری کر ہموار ریہ پیش کرتا ہے کہ صرف عورت پر ہی نہیں بلکہ مرد اور عورت انوں یہ باہمی ہے اور دونوں پر لازم ہے۔ عورت اور پر وفاداری فرض ہے ازدواجی زندگی کے عہدمیں پہلے وفا داری و تابعداری کا بو فرض صرف عورت پر قاب در مرد کے لیے شادی کے ضمن میں حقوق وفرائض مساوی ہیں. لیوں جس ضابطہ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ اخلاقی اور اتانی ہے اور یہ کوئی ایسا مل ہیں میں پیلاپیا نہ ہو جائے۔ یو ا یہ بتانا چاہتا ہے کہ اپر اس کی بادشاہی کے اصولوں پرایمان رکھنے دلوں کے لیے کافی ان من التفریق ہوا کوئی لاکن عمل ہیں۔

البتہ شریعیت پرایمان رکھنے اور عمل کرنے والوں کے لیے یہ الکن اور طلاق کی رعایت مانگنا طلاق کے لئے قطعات ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی زنا کاری کی خاطراپنی بیوی کو چھوڑنا بہانہ نہیں۔ اس جواب میں سبوع ایک اور حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ازدواجی بند حصن خدا سے عہد ہے جسے انسان محض اپنی رضا و منشاء جذبات ہوڈ خود پرستی ، مفاد پرستی ، خود مرکزیت ، خود غرضی ، سماجی دباؤ اور عزت در ناموس کی خاطر ترک نہیں کر سکتا۔ خدا سے عہد پر وفا داری میاں جمیری کے روز مرہ حالات میں وفاداری اور انسانی تعلقات میں پوری ہوتی

([1]) گنتی:۳۰:۴۳

ہے ۔ اور یہ قدر اور تفریح تمام دیگر شرعی قوانین اور سماجی ضابطوں سے کہیں بلند وبالا اور افضل و برتر ہے ۔ مختصراً یوٹ شرعلی قانون کے حرف اور الفاظ کی نسبت ان کے پس پردہ خدا کی مرضی اور منصوبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو در حقیقت قانون کا مقصد عرض اور منزل ہے اور یہی خالق خدا کا مقصد اولین ہے۔

عورت اور طہارت:

بائبل کے مطابق عورت کی مخصوص ایام(حیض و نفاس) کی ناپاکی کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے کپڑے،بستر،سامان سب ناپاک ہیں نیز اس عورت کو چھونے والا بھی پلید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب الاحبار میں ہے :

"اور اگر کسی عورت کےساتھ ایسا معاملہ ہو کہ اسے حیض کا خون آئے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گی اور اس کو چھونے وال شام تک ناپاک رہے گا اور جس چیز پر وہ اپنی ناپاکی کی حالت میں سوئےوہ چیز ناپاک ہو گی اور جس چیز پر بیٹھے وہ بھی ناپاک ہو جائے گی۔اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور وہ شام تک ناپاک رہےگااور اس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہو وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سےنہائے اور شام تک ناپاک رہےگی اور اگر اس کا خون اس کے بستر پر یا جس چیز پر وہ بیٹھی ہو اس پر لگا ہوا ہو اور اس وقت کوئی اس چیز کو چھوئے تو وہ شام تک ناپاک رہےگا"۔ (1)

اس سے معلوم ہوا کہ مسیحیت میں حیض والی عورت کو مطلقا ناپاک تصور کیا جاتاہے۔یعنی حیض کا خون آنے کی وجہ سے عورت ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے ناپاک سمجھی جاتی ہے۔اور اس کے جسم کے ساتھ لگنے والی ہر چیز بھی ناپاک تصور کی جاتی ہے۔جوکہ ایک قسم کی شدت ہے۔ بائبل کے بقول اگر کسی عورت کے بیٹا پیدا ہوتو اس کی ناپاکی کم ہے لیکن اگر بیٹی پیدا ہو تو اس کی ناپاکی دوگنی ہے۔یاد رہے کہ عورت کے ہاں اولاد پیدا ہونے کے بعدجو خون مسلسل چند دن آتا رہتا ہے اس خون نفاس کاخون کہا جاتاہے۔ چنانچہ کتاب الاحبار میں ہے کہ:

"بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور اس کے لڑکا ہو تو وہ سات دن ناپاک رہے گی جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہےاور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔اس کے بعد تینتیس دن تک وہ طہارت کے خون میں رہے اور جب تک اس کی طہارت کے ایام پورے نہ ہو ں تب تک نہ تو کسی مقدس چیز کو چھوئے اور نہ مقدس میں داخل ہواور اگر کسی کے لڑکی پیدا ہو تو وہ دو ہفتے ناپاک رہے گی جیسے حیض کے ایام میں رہتی ہے۔اس کے بعد وہ چھیاسٹھ دن تک طہارت کے خون میں رہے (2)

---

(1) حبار۱۵:۱۹،۲۳

(2) احبار۱۳:۳-۵

اس سے معلوم ہوا کہ مسیحیت میں لڑکے کی پیدائش کی صورت میں نفاس کے خون کی مدت چالیس ہے لیکن ان کے ہاں پہلے سات تک عورت ناپاک سمجھی جائے گی اگرچہ خون آتا بھی رہے پھر وہ ناپاک متصور نہیں کی جائے گی۔اور اگلے تینتیس دنوں تک طہارت کے خون میں رہے گی۔جب تک طہارت کے ایام پورے نہ ہوجائیں تب تک کسی مقدس چیز چھو نہیں سکتی اور نہ ہی کسی مقدس چیز میں داخل ہوسکتی ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بیٹے کاختنہ کروانے کا رواج بھی ہے جو کہ آٹھویں دن کیا جاتاہے۔اورلڑکی کی پیدائش کی صورت میں نفاس کی مدت چھیاسٹھ دن ہے جن میں پہلے دو ہفتے ناپاکی کے خون میں رہے گی جبکہ باقی کے ایام طہارت کے خون میں گزارے گی۔

عورت اور فحاشی:

کتاب مقدس میں یہ بات صراحتا بیان کی گئی ہے کہ عورت گناہ اور فحاشی پھیلانے کا آلہ ہے نیز اسے غوغائی[1] اور خود سر کہا گیا ہے:

"وہ غوغائی اور خود سر ہے۔اس کے پاؤں اپنے گھر میں نہیں ٹکتے۔ابھی وہ کوچوں میں ہے۔ ابھی بازاروں میں اور ہر موڑ پر گھات لگائے بیٹھتی ہے۔سو اس نے اس کو پکڑ کر چوما اور بے حیا منہ سے اس سے کہنے لگی ۔۔۔میں تیری ملاقات کو نکل آئی کہ کسی طرح تیرا دیدار حاصل کروں سو تو مجھے مل گیا۔میں نے اپنے پلنگ پر کامدار غالیچے اور مصر کے سوت کے داری دھار کپڑے بچھائے ہیں۔میں نے اپنے بستر کو عود اور دار چینی سے معطر کیا ہے۔آ ؤ صبح تک دل بھر کر عشق بازی کریں اور محبت کی باتوں سے دل بہلائیں"۔[2]

اسی کتاب میں دوسری جگہ عورت کو غوغائی کےساتھ احمق (بیوقوف) بھی کہاگیاہے:

"احمق عورت غوغائی ہے۔وہ نادان ہے اور کچھ نہیں جانتی۔وہ اپنے گھر کے دروازہ پر شہر کی اونچی جگہوں میں بیٹھ جاتی ہے تاکہ آنےجانے والوں کو بلائے جو اپنے راستے پرسیدھےجا رہے ہیں"۔[3]

ایک اور مقام پر عورتوں کو کنٹرول دینے سے منع کیاگیاہے نیز انہیں بگاڑپیداکرنےوالی قرار دیاگیاہے:

"اپنی قوت عورتوں کو نہ دے اور اپنی راہیں بادشاہوں کو بگاڑنے والیوں کی طرف نہ نکال"۔[4]

([1]) امثال 7: 11،18

([2]) ایضا 9: 13،15

([3]) ایضا3:13

([4]) شورمچانے والی

معلوم ہواکہ ان کے ہاں عورت کی کی ایک حیثیت غوغائی کی ہے جوکہ بازاروں میں گھومنا پھرنا اور عاشقوں کے ساتھ عاشقی معشوقی کرنا پسند کرتی ہے۔گویا کہ عورت بدچلن، بدزبان،مکار ، جھوٹی،شور وغل کرنے والی، بیوقوف،بگاڑ پیداکرنے والی اور بیہودہ گوئی کرنے والی ہے۔

عورت اور آزادئ رائے:

بائبل میں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں جن کے مطابق عورت مرد کے حکم کے تابع اورفرمانبردار بن کررہ جاتی ہے اور اس کی اپنی مرضی کی اہمیت کی نگاہ سے نہیں دیکھاجاتا نہ اس کےاحساسات کو کوئی وقعت دی جاتی ہے۔ نیز کبھی اس کو اپنی مرضی کی نذر کی بھینٹ چڑھایا گیا تو کبھی اغیار کےحوالے دیا گیا۔ان میں سے ایک واقعہ افتاح قاضی[1] کا اپنی بیٹی کو بھینٹ کے طور پر جلانا ہے۔افتاح قاضی نےدشمن کے مقابلے میں فتحیاب ہونے کی صورت میں منت مانی کہ اگر خداوند اس کو دشمنوں پر فتح دے توکامیاب ہونے ی خوشی میں جب گھر لوٹے گا تو واپسی پر جو شخص سب سے پہلے اس سے ملے گا اس کو وہ خدا وند کی نذر کے طور پر چڑھائے گا۔اتفاقا واپسی پرسب سے پہلے اس کاسامنا اپنی اکلوتی بیٹی سےہوا۔چنانچہ کتاب قضاۃ میں ہے:

"اور افتاح قاضی اپنے گھر آیا اور اس کی بیٹی طبلے بجاتی اور ناچتی ہوئی اس کے استقبال کو نکل کر آئی اور وہی ایک اس کی اولاد تھی۔۔۔جب اس نے اسے دیکھا تو اپنے کپڑے پھاڑکر کہا ہائے میری بیٹی تو نے مجھے پست کر دیا اور جو مجھے دکھ دیتے ہیں ان میں سے ایک تو ہے کیونکہ میں نے خدا وند کو زبان دی ہے اور میں پلٹ نہیں سکتا"۔[2]

قاضی افتاح نے نذر پوری کرتے ہوئے اپنی اکلوتی بیٹی کو نذر بھینٹ چڑھادیااور اسےجلادیا۔اوریہ بھی نہ سوچاکہ یہ لڑکی میری اکلوتی اولاد ہےاگر میں نے اسے جلا دیاتو میں بےسہارہ اوربےاولاد ہوجاؤں گا بلکہ اس نے یہ سوچاکہ میں خداوند کوزبان دی ہوئی اس سے نہیں پھر سکتا۔

عورت اور مکاری:

بائبل کے مطابق عورت کومکارقراردیتےہوئےمکاری و عیاری کا آلہ کارکہاگیا ہے نیزاپنی مکاری و عیاری سے ہمیشہ دوسروں کےنقصان کا باعث بنی ہے۔اس کی مکاری کو موت سے زیادہ سخت کہا گیا ہے۔نیز ان کے ہاں ہزاروں کے مجمع میں سے کسی ایک عورت کو بھی مکمل اور راست باز قرار نہیں دیا جا سکتا۔چنانچہ کتاب وعظ میں مرقوم ہے :

([1]) بنی اسرائیل کا اہم قاضی ،جو چھے سال تک قضاۃ کے عہدے پرفائزرہا۔

([2]) قضاۃ34،35:11

"تب میں نے موت سے تلخ تر اس عورت کو پایا جس کا دل پھندا اور جال ہے اور جس کے ہاتھ ہتھکڑیاں ہیں۔جس سے خدا خوش ہے وہ اس سے بچ جائے گا لیکن گناہ گار اس کا شکار ہو گا۔دیکھ واعظ کہتا ہے میں نے ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے یہ دریافت کیا ہے۔جس کی میرے دل کواب تک تلاش ہے پر ملا نہیں۔میں نے ہزار میں ایک مرد پایا لیکن ان سبھوں میں عورت ایک بھی نہ ملی"۔[1]

اس آیت کے مطابق واضح طورپر معلوم ہورہاہے کہ ان کے ہاں عورت ایک جال اور پھندا ہے جس سے ہوکوئی مرد نہیں بچ سکتا سوائے اس مرد کے جس سے خداوند راضی ہوبلکہ ضرور اس کے مکروفریب کا شکار ہوگا۔

عورت اور ظالمانہ سزائیں:

بائبل میں عورتوں کے بارے میں عجیب و غریب سزاؤں کاتذکرہ ملتاہےان سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہے کہ:

"جب دو شخص آپس میں لڑتے ہو ں اور ایک کی بیوی پاس جا کر اپنے شوہر کو اس آدمی کے ہاتھ سے چھڑانے کے لیے جو اسے مارتا ہو اپنا ہاتھ بڑھائے اور اس۔۔۔کو پکڑ لے تو تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا اور ذرا ترس نہ کھانا"۔[2]

معلوم ہوا عورت بیچاری کو اس صورت میں بھی سزا دی جارہی ہے جبکہ وہ اپنے شوہر کی مدد کررہی ہے۔یہ توعورت پر ظلم کی انتہا ہےکہ مدد کرنے کے ضمرے میں بھی سزا دی جارہی ہے حالانکہ عموما تو مدد کرنے والے کو اچھا سمجھا جاتا ہے لیکن یہاں مدد کرنے کی وجہ سے بھی سزا دی جارہی ہے اور اس کی کوئی اوروجہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ ایک عورت ہے۔یعنی عورت ہونا ایک سزا ہے اور عورت ہونا غلطی ہےکیونکہ سزاہمیشہ غلطی اور گناہ پر ہی دی جاتی ہے۔

کلیسا میں کوئی حیثیت نہیں تھی اس کو دھتکارتےہوئے راندہ درگاہ قرار دےرکھاتھا۔اور ابائے کلیسا نے یکے بعد دیگرے عورتوں کو خباثتوں،فتنہ پردازیوں اور شر انگیزیوں کا مجموعہ قرار دیاتھا۔عیسائیت کے عظیم رہنما ٹرتلین نے عورت کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں بیان کیاہے:

"عورت شیطان کادروازہ ہے،حضرت آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کھلانے والی ،قانون الٰہی کی خلاف ورزی کروانے والی اور انسان کو بگاڑنے والی عورت ہے۔"[3]

عورت کو شیطان کا دروازہ قرار دیتے ہوئے یہ پیغام دیاگیا ہےکہ جب کوئی شخص شیطان کے بہکاوے میں نہ آتا ہو اس کی پارسائی کو عورت کے ذریعے داغدار کیا جاسکتاہے۔اور معاذ اللہ اس کی وضاحت میں حضرت حوا سلام اللہ علیہا کی مثال پیش کی گئی ہےاور یہ تاثر دینے کی کوشش کی

([1]) وعظ28:7،27

([2]) استثناء12:25،11

([3]) ایضا

گئی ہے کہ معاذاللہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے حضرت آدم علیہ السلام شجر ممنوعہ کھانے پر مجبور کیا تھااور چونکہ حضرت حوا سلام اللہ علیہا اور دیگر عورتوں کی جنس،جنس واحد ہے یعنی دونوں عورتیں ہیں یہ لہذا مؤقف اختیار کرلیاگیاہے کہ عورت کا دروازہ اورآلہ ہے۔درحقیقت بائبل مقدس میں حضرت آدم علیہ اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا کا بیان کردہ واقعہ میں مبالغہ آرائی کے ذریعے عورت کی فطرت اور اس کی شخصیت کو مجروح کیا گیاہے۔

ٹرٹلین عیسائیت عقیدے کی وضاحت میں لکھا ہے:

"عورتو!تمہیں معلوم نہیں تم میں سے ہر ایک حوا ہےخدا کا فتویٰ جو تمہاری جنس پرتھا وہ اب بھی موجود ہے تو پھر جرم بھی تم میں موجود ہوگا۔تم شیطان کادروازہ ہو تم نےہی آسمان سے خداکی تصویر یعنی مرد کو ضائع کیاہے۔"[1]

معاذ اللہ موجودہ عورت کو قصوروار ثابت کرنے کی مد میں نسل انسانی کی ماں کو بھی نہ بخشا اور انہیں بھی قصوروار قراردےدیا۔یہ بھی ایک قسم کی شدت ہے کہ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کی مد میں مقدسات کی توہین کی جارہی ہے۔جو کہ قابل مذمت ہے۔

اسی طرح ایک عیسائی دانشور نے عورت کے بارے میں رائے زنی کرتے ہوئےکہا کہ "میں نے عورتوں میں عصمت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن ان میں عصمت کو نہ پایا۔"[2]

روح اسلام کے مصنف کے بقول:

راسخ العقیدہ کلیسانے عورتوں کو ادنیٰ ترین رسوم کے علاوہ تمام مذہبی رسوم سے خارج کردیاتھاان کا شمار مطلقا معاشرےمیں بھی نہیں ہوتاتھا۔نہ وہ کھلے مجمع میں جاسکتی تھیں،نہ دعوتوں اور ضیافتوں میں شریک ہوسکتی تھیں۔انہیں تاکید تھی کہ گھر کے گوشہ عزلت میں زندگی بسر کریں۔خاموشی اختیار کریں اوراپنے شوہر کی اطاعت کریں ۔نیز اپنا وقت سوت کاتنے ،کپڑابننےاور کھانےپکانے میں صرف کریں۔باہر جانے کے لیے ان کے ضروری تھا کہ اپنے پورے جسم کو سر تاپاؤں لپیٹیں ۔ دنیائےعیسوی میں عورتوں کی یہ حالت تھی ایک ایسے وقت میں جہاں مریم کی پرستش ہر طرف رائج تھی۔[3]

معلوم ہوا اس نظریے کے حامل لوگوں میں کھلا تضاد موجود تھا کہ ایک طرف تو حضرت مریم سلام اللہ علیہا جو کہ عورت ہیں ان کی پرستش کی جاتی اور دوسری طرف اسی جنس کی دیگر عورتوں کا معاشرے میں ہی شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ان سےہر طرح کی آزادی کو سلب کرلیا گیا۔ گھرکےکام کاج اور شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری میں مصروف رہنے کا کہاگیا۔

([1]) استثناء12:25،11

([2]) وعظ28:7،27

([3]) ایضا

شاہ معین الدین ندوی عیسائیت میں عورت کی حالت پر روشنی ڈالتےہوئے لکھتے ہیں:

"عورت سراپا فتنہ وشر سمجھی جاتی تھی ' عابد و زاہد اُس کے سائے سے بھاگتے تھے'بڑے بڑے راہب اپنی ماں تک سے ملنا، اور اس کے چہرہ پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے۔ رہبانیت کی تاریخ عورت سے نفرت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔"[1]

ان کے ہاں عورت سے نفرت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا اپنی ماں کو بھی نفرت کی نظرسے دیکھتے تھے اور اس کی بھی وجہ صرف اتنی تھی کہ وہ ایک عورت تھی۔نیز رہبانیت کی ابتداءاسی نفرت زن کا پیش خیمہ ہے۔

ڈاکٹر خالدعلوی لکھتے ہیں:

"چونکہ مسیحی اخلاقیات میں تجرد اورصنفی تعلقات سے کنارہ کشی ہی اصل کمال تھااس لیے نکاح اور صنفی تعلقات بذات خود نجس اور ناقابل التفات تھے۔چونکہ صنفی تعلق میں عورت ہی بنیادی کردارہےاس لیے اسے پست 'ذلیل اور گناہ کا ذریعہ قرار دیاگیا۔ مسیحی شریعت میں جتنے قوانین بنے اس میں عورت کی حیثیت کو پست رکھنے کی کوشش کی گئی۔وراثت اور ملکیت میں اس کے حقوق محدود تھے 'وہ خود اپنی کمائی پر بھی اختیار نہیں رکھتی تھی ۔ ہرچیزکامالک مرد تھا۔طلاق اور خلع کی اجازت نہ تھی ۔ مسیحی دنیا کے ملکی قوانین اس بارے میں سخت تھے گویا مسیحی مذہب نے عورت کی تحقیر اور اسے پابندیوں میں جکڑے رکھنے کی پوری کوشش کی ۔ مسیحی دنیا میں عورت کی زندگی ایک بے بس مخلوق اورمرد کے ہاتھ میں کھلونے کے سوا کچھ نہ تھی۔"[2]

اس نظریے کے حامل لوگ تجرد پسند(علیحدگی پسند) اور صنفی تعلقات سے دور رہنے والے لوگ تھے جو کہ صنفی تعلقات کو معیوب سمجھتے ہوئے نجس اور ناپاک سمجھتے تھے۔نیز عورت کے لیےوراثت اورملکیت کے حقوق محدودرکھے گئے تھے یہاں تک کہ کسی عورت کواپنی کمائی پر بھی اختیار نہیں تھابلکہ عورت کی کمائی بھی مرد ہی کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔نیز مطالبہ طلاق اور خلع لینے کی اجازت سے بھی محروم کیا گیاتھا۔

بہت سے مسیحی مذہبی پیشواعورت اوردنیاوی معاملات سےاس قدر الگ ہوگئے کہ انہوں نے صحراؤں،جنگلوں اورریگستانوں میں رہبانیت اختیار کرتےہوئے زندگی گزاردی۔ایسے لوگوں نے شادی نہ کی بلکہ تجرد کی حالت میں ساری زندگی گزاردی۔بہت سے مذہبی پیشوااپنے گھروں میں موجود عورتوں سے بھی دوررہے،لیکن ان پابندیوں اورانتہائی ذلت وناقدری کے باوجودمعاشرےمیں عورت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتاکیونکہ

([1]) ندوی،شاہ معین الدین ،دین رحمت 'دارالمصنفین شبلی اکیڈمی'اعظم گڑھ(۲۰۰۹ء)ص۱۰۴

([2]) علوی،ڈاکٹرخالد،اسلام کا معاشرتی نظام'الفیصل ناشران وتاجران کتب،غزنی سٹریٹ اردو بازارلاہور،س،ن،ص۴۶۸

وہ نسل انسانی کے تسلسل کو برقراررکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کو کم تر درجہ دینے کے باوجود اس کے فرائض کی وجہ سے سماجی سر گرمیاں جاری رہی ہیں، جبکہ مسیحیت میں مذہبی رہنما عورتوں سے دور رہے۔

عیسائیت میں بلند مقام شخصیت لیکی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتاہے کہ "عورت ایک ناگزیر شر،ایک قدرتی دام تحریص ،ایک فتنہ دلفریب ،ایک برق نشیمن ،ایک سحر مہلک اور ایک بنی ٹھنی آفت ہوتی ہے۔"[1]

مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوتاہے کہ جدید عیسائی تعلیمات کی روشنی میں عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی ۔درج بالا آراء کومندرجہ ذیل جزئیات میں تقسیم کیا جاسکتاہے۔

- عورت کو راندہ درگاہ (گمراہ)قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو خباثتوں کو مجموعہ قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو فتنہ بردار کہاگیاہے۔
- عورت کو شر انگیز کہاگیاہے۔
- عورت کو شیطان کہاگیاہے۔
- عورت کو خدا کی نافرمان کہاگیاہے۔
- عورت کو عورت کے بڑکا سبب قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو انسانیت کی پہلی مجرم قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو ایک ناگزیر شر قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو ایک برق نشمین قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو ایک سحر مہلک قرار دیاگیاہے۔
- سینٹ برنارڈ ا قول ہے عورت شیطان کا ہتھیار ہے۔
- عورت کوشیاطین کے ہتھیاروں کی کان قرار دیاگیاہے۔
- عورت کو ایک بچھو کہاگیاہے جو ڈسنے کے لیے ہر وقت تیار رہتاہے۔
- عورت کو وہ ہتھیار کہا گیاہے جو انسانوں کی روحوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے استعمال کیاجاتاہے۔

([1]) وعظ7:28،27

- عورت کو جھوٹ کی بیٹی،دوزخ کی سپاہی اور امن کی دشمن قرار دیاگیاہے۔جس کے ذریعے انسان نے بہشت کو کھویا،تمام وحشی درندوں میں عورت کو سب سے زیادہ خطرناک قرار دیاگیاہے۔
- سینٹ گریگری کےبقول عورت کے اندر سانپ ،زہر اور اژدہے کاکینہ رکھاگیا ہے۔[1]

ان مذکورہ جزئیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتاہے کہ جدید عیسائیت میں عورت کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں تھا ،اسے شیطان قرار دیاگیا،شر اور خباثتوں کا مجموعہ کہاگیاہے۔اسی عورت کو بہکانےوالی،گناہ کا ارتکاب کروانے والی قراردیتے ہوئے اس کی توہین وتذلیل کی گئی ہے۔عورت سے دوری اختیار کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کاذریعہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی اطاعت کا نام دیاگیا۔جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

شریعت اور طلاق:

تمام تر عہد عتیق میں شادی میں وفاداری پر زور دیا گیا ہے اور وفاداری کے اس عہد کا ارتقاء و ترویج دیکھائی گ ءی ہے، دنیا کی پیدائش سے ہی خدا نے مرد اور عورت کو شادی کے رشتہ ازدواج میں باندھتے وقت یہ چاہا کہ وہ ایک دو سرے سے ملے رہیں اور ایک تن ہوں ۔ اور یہ بھی کہ وہ اب دو نہیں بلکہ ایک تن ہیں اور اسی وجہ سے سے جو انسان اس عہد کو توڑنے یا کمزور کرنے کی کوشش کرے گا وہ خدا کا سامنا کرنے والا ٹھہرے گا۔

عیسائیت میں سرے سےطلاق کاکوئی تصورہی نہیں تھا،مر دکےلئےیہ جائزہی نہیں تھاکہ وہ اپنی بیوی کوطلاق دے،یاعورت کے لئے یہ درست نہیں تھاکہ وہ اپنے شوہرسے چھٹکارہ حاصل کرے۔رشتہ نکاح دوامی سمجھاجاتاتھا، موت کے علاوہ اورکوئی دوسری وجہ نہ تھی جس سے نکاح ختم ہوسکے۔یہ تصورعیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے اخذکیاتھا،جسے ''خدانے جوڑاہے اسے آدمی جدانہ کرے''حالاں کہ یہ ایک اخلاقی بات تھی، کوئی قانونی بات نہ تھی۔

تقریباپندرہ سوسال تک یہ قانون عیسائی دنیامیں رائج رہا۔سولہویں صدی میں اصلاح کی آوازاٹھی، مگر نتیجہ کے اعتبارسے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا،جب تک زناء اورظالمانہ برتاؤدونوں ثابت نہ کیاجائے تفریق نہیں ہوسکتی تھی، اوراگردونوں ثابت ہوجائےخواہ کسی بھی فریق کی طرف سے ہو، تو صرف تفریق ہوسکتی تھی نکاح ختم نہیں ہوسکتاتھا، کسی بھی فریق کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی،بہرصورت یہ کارروائی کورٹ کرے گی۔

۱۸۶۶ء میں عدالت کو یہ حق بھی دیاگیاکہ الگ کی گئی بیوی کاخرچہ بھی خطاکار شوہرپر لازم کیاجائے،۱۹۰۷ء میں خطاکارکی شرط ختم کردی گئی،یعنی میاں بیوی کے درمیان جدائی کے باوجود عدالت کو یہ حق تھاکہ وہ شوہرپر بیوی کانفقہ لازم کرے۔۱۸۹۵ء

([1]) وعظ۲۷،۷:۳۸

میں یہ طے ہواکہ اگر عورت شوہرکے ظلم وستم سے بھاگ کرچلی جائے تو مرد کو اس کے پاس جانے سے روکاجائے، البتہ خرچہ ملتارہے گا۔۱۹۱۰ء میں ایک شاہی کمیشن مقررکیاگیا کہ وہ نکاح اورطلاق کے مسائل ومعاملات پر غورکرکے اپنی رپورٹ پیش کرے، تو اس کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کی کہ مردوعورت دونوں کومساوی طورپرطلاق کاحق دیاجائے۔یعنی جس طرح مرد کو طلاق دینے کاحق ہے تو بیوی کو بھی طلاق دینے کاحق ہے۔

طلاق اور دوبارہ شادی کے حوالے سے پیدا ہونے والا تنازعہ کہ آیا طلاق اور دوبارہ شادی کی اجازت ہے یا نہیں بنیادی طور پر یسوع کے الفاظ کے گرد گھومتا ہے۔ کلامِ مقدس میں " ازدواجی بے وفائی(حرامکاری)" وہ واحد عمل ہے جس کی بدولت طلاق اور دوبارہ شادی کےلیے خدا کی طرف سے ممکنہ اجازت دی گئی ہے۔[1]بہت سے مفسرین خیال کرتے ہیں کہ یہ بات منگنی کے دورانیہ میں کی جانے والی " ازدواجی بے وفائی "کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہودی رسم و رواج میں جب دو لوگوں کی منگنی ہو جاتی تھی تو اُنہیں ایک طرح سے میاں بیوی خیال کیا جاتا تھا۔ اِس نقطہ نظر کے مطابق تو " منگنی " کے دورانیہ میں کی جانے والی بدکاری ہی طلاق کےلیے واحد جائز وجہ ہوگی ۔

تاہم یونانی لفظ جس کا ترجمہ " ازدواجی بے وفائی " کیا گیا ہے اُس کا مطلب جنسی بدفعلی یا بد اخلاقی کی کوئی بھی شکل ہو سکتا ہے ۔اِس کا مطلب حرامکاری، عصمت فروشی، زناکاری وغیرہ ہو سکتا ہے ۔ یسوع ممکنہ طور پر کہہ رہا ہے کہ اگر جنسی بداخلاقی سرزد ہو تی ہے تو اِس صورت میں طلاق کی اجازت ہے ۔ جنسی تعلقات ازدواجی بندھن کا ایک لازمی حصہ ہیں : " وہ ایک تن ہوں گے "[2] اِس لیے شادی سے باہر جنسی تعلقات استوار کرتے ہوئے اِس بندھن کو توڑنا طلاق کےلیے ایک جائز وجہ ہو سکتی ہے ۔ اگر ایسا ہے تو اِس حوالہ کے مطابق یسوع کے ذہن میں دوبارہ شادی کا خیال موجود ہے ۔ یہ الفاظ " اور دوسری سے بیاہ نشان دہی کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں طلاق اور دوبارہ شادی کی اجازت دی گئی ہے ، چاہے اِس کی کچھ بھی تشریح کیوں نہ کی جائے۔

اِس بات پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ صرف بے گناہ فریق ہی کو پھر شادی کرنے کی اجازت دی جاتی ہے ۔ اگرچہ اِس متن میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ طلاق کے بعد دوبارہ شادی کرنے کی اجازت اُس شخص کےلیے خُدا کے رحم کی بدولت ہے جس کے خلاف گناہ کیا تھا نہ کہ اُس کےلیے جس نے جنسی بدکاری کی تھی ۔ ایسے واقعات ہو سکتے ہیں جن میں " گنہگار فریق " کو دوبارہ شادی کی اجازت دی جاتی ہے مگر اِس متن میں یہ بات نہیں سکھائی جاتی ۔

([1]) متی:19:9۔32:5

([2]) پیدائش:24:2

کچھ لوگ ایسے حوالے کے طور پر سمجھتے ہیں جو دوبارہ شادی کی اجازت دیتا ہے کہ اگر ایک غیر ایماندار شریکِ حیات ایک ایماندار کو طلاق دیتا ہے تو ایماندار فریق کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت ہے۔[1] بہرحال سیاق و سباق دوبارہ شادی کا تذکرہ نہیں کرتا بلکہ صرف یہی کہتا ہے کہ اگر غیر ایماندار شریکِ حیات اُسے چھوڑنا چاہتا ہے تو ایمان دار شریکِ حیات اُس ازدواجی تعلق کو جاری رکھنے کا پابند نہیں ۔ کچھ دیگر لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ(شریکِ حیات یا بچّوں کے ساتھ) بد سلوکی طلاق کے لیے ایک جائز وجہ ہے اگرچہ بائبل میں ایسا کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا۔ بہت دفعہ ایسے حالات ہو سکتے ہیں لیکن خدا وند کے کلام کے حوالے سے خود سے ہی مختلف چیزیں فرض کر لینا کبھی بھی عقل مند ی کی بات نہیں ۔

> بعض اوقات لوگ اِسی بحث میں پڑے رہتے ہیں کہ کہاں پر دوبارہ شادی کرنے کی اجازت ہے اور کس کس طرح کی باتیں "ازدواجی بے وفائی" کے زمرے میں آتی ہیں۔ لیکن یہاں پر ہمیں اِس حقیقت کو مدِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ "ازدواجی بے وفائی " کی صورت میں طلاق کی اجازت دی جا رہی ہے اِس کو لازمی قرار نہیں دیا جا رہا۔ ایسا گناہ سرزد ہو جانے کے باوجود ایک جوڑا خداوند کے فضل سے ایک دوسرے کو معاف کرنے اور اپنے ازدواجی بندھن کو پھر سے تعمیر کرنے کے حوالے سے سیکھ سکتا ہے۔خُدا نے ہمیں ایسے گناہوں سے بھی بہت بڑے بڑے گناہ معاف کرکے قبول کیا ہے۔ یقیناً اگر ممکن ہو تو ہم اُس کے نمونے کی پیروی کرسکتے ہیں اور حرامکاری جیسے گناہ کو بھی معاف کر سکتے ہیں [2]

تاہم بہت سے واقعات میں ایک شریکِ حیات توبہ نہیں کرتا اور جنسی بدکرداری میں بڑھتا جاتا ہے ۔

> بہت سے لوگ طلاق کے بعد جلدی سے دوبارہ شادی کرنے پر غور کرتے ہیں جبکہ ہو سکتا ہے خدا اُن کو اکیلا رکھنا چاہتا ہو۔ بعض اوقات خدا لوگوں کو اکیلے رہنے کے لیے بلاتا ہے تاکہ اُن کی توجہ منتشر نہ ہو۔[3]

بعض حالات میں،طلاق کے بعددوبارہ شادی کرنا ایک راستہ ہوسکتاہے مگر اِس کا ہر گزمطلب نہیں کہ یہ آخری راستہ ہے۔ یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ مسیحی ہونے کے دعویدار لوگوں میں طلاق کی شرح قریباً اُتنی ہی زیادہ ہے جتنی غیر ایماندار دنیا میں ۔ بائبل اِس بات کو پوری طرح واضح کرتی ہے کہ خُدا کو طلاق سے نفرت ہے۔[4] اور یہ کہ صلح اور معافی ایک

([1]) کرنتھیوں :15:7

([2]) افسیوں:32:4

([3]) ایضا

([4]) ملاکی:16:2

ایماندار کی زندگی کی نشانیاں ہونی چاہیں پھر بھی خدا اِس بات کو سمجھتا ہے کہ اُس کے بچوں کے درمیان بھی طلاق ہو گی۔اگرچہ طلاق اور دوبارہ شادی کی تشریح میں مکمل طور پر واضح نہیں ہوتی تو بھی ایک طلاق یافتہ یا دوبارہ شادی کرنے والے ایماندار کو قطعی طورپر یہ محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ خُدا اُسے کم پیار کرتا ہے۔ خُدا اکثر مسیحیوں کی گناہ آلود نافرمانی کو بھی اُن کی زندگیوں میں بڑے کام کرنے اور بھلائی پیدا کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

مسیحیت میں طلاق:

'تو بھی تم کہتے ہو کہ سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے کہ خداوند تیرے اور تیری جوانی کی بیوی کے درمیان گواہ ہے۔ تو نے اس سے بیوفائی کی ہے اگرچہ وہ تیری رفیق اور منکوحہ بیوی ہے۔اور کیا اس نے ایک ہی کو پیدا نہیں کیا باوجود یہ کہ اسکے پاس اور ارواح موجود تھیں؟ پھر کیوں ایک ہی کو پیدا کیا؟ اسلیے کہ خدا ترس نسل پیدا ہو۔ پس تم اپنے نفس سے خبردار رہو اور کوئی اپنی جوانی کی بیوی سے بیوفائی نہ کرے۔ کیونکہ خداوند اسرائیل کا خدا فرماتا ہے میں طلاق سے بیزار ہوں اور اس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے۔ رب الافواج فرماتا ہے اسلیے تم اپنے نفس سے خبردار رہو تاکہ بیوفائی نہ کرو۔[1]

اتنے سخت الفاظ کے بعد اس میں کوئی شک نہی رہتا کہ طلاق گناہ ہے اور خدا کی مرضی کے خلاف عمل ہے۔

آیت میں دو باتوں پر زور دیا گیا ہے:

خدا بیزار ہے اس آدمی اور ایسے کلچر سے جہاں مرد

1۔اپنی بیوی سے بیوفا ہو

2۔اور جو اس پر ظلم کرتا ہو اور طلاق دے۔۔۔ زیادہ شادیوں کے لالچ میں۔۔۔کیونکہ lust بھی ایک گناہ ہے۔جب نفس اس پر ہاوی ہو جائے۔

خدا کو صرف آدمی پر ہی کیوں غصہ ہے؟

کیونکہ خدا نے شادی میں مرد کو سربراہ مقرر کیا ہے اور بیوی بچوں کی ذمہ داری اس کو دی گئی ہے۔

عورت کو 'نازک صنف اور کمزور ' کہا گیا ہے جو کہ جسمانی لہاظ سے وہ ہے بھی۔ مرد کو مضبوط بنایا گیا ہے جسمانی لہاظ سے اور عقل کے اعتبار سے بھی زیادہ امید کی جاتی ہے کیونکہ وہ سربراہ ہے۔

شوہر کو 'محبت رکھنے اور خیال کرنے' کا حکم ہے اور بیوی کو 'اطاعت' کا۔

([1]) ملاکی 2:14

اس لیے غصہ بھی زیادہ مرد پر ہے۔

ایسی صورت میں جب بچے نہ ہوں شائد طلاق کا نقصان کم ہو پر خدا کے نافرمان تو ہم پھر بھی ٹھہریں گے۔

خدا نے یہی پوچھا ہے کہ میں تمھاری شادی کا گواہ ہوں مطلب میری قسم کھا کر تم نے ایک دوسرے کو زندگی بھر کے لیے قبول کیا۔ [1]

کیا خدا کی جھوٹی قسم کھانا روا ہے؟ کیا شادی بعد میں توڑ کر ہم خدا کو جھوٹا گواہ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا خدا کی اور اسکے بندہ کی حضوری میں باندھا جانے والا عہد اتنا غیر ضروری اور فالتو ہے کہ بعد میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس عہد کو توڑ دیا جائے؟ ایسے بہت سے مسیحی جوڑے ہیں جو ساری عمر ایک ساتھ گزارتے ہیں چاہے کوئی بھی مشکل ہو کیونکہ وہ اس عہد کی سنجیدگی کو سمجھتے ہیں۔

بائبل مقدس میں شوہر بیوی کے درمیان رشتے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے بلکہ لکھا ہے کہ اچھی بیوی خداوند کی طرف سے ملتی ہے۔ "گھر اور مال تو باپ دادا سے میراث میں ملتے ہیں لیکن دانشمند بیوی خداوند سے ملتی ہے۔"[2] ایک مسیحی شوہر جانتا ہے کہ اُس کی بیوی خداوند کی طرف سے تحفہ ہے اور بیوی کے وسیلہ اُس پر فضل ہُوا ہے۔ خدا کے پاک زندہ اِلہامی کلام میں لکھا ہے، "جس کو بیوی ملی اُس نے تحفہ پایا اور اُس پر خداوند کا فضل ہُوا۔"[3]

اورجب شوہر،بیوی کوخدا کی برکت اور بیوی،شوہر کوخداوندکے فضل کےرُوپ میں دیکھتی ہےتودونوں ایک دوسرے سےجُدا ہونےکا تصور بھی نہیں کرتے۔اِسی لئے خداکے سچے پیروکاراپنے گھر میں طلاق کالفظ سُناپسند نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ شیطان کاوہ شیطانی ہتھیارہےجو ہنستے بستے گھر کواُجاڑکررکھ دیتاہے۔باغِ عدن میں شیطان نے یہی کیااور آدم و حوا کو خدا سے دُور کر دیا۔

مسیحی تعلیم کے مطابق میاں بیوی کا رشتہ پاک و مقدس رشتہ ہے جس میں مکر، دُھوکا، جھوٹ، جھگڑا، لالچ، حسد و نفرت کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ ایک اِیماندار مسیحی مرد اور عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے لئے مسیح میں اِیماندار مرد و عورت کا اِنتخاب کریں نہ کہ دُنیاوی مال و دولت اور ظاہری خوبصورتی کے لالچ میں بے اِیمان ساتھی چُنیں۔ خدا کے پاک اِلہامی کلام میں لکھا ہے، "بے اِیمانوں کے ساتھ ناہموار جُوئے میں نہ جُتو

([1]) ملاکی 2:14

([2]) امثال14:19

([3]) ایضا18:22

کیونکہ راستبازی اور بے دینی میں کیا میل جول؟ یا روشنی اور تاریکی میں کیا شراکت؟" (۲-کرنتھیوں ۶:۱۴)
خداوند خدا نے سختی سے منع کیا ہے کہ مسیحی غیر قوموں کے ساتھ ازدواجی رشتے داریاں قائم نہ کریں بلکہ اپنا جیون ساتھی چُننے کے لئے خداوند خدا سے دُعا اور مدد مانگیں۔ یقیناً وہ حکمت و برکت بخشے گا، اور گھر محبت و امن کی کرنوں سے روشن رہے گا جہاں شیطانی طلاق کا اندھیرا کبھی نہیں پڑے گا کیونکہ طلاق وہ فِتنہ ہے جس سے خدا کو نفرت ہے۔ "کیونکہ خداوند اِسرائیل کا خدا فرماتا ہے، میں طلاق سے بیزار ہوں اور اُس سے بھی جو اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے۔ ربُ الافواج فرماتا ہے، اِس لئے تم اپنے نفس سے خبردار رہو تاکہ بے وفائی نہ کرو۔" [1]

خدا طلاق سے ناصرف بیزار ہے بلکہ آیت ۱۳ کا مطالعہ کریں تو واضح ہو گا کہ خدا طلاق سے محض نفرت ہی نہیں کرتا بلکہ وہ شادی کے آسمانی عہد کو توڑنے والوں کی دُعا و بندگی، حمد و ستائش اور نذر و ہدیہ بھی قبول نہیں کرتا۔ "پھر تمہارے اعمال کے سبب سے خداوند کے مذبح پر آہ و نالہ اور آنسوئوں کی ایسی کثرت ہے کہ وہ نہ تمہارے ہدیہ کو دیکھے گا اور نہ تمہارے ہاتھ کی نذر کو خوشی سے قبول کرے گا، تو بھی تم کہتے ہو کہ سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے کہ خداوند تیرے اور تیری جوانی کی بیوی کے درمیان گواہ ہے۔ تُو نے اُس سے بے وفائی کی ہے اگرچہ وہ تیری رفیق اور منکُوحہ بیوی ہے، اور کیا اُس نے ایک ہی کو پیدا نہیں کیا باوُجودیکہ اُس کے پاس اَور اَرواح موجود تھیں؟ پھر کیوں ایک ہی کو پیدا کیا؟ اِس لئے کہ خدا ترس نسل پیدا ہو۔ پس تم اپنے نفس سے خبردار رہو اور کوئی اپنی جوانی کی بیوی سے بے وفائی نہ کرے۔" [2]

کلام پاک کے اِس حوالہ سے صاف ظاہر ہُوا کہ خداوند خدا شوہر بیوی کے رشتے کا گواہ ہے کیونکہ دونوں نے خدا کے حضور زندگی بھر ساتھ رہنے کا عہد کیا ہے، اور اگر کوئی خدا کے اِس عہد کو توڑے گا تو اُس کی دُعائیں، نذریں اور ہدیے خداوند قبول نہیں کرے گا۔

خدا طلاق سے اِس لئے بھی نفرت کرتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اِیماندار شوہر بیوی کے ملاپ سے خدا ترس نسل پیدا ہو، اور یہ اُسی وقت ممکن ہو گا جب دونوں ماں باپ خدا کے عہد پر قائم رہیں گے اور اپنے بچوں کو بھی خدا کے عہد پر قائم رہنے کی تعلیم دیں گے۔

([1]) ملاکی 2:16

([2]) ملاکی 2:13

عدت:

عدت سے مرادوہ دورانیہ ہے جس کا سامنا مطلقہ عورت کو کرنا پڑتا ہے چونکہ مسیحیت میں طلاق کا تصور مبہم ہے۔ابتدائی تعلیمات کی روشنی میں نکاح کی طرح طلاق کا حکم بھی موجودہے تاہم بعد میں مسیحی ربیوں میں اس قانون میں ترمیم کرتےہوئےطلاق کو مذموم فعل قراردیا۔نیز طلاق کے متعلق مختلف نظریات نے جنم لیا۔بعض کے نزدیک کسی بھی صورت میں طلاق دینا جائز نہیں اور بعض کے نزدیک ذاتی معاملات حتی کہ کوئی دوسری لڑکی پسند آجانے یا کھانا اچھا نہ بنانے پر بھی طلاق کا آپشن استعمال کرنے کی اجازت دی گئی۔مسیحی تعلیمات میں طلاق کاتصور مبہم ہونے کی وجہ سےعدت کے مسائل کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔

عیسائیت میں وراثت کی تقسیم

بنی اسرائیل کےآخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو عیسائی کہتے ہیں۔قرآن مجیدمیں ان کونصاریٰ کہاگیاہے۔انہیں اہل الکتاب اوراہل الانجیل کےنام سے بھی پکارا گیا ہے۔عیسائی حضرت عیسیٰ ابن مریم کوتثلیث کا ایک جزو یعنی خداکابیٹاکہتے ہیں۔اسلام سختی سےاس عقیدہ کا ردکرتا ہےاوراسے باطل قراردیتاہے۔عیسائیت میں وراثت سے متعلق کوئی خاص قانون نہیں ہے۔عیسائیوں نےوراثت کے بارےمیں رومن اوریہودی قانون پر عمل کیاہےاوربعض دوسرےمذاہب کی تعلیمات سے بھی استفادہ کیاہے۔اردن کے ایک عیسائی عالم ڈاکٹر سلیمان مرقس نےاپنی کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلا م کاایک واقعہ لکھاہے کہ ایک آدمی نےعیسیٰ علیہ السلام کےپاس یہ درخواست کی کہ آپ میرےبھائی سے کہیں کہ ہمارےوالد کی جائیدادمیں سےآدھا حصہ مجھےدےتوعیسیٰؑ نےفرمایامجھے کسی نے جائیداد کی تقسیم کرنےوالا قاضی بنا کرنہیں بھیجا۔[1]انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کایہ قول لکھاہواہے"آپ لوگوں کوکوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیےکہ میں کیوں مبعوث کیاگیاہوں۔میں توریت کے قوانین منسوخ کرنے نہیں آیاہوں بلکہ انہیں مکمل کرنےآیا ہوں۔تاکہ انہیں سچا ثابت کروں اور توریت کے احکام اس وقت تک جاری رہیں گےجب تک ان کا مقصد پورا نہ ہوجائے۔[2]

([1]) انجیل متی5:17۔18

([2]) Richard H. Hiers, Transfer of Property by Inheritance and Bequest in Biblical Law and Tradition, JOURNAL OF LAW & RELIGION, 10/121-126, www.rhiers@ufl.edu (accessed on 12.02.2020)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بیس یا بائیس سال بعد عیسائیت نے تورات کے تمام احکامات پر خطِ نسخ پھیر دیا اس لئے اب ان کے ہاں اس پر عمل نہیں ہے۔بلکہ مختلف فرقوں کے ہاں وراثت کے احکام مختلف ہیں۔رچرڈ ایچ ہائرس نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں لکھا ہے کہ انجیل میں وصیت و وراثت کی با ضابطہ کوئی تعلیم نہیں دی گئی ۔ وہ لکھتا ہے:

Virtually all kinds of property appear to have been subject to transfer by inheritance or bequest. Provision for transferring real property (land, fields, and houses) was centrally important in biblical law and tradition. Wealth, generally, and certain particular forms of the same could be inherited or bequeathed e.g., slaves, silver, gold and cattle. Genesis traditions tell that Abraham gave "all that he had" to his son, Isaac. It has even been proposed that in the earliest form of levirate marriage, "the wife, being her husband's property, was passed on, like the rest of his estate, to his heir". No biblical texts indicate that wives, daughters or sisters were regarded as property subject to inheritance or bequest. A few texts suggest that in the absence of other offspring, a slave might inherit, possibly as a "constructive" son, that is a son by operation of law."[1]

(عملی طور پر ہر قسم کی جائیداد کی وراثت یا وصیت کے ذریعہ منتقلی مشروط ہوتی ہے۔بائبل کے قانون اور روایت میں حقیقی املاک (زمین،کھیت اور مکانات)کی منتقلی کا مرکز اہم تھا۔دولت عام اور اس کی کچھ خاص شکلیں وراثت میں مل سکتی ہیں یا اس سے وصیت کی جا سکتی ہے جیسے غلام،سونا اور مویشی وغیرہ۔)

پیدائش کی روایات بتاتی ہیں کہ ابراہیم نے اپنے بیٹے اسحاق کو سب کچھ دیا تھا۔یہاں تک کہ یہ تجویز بھی کی گئی ہے کہ اجارہ داری والی شادی کی ابتدائی شکل میں بیوی اپنے شوہر کی ملکیت ہونے کے ناطے اسکے باقی حصے کی طرح اس کے وارث کو بھی منتقل کر دی جائے۔بائبل کے کسی متن میں یہ اشارہ نہیں ہے کہ بیویوں،بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت یا وصیت کے تحت جائیداد میں حصہ دار قرار دیا گیا تھا۔کچھ نصوص سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری اولادوں کی عدم موجودگی میں ایک غلام کو بیٹا قرار دیا جا سکتا ہے۔ "

عیسائیوں میں رائج شدہ قوانین کے مطابق بیٹے کی موجودگی میں بیٹی میراث سے محروم ہوتی ہے اور یہ پدریانہ اصول بیسویں صدی میں رائج ہوا۔تاہم زیادہ تر عیسائی اس غیر منصفانہ تقسیم کو نہ مانتے ہوئے مرد و عورت کو یکساں حقوق دیتے ہیں۔عیسائیوں میں وراثت کی تقسیم کے حوالے سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"عیسائی مذہب میں اصل قانون کا درجہ بائبل کے عہد عتیق کو حاصل ہے۔اسلیے جو قانون تورات کا ہے وہی قانون عیسائیت کا ہے۔ تاہم عیسائیت میں عورت،یہودیت کے مقابلے زیادہ رسوائی سے دوچار ہے۔ کیونکہ عیسائیوں کے یہاں عقیدہ کفارہ کی بنیاد یہی ہے کہ

([1]) Davies, Eryl W. (2003). The Dissenting Reader Feminist Approaches to the Hebrew Bible. Burlington, Vermont: Ashgate Publishing. p. vii. ISBN 978-0-7546-0372-6. (accessed on 14.02.2020)

حضرت حوا سلام اللہ علیہانے گناہ کیااوروہ گناہ انسانیت کےاندر نسل در نسل منتقل ہوتارہا۔اس لئےعیسائی مذہب میں نکاح سےاجتناب بہتر ہے۔سینٹ پال کہتے ہیں کہ مرد کیلئے اچھا ہےکہ عورت کونہ چھوئے۔چنانچہ عیسائی مذہبی تاریخ میں ایک بڑا حصہ رہبانیت کے غلبہ کا گزراہے جس میں عورت انسانی سماج کے لئےنہایت قابل نفرت چیز تھی اوربچےاپنی ماں سے بھی نفرت کیاکرتے تھے۔پھر عورت کیلئےنکاح کےبعدمرد سےخلاصی کی کوئی راہ نہ تھی اوراس وقت تفریق ہو سکتی تھی کہ عورت بدکاری کی مرتکب ہویادین عیسائیت سےمرتدہوجائے

بائبل کےماہرایرل ڈیو س عیسائیت میں عورت کےمذہبی ومعاشرتی مقام کےحوالےسے لکھتے ہیں:

From the opening chapters of the book of Genesis, where woman is created to serve as man's 'helper' (Gen.2:20-24) to the pronouncements of Paul concerning the submission of wives to their husbands and the silencing of women in communal worship (1 Cor. 14:34;Col.3:18), the primary emphasis of the Bible is on women's subordinate status".[1]

"ابتداء کی کتاب کے ابتدائی ابواب سےیہ واضح ہوتا ہےکہ عورت کومردوں کےمددگا رکی حیثیت سےپیدا کیا گیاہے۔پولس کےبیانات کےمطابق بیویوں کوشوہروں کے تابع کرنےاور اجتماعی عبادت میں خواتین کوخاموش کرنےکےلیے تخلیق کیا گیاہے۔بائبل کابنیادی زورخواتین کی ماتحت حیثیت پرہے ۔

عیسائیت میں عورتوں کویہ حق حاصل ہےکہ وہ اپنےشوہروں کےساتھ مشترکہ طورپر جائیداد کی مالک ہوں سوائے اس کےکہ باپ کی نرینہ اولادنہ ہوتوان کوزمین وراثت میں ملےگی۔یہاں تک کہ ایسے معاملات میں بھی خواتین کوقبیلےکےاندر دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہو گی تاکہ اس کی زمین کے حصول کو کم نہ کیاجا سکے ۔ "

ایک سکالر مائیکل برجر لکھتا ہے:

Property was transferred through the male line and women could not inherit unless there were no male heirs. These and other gender-based differences found in the Torah suggest that women were seen as subordinate to men; however, they also suggest that biblical society viewed continuity, property, and family unity as paramount.[2]

عیسائیت میں صرف مرد کےذریعہ ہی جائیداد منتقل کی گئی تھی۔جبتک مردکامذکروارث نہ ہوتا خواتین کو وارث نہیں بنایاجاسکتاتھا۔ تورات میں پائی جانے وا لے اس طرح کے صنفی اختلافات بتاتے ہیں کہ خواتین کومردوں کےماتحت سمجھاجاتاتھا۔تاہم وہ یہ بھی تجویز کرتے ہیں"بائبل کےمعاشرے میں تسلسل،جائیداد اور خاندانی اتحاد کو اہمیت حاصل تھی۔

([1]) Trible, Phyllis (1984). Texts of Terror: Literary feminist readings of biblical narratives. Philadelphia: Fortress Press. ISBN 978-0-8006-1537-6. (accessed on 14.02.2020)

([2]) McKnight, Scot (1996). 1 Peter: The NIV application commentary. Grand Rapids, Michigan: Zondervan. ISBN 978-0-310-87120-0. (accessed on 14.02.2020)

ایک اور سکالر جیروم کیچ لکھتا ہے :

Adultery was defined differently for men than for women: a woman was an adulterous if she had sexual relations outside her marriage, but if a man had sexual relations outside his marriage with an unmarried woman, a concubine or a prostitute, it was not considered adultery on his part. A woman was considered "owned by a master". A woman was always under the authority of a man: her father, her brothers, her husband, and since she did not inherit, eventually her eldest son. She was subject to strict purity laws, both ritual and moral, and non-conforming sex—homosexuality, bestiality, cross dressing and masturbation—was punished. Stringent protection of the marital bond and loyalty to kin was very strong. [1]"

زنا کی تعریف مردوں کے لئے عورتوں کی نسبت مختلف تھی۔ایک عورت زناکار تھی اگروہ شوہر کے علاوہ کسی اور سے جنسی تعلقات رکھتی لیکن اگر کسی شادی شدہ مرد نے غیر شادی شدہ عورت یا کسی شادی شدہ عورت یا کسی طوائف کے ساتھ جنسی تعلقات رکھے تو اسے زنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔عورت کو "آقا کی ملکیت" سمجھا جاتا تھا۔ایک عورت ہمیشہ مرد کے اختیار میں رہتی تھی بھائی اور شوہر کے اختیار میں۔اور چونکہ اسے میراث سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا،اسے سخت پاکیزگی کے قوانین کا پابند کیا گیا تھا۔

سماجی نکتہ نظر سے بنیادی طور پر میاں اور بیوی پر مشتمل گروہ پر خاندان کا اطلاق ہوتا ہے۔عموماً اس گروہ کا سربراہ مرد ہوتا ہے اگرچہ بعض معاشروں میں یہ سربراہی عورت کو بھی دی گئی ہے۔اس کے برعکس مسیحی تصور خاندان کی بنیاد بائبل کی تعلیمات ہیں ،جن کے مطابق مسیحی خاندان کا سربراہ مرد کی بجائے خود خدا ہے۔اسی ضمن میں پولس رسول [2] لکھتے ہیں:

"میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے"[3]

مسیح خاندان کا سربراہ خدا ہے اس لیے اسکی سربراہی کے بغیر اس کا قائم رہنا ناممکن ہے،چنانچہ افراد خاندان کے لیے لازم ہے کہ اپنے سربراہ کی مرضی جاننے اور اس کو پورا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔جب کسی خاندان کے افراد خدا کی مرضی کے برعکس عمل کرتے ہیں تو ایسا خاندان تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

کسی بھی خاندان کو قائم رکھنے کے لیے اس کے افراد کے تعلقات میں باہمی توازن بنیادی بات ہے اور تعلقات میں توازن برقرار رکھنے کے لیے ہر فرد کا یہ جاننا ضروری ہے کہ خدا نے اسے اس خاندان میں کیا حیثیت و مقام اور ذمہ داری دی ہے؟خدا کی طرف سے مقرر کردہ معیار کے مطابق زندگی بسر کرنے والا خاندان ہی خدا کی برکات سے بیض یاب ہو پاتا ہے۔

([1]) . Hauptman, Judith (2005). "Women". In Blumenthal, Jacob; Liss, Janet L. (eds.). Etz Hayim Study Companion. New York: The Jewish Publications Society. ISBN 978-0-82760-822-1. (accessed on 14.02.2020)

([2]) یسوع مسیح کے رسول اور مسیحی علمِ الٰہیات کے مبلغ اور مفسر، عہد نامہ جدید کے کئی اہم خطوط کے مصنف

([3]) ایضا

His blessing on those who enter marriage within hiz pattenr still exists. He still says that finding a wife is finding a "good thing" and he still considers honorable courtship to be a wonderful thing.[1]

عیسائیت ،یہودی مذہب کا تسلسل ہے۔دیگر معاملات کی طرح یہودیت اورعیسائیت کے خاندانی نظام میں قدرے یکسانیت پائی جاتی ہے۔عیسائیت میں بھی خاندان کی بنیاد ایک مرد وزن کے جوڑے کے ذریعے رکھی جاتی ہے۔جس کے لیے باقاعدہ نکاح اور شادی کا تصور موجود ہے۔عیسائیت میں نکاح کی تعریف درج ذیل میں کی گئی ہے:

Canon law (canon=rule) is the term applied to all the rulew which determine the disciplinary funxtion of the church. In respect of marriage this law tells ud the conditions under which the authority of the Cathlic church recognizes marriage as authentic (its validity) and what it believes that the charcter of marriage should, so it defines the essential for real accord, the consent of the partners to become a couple and the recognition of this by the community. (2)

ایک اصطلاح ہے جو ان تمام اصولوں پر لاگو ہوتی ہے جو چرچ کے نظم و ضبط کا تعین کرتی ہے۔ شادی کے سلسلے میں یہ قانون ان شرائط کو بتاتا ہے جن کے تحت کیتھلک چرچ کی اتھارٹی شادی کو مستند تسلیم کرتی ہے (اس کی توثیق) اور اس کا کیا خیال ہے کہ شادی کا کریکٹر ہونا چاہیے، لہذا یہ حقیقی معاہدے کے لیے اس کی رضامندی کی ضروری وضاحت کرتا ہے۔

([1]) Daniel H. Smith,god Bluerprint for your maariage,Emmaus Bible College United States of America, 1989,p.17,18

([2]) Jean.Pierre Bagot,How to understand marriage,Sem Press Ltd,26-30 Tottenham Road London,p.55

فصل دوم : افرادخاندان کے حقوق وفرائض

عیسائیت دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ پھیلے ہوئے مذاہب میں سے ایک ہے جس کے دنیا بھر میں دو ارب سے زیادہ پیروکارو متبعین ہیں۔اس کی ابتدا دو ہزار سال قبل عیسیٰؑ مسیح کی تعلیمات کی بنیاد پر ہوئی تھی جن کو عیسائی حضرات نعوذ باللہ ابن اللہ اور مسیحا مانتے ہیں۔ یہ مذہب بائبل، خاص طور پر نئے عہد نامہ میں پائی جانے والی تعلیمات کے مطابق محبت، ہمدردی،عفو در گزر اور اخلاقی زندگی گزارنے کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ عیسائیت کے بنیادی اصول میں سے ایک خاندان کا احترام ہے، خاص طور پر اپنے والدین کی عزت اور خدمت کرنا اس مذہب کی اہم ترین ضرورت قرار دیا گیا ہے، اسے نہ صرف اخلاقی فرض تصور کیا جاتا ہے بلکہ خدا کا حکم بھی سمجھا جاتا ہے۔

عیسائیت میں والدین کی عزت اور احترام کی اہمیت عہد نامہ جدید کی تعلیمات و ہدایات میں واضح طور پر درج ہیں جو والدین کی خدمت اور عزت کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں جن سے بائبل کے دوسرے حصے عہد نامہ قدیم میں پائی جانے والی اقدار کو بھی تقویت ملتی ہے۔عیسائیت کی مرکزی تعلیمات میں سے ایک جس پر خود عیسیٰؑ مسیح نے روشنی ڈالی ہے بچوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کی دیکھ بھال کریں خاص طور پر بڑھاپے میں،بائبل کے مطابق عیسیٰؑ مسیح نے فریسیوں کو مذہبی فریضے کی آڑ میں اپنے والدین کو نظر انداز کرنے پر خبردار کیا تھا اور آپ نے نشاندہی کی تھی کہ والدین کی عزت کرنے کے خدا کے حکم کو انسانی روایات یا تشریحات کے ذریعے رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

افسیوں کے نام خط میں بھی والدین کی عزت کرنے کے حکم کی تاکید کرتے ہوئے دہرایا ہے کہ " وعدہ کے ساتھ پہلا حکم"ہے۔ یعنی وہ بتاتا ہے کہ اپنے والدین کی عزت کرنے سے بچے لمبی عمر ،تندرستی اور خدا کی نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ یہ حکم نہ صرف اس فرض کی روحانی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ والدین کی خدمت کا براہ راست تعلق ذاتی اور سماجی ہم آہنگی سے ہے۔ یہ تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ والدین کی خدمت اور ان کا احترام و عزت کرنا صرف ایک قانونی فریضہ نہیں ہے بلکہ خدا کو خوش کرنے والی اور زندگی گزارنے کا ایک لازمی حصہ ہے۔

پولس رسول تیمتھیس اول باب آٹھ آیت پانچ میں ایک خط میں اپنےخاندان کو نظر انداز کرنےکے سنگین نتائج کی طرف اشارہ کرتےہوئےلکھتاہےکہ "جو شخص اپنے رشتہ داروں اور خاص طور پر اپنے گھر والوں کی حفاظت نہیں کرتا اس نے ایمان کا انکار

کیا اوروہ اس سے بھی بدتر ہے۔ پولس کے خط کا یہ حصہ اس فرئضہ کی سنجیدگی کو واضح کرتا ہے کہ اولاد کو اپنے والدین کی دیکھ بھال کرناہےاور ایساکرنےمیں ناکامی کوعیسائی اقدار کےانکار کےطور پر دیکھاجاتاہےاورالدین کی خدمت کو کسی شخص کے عقیدے کےساتھ وابستگی کی عکاسی کےطور پردیکھاجاتاہے، اور یہ مسیحی زندگی کی برادری اورخاندان پر مبنی فطرت کو تقویت دیتا ہے۔

والدین کی خدمت کے تعلق سے عہد نامہ جدید کی تعلیمات اطاعت و فرمانبرداری سے بالاتر ہیں، ان میں محبت، دیکھ بھال اور مدد فراہم کرنے کی گہری روحانی ذمہ داری بھی شامل ہے۔ اس فرض کو مسیح کی محبت کو زندہ کرنے کے طریقے کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس نے بے لوثی اور ہمدردی کو مسیحی رویے کے بنیادی اصولوں کے طور پر سکھایا اور بڑھاپے میں والدین کی خدمت کرنا شکر گزاری، احترام، اور خدا کی مرضی کی فرمانبرداری کا اظہار قرار دیا ہے۔

آج کے ترقی یافتہ اور انفرادیت پسند معاشرے میں خاندانی نگہداشت کی روایتی اقدار خاص طور پر بوڑھے والدین کے لیے آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہیں۔والدین کے ساتھ بدسلوکی اور ان کو گھر بدر کرنا عام ہو گیا ہے خاص کر ان علاقوں اور معاشروں میں جہاں آزادی اور ذاتی کامیابی پر توجہ اکثر خاندانی ذمہ داریوں کو زیر کر دیتی ہے۔ یہ تبدیلی بوڑھے والدین کی بڑھتی ہوئی تعداد میں ظاہر ہوتی ہےجنہیں اولڈ ایج ہومز میں رکھنا یا مناسب دیکھ بھال اور مدد کے بغیر چھوڑ دینا ایک روایت بن گئی ہے۔اگرچہ یہ ادارے جسمانی نگہداشت تو فراہم کر سکتے ہیں لیکن جذباتی اور روحانی ضرورت جو فطری چیز ہوتی ہے اس سے خالی ہوتے ہیں یہ صورت حال خاص طور پر یوروپ اور امریکہ جیسے معاشروں میں تشویشناک ہے جہاں والدین کو دیکھ بھال کی سہولیات میں رکھنے کا رواج زیادہ عام ہو گیا ہے۔

والدین کے ساتھ بدسلوکی جس میں غفلت، بے عزتی، اور ایسے اداروں میں رکھنا ان مسیحی ہدایات اور اخلاقی اقدار کے خلاف ہے جو اپنے والدین کی عزت اور دیکھ بھال پر زور دیتی ہے کہ اولاد اپنی ذاتی اور پیشہ وارانہ زندگی میں مصروف رہتے ہوئے اپنے بوڑھے والدین کو وہ احترام ،خیال ،محبت اور توجہ دینے میں ناکام رہتے ہیں جس کی انہیں ضرورت ہے۔ زندگی کا دباؤ، گھریلو جھگڑے اور آپسی اختلاف اکثر ایسی صورت حال پیدا کرتے ہیں جہاں بزرگوں کو خاندان کے افراد کے طور پر احترام اور دیکھ بھال کے مستحق ہونے کی بجائے ایک بوجھ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ والدین کی خدمت میں یہ غفلت نہ صرف جذباتی تکلیف کا باعث بنتی ہے بلکہ یہ عیسائیت کی بنیادی اقدار کے بھی خلاف ہے جو یہ سکھاتی ہے کہ والدین کی خدمت اور عزت کرنا ایک مقدس فرئضہ ہے۔ یہ رواج مغربی معاشروں میں زیادہ پایا جاتا ہے جہاں آزادی کی روایت وثقافت کے سبب خاندانی بندھن دن

بدن کھوکھلا اورکمزور سے کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ عیسائی سیاق و سباق میں یہ رجحان پریشان کن ہے کیونکہ یہ والدین کی عزت کرنے اور بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال کرنے کے مسیحی حکم سے انحراف کااشارہ دیتا ہے۔یہ نا مناسب عمل نہ صرف سماجی ناکامی کی نمائندگی کرتاہےبلکہ روحانی ناکامی کی بھی وجہ ہے۔

اس طرح کی کوتاہی کے نتائج بہت پریشان کن اور تکلیف دہ ہوتے ہیں نہ صرف ان والدین کے لیے جو تنہائی اور گھر سے نکالے جانے کا شکار ہوتے ہیں، بلکہ ان کے لیے بھی جو خود کو اپنی خاندانی اور مذہبی ذمہ داریوں سے دور پاتے ہیں۔ مسیحی ہدایات سکھاتی ہیں کہ والدین کی خدمت کرنے سے برکت ملتی ہے اور خاندانی اتحاد مضبوط ہوتا ہے۔ جب ان اقدار کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس سے ایک جذباتی اور سماجی خلا پیدا ہوتا ہے جو افراد اور برادری دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ والدین کو چھوڑنے سے گھر اور معاشرے کو گہری دانشمندی اور جذباتی تعلق کو کھونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے جو بزرگوں کی دیکھ بھال سے حاصل ہوتا ہے جس سے خاندانی اتحاد کو برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

عیسائیت میں اپنے والدین کی دیکھ بھال کو صرف ایک فرض کے طور پر نہیں بلکہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ تیمتھیس اول میں ' ' لیکن اگر بیوہ کےبچےیاپوتے ہیں تو انہیں پہلےاپنی راستبازی کومانناسیکھناچاہیے،یعنی اپنےخاندانوں کی کفالت کرنا اور اس طرح اپنے والدین کی کفالت کرنا۔ اور دادا دادی کے قرضے ادا کرنا کیونکہ یہ خدا کو خوش کرتا ہے"۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ والدین کا خیال رکھنا خاص طور پر بڑھاپے میں مسیحی عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا ایک لازمی پہلو ہے۔

افسیوں کے نام خط میں ہے " بچو، خداوند میں اپنے والدین کی فرمانبرداری کرو کیونکہ یہ درست ہے، اپنی ماں اور باپ کی عزت کرو یہ پہلا حکم ہے اس کے ساتھ ایک وعدہ بھی ہے یہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے ساتھ خیریت ہے اور آپ زمین پر لمبی عمر پا سکتے ہیں "۔ اس میں پولس بچوں کے اپنے والدین کے فرمانبردار اور ان کا احترام کرنے کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور یہ حکم اطاعت کرنے والوں کے لیے برکتوں کا وعدہ کرتا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ ،تیز رفتار اور انفرادیت پسند دنیا میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ عیسائی جدید زندگی کے دباؤ میں اپنے والدین کا خیال رکھنے کی اقدار کو نظر انداز کرکے مسیحی تعلیمات کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں، آج کے عیسائی والدین کو دیکھ بھال والے اداروں میں بھیج کر خود کو دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم مسیحی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے

کہ اولڈ ایج ہومز جیسے ادارے ضروری خدمات تو فراہم کر سکتے ہیں لیکن اولاد اور خاندان کے افراد کی طرف سے جو جذباتی اور روحانی دیکھ بھال، عزت و احترام ملتا ہے یہ ادارے وہ روحانی سکون اور خوشی نہیں دے سکتے ہیں۔

مجموعی طور پر عیسائیت کی تعلیمات والدین کی خدمت اور احترام پر زور دیتی ہیں اسے ایمان کا بنیادی حصہ بناتی ہیں۔ تاہم والدین کو اولڈ ایج ہوم میں رکھنے کا جدید سماجی رجحان خاص طور پر یوروپ اور امریکہ جیسے خطوں میں ان اقدار سے انحراف کو ظاہر کرتا ہے۔ عیسائیت اولاد سے اپنے والدین کو جذباتی اور جسمانی طور پر مدد فراہم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور بڑھاپے میں ان سے محبت اور احترام کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیتی ہے۔

مسیحی تعلیمات اس تعلق سے واضح رہنمائی فراہم کرتی ہے اور عیسائی پیروکار و متبعین کو یاد دلاتی ہیں کہ اپنے والدین کی خدمت کرنا ان کے ایمان اور خدا کے احکام کی اطاعت کا عکاس ہے۔

باب پنجم:

اسلام میں خاندانی نظام کا تصور

فصل اول: اسلام میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام

فصل دوم: میاں بیوی کے حقوق وفرائض

فصل سوم: والدین،اولاد اور دیگر افراد کے حقوق وفرائض

فصل اول: اسلام میں خاندانی نظام سے متعلق اہم احکام

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا حامل دین ہے۔اسلام نے دیگر شعبوں کی طرح خاندانی نظام کاتصور بھی ایک مخصوص اندازمیں پیش کیاہے۔اسلام نے خاندان کی بنیادکو بطریق احسن تشکیل دینے پرزوردیاہے۔خاندان ایک ایسا ادارہ ہےجو خاوند اور زوجہ کے مختلف رشتےداروں سے تشکیل پاتاہے،یہ بیوی یہ ہے جو وقت آنے پرماں کے عظیم منصب پرفائزہونے کی وجہ سےاولاد کےلیے جنت قرار پاتی ہے۔میاں اور بیوی سے والدین بننے سے اولاد کی تمام تر ذمہ داریوں کابوجھ ان کے کندھوں کو جھکنےپر مجبور کردیتاہے جن کو نبھانےکے لیے خالق کائنات نےپہلے سےاپنی نگرانی میں ان کے لیے ہدایات کا انتظام کررکھا ہے۔ان ہدایات کا سب سے پہلے پابند اپنے برگزیدہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بنایا۔

خاندان کی صحیح تعمیر پیغمبروں کے ذریعہ ہی ممکن ہے:

یہ ایک ایسی حقیقت ہےجس سے انکار ممکن نہیں کہ ہر خاندان مثالی نہیں ہوسکتا۔مختلف معاشروں میں مختلف اقسام کے لوگ بستے ہیں ہر ایک معاشرے کا اپناالگ مستقل طورطریقہ ہےجس کے مطابق وہا پنی زندگی بسر کرتے ہیں۔جہاں چند لوگ مل کررہتے ہیں وہاں اختلافات کا پایا جانا کوئی نئی بات نہیں۔لہٰذابہت سے خاندانوں میں مختلف قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں جس کی بناء پر ان کے باہمی تعلقات بگاڑ اور فساد کاشکارہوسکتے ہیں۔اور نوبت یہاں تک آن پہنچتی ہے کہ باہمی حقوق وفرائض کی ادائیگی کی بجائےایک دوسرے کو پہچاننے کے منکر ہوجاتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ خاندانی نظام کی خرابی نہیں ہے بلکہ ذاتی دشمنی،بغض وعناد،حسد،کینہ اورذاتی مفادات و اغراض کا تصادم ہے۔جس صورت میں افراد کے ذاتی مفادات خاندانی نظام سے بالاتر ہوجاتے ہیں اور وہ خاندانی نظام کے اصولوں کی پرواہ نہیں کرتے توہی وہ وقت ہوتا ہے جب اس کی تقدیس پامال ہونے لگتی ہے اور اسے نقصان کرنا پڑتاہے۔اس کی روک تھام کےلیےضروری یہ ہے کہ افرادخاندان کو خاندان کی اہمیت کو سمجھیں اوراس کا تقدس سبوتاژ ہونے سے بچانے کی غرض سے عملی کوشش کریں۔اور یوں ذاتی مفادات کی وجہ سے پیدا ہونے والے ہر نقصان کا ازالہ کریں۔

اس کائنات پراللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں کے احسانات بہت سارے ہیں انہیں احسانات میں سے ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ خاندان میں رونماہونے والےہر فسادوبگاڑ کی ہدایات ربانی کے ذریعےاصلاح کرتے اور صحیح معنوں میں اس کی تعمیر کا فرض بطریق احسن نبھاتے ہیں۔خاندان کو امن وسکون کا گہوارہ اور ایک مثالی ادارہ بنانا ان کی اولین ترجیح اور کوشش ہوتی ہے۔اور پیغمبر اپنی خداداد تعلیمات کے ذریعے خاندان کو منظم ادارہ کی شکل دیتے ہیں جس سے معاشرے میں نکھار آتاہے اور ہر طرح کی بدامنی و بےچینی سے چھٹکارہ حاصل ہوجاتاہے۔

ان برگزیدہ اور پاک ہستیوں نے خاندانی یا عائلی زندگی نمونہ کےطورپر گزاری اوراس کے تمام الہامی تقاضے پورےکیے۔قرآن مجید میں متعدد پیغمبروں کی بیویوں کا،ان کی اولاد اور خاندان کے دوسرے کا ذکرکیا ہے۔جس سے پیغمبروں کے اپنے اہل خاندان سے تعلقات ،ان کی

محبت،ہمدردی، اخلاص اور خیر خواہی نیز اہل خاندان کا ان کے ساتھ رویہ اور ان کی حمایت ومخالفت کی تفصیل ہم پر تاریخ کے مطالعے سے عیاں ہوجاتی ہے۔

خاندان کی دینی حیثیت:

خاندان صرف سماجی اور معاشرتی ادارہ ہی نہیں بلکہ یہ دینی اور اخلاقی حیثیت کا بھی حامل ہے۔جو شخص عائلی زندگی گزارتا ہے وہ درحقیقت پیغمبروں کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتاہےجس کے ذریعے سے انسان اپنی سیرت و اخلاق کو بلند کرتاہے۔

اسلام نے اجتماعی زندگی میں خاندان کو ایک بنیادی حیثیت کا حامل قرار دیاہےنیز اسلام نے مطلوبہ خاندان کے خدوخال واضح کیے ہیں۔اسلام نے ازدواجی زندگی،اس کی ذمہ داریاں اس کے مسائل،اہل خاندان سے تعلقات، ان کے حقوق اور ان سے متعلقہ تمام امور پر تفصیلی ہدایات متعارف کروائی ہیں نیز اپنے ماننے والوں کو ان کا پابند بنایاہے۔

خاندان ایک ایسادارہ ہےجس کے مختلف اجزاءہیں جنہیں اجزائے ترکیبی کےنام سےموسوم کیاجاتاہے،ان اجزائے ترکیبی میں مرد و عورت،اولاد،والدین اوردیگررشتےدارہیں۔اس حوالے سےجومتعلقہ امورزیربحث آتےہیں وہ عورت کی حیثیت،نکاح وطلاق،تربیت اولاد، حقوق والدین ،صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی ہیں۔ان کی تفصیل ذیل یں بیان کی جاتی ہے:

خاندان میں عورت کی حیثیت:

عورت خاندانی نظام کی وہ بنیادواساس ہے جس کے بغیر خاندان کا تصور کرنابھی ناممکن ہے۔چونکہ خاندان مرز وزن دونوں کے اشتراک سے معرض وجود میں آتاہےاگر عورت نہ ہوتواکیلا مرد خاندان کی بنیاد بھی نہیں رکھ سکتا۔اس قدر اہمیت کے باوجود یہ عورت لمبے عرصے سے ظلم و ستم کا شکارہی۔خالق کائنات نے تو عورت کوبھی اسی مٹی سے بنایا جس مٹی سے مرد کو بنایا اور مرد کی عورت کے جسم میں روح اور شعور ڈالااسکے باوجودعورت کواپنے ساتھ مٹی کی مرتیوں جیساسلوک برداشت کرناپڑا۔نذر کی بھینٹ اس کو چڑھا دیا جاتا،اس پر جوا کھیلا جاتا اورجوئے میں ہار کی صورت میں دےدیاجاتا،شیطان کا دروازہ،گناہ کا سرچشمہ،تمام برائیوں کی جڑ،کہیں غلاظت کی بوری اور کہیں انسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ گرداناجاتا۔اس کے حقوق کی پامالی اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔جب اس کی شادی کا وقت ہوتا تواس کی رضامندی تو درکنار اس کی رائے کی کوئی اہمیت نہ ہوتی بلکہ رائے لینے کا تصور تک بھی نہیں تھا۔اسلام کی آمد سے قبل زمانہ جاہلیت میں عورت اس سے بھی کہیں بدتر حالات کا شکار تھی جن میں عورت بے چارگی کی زندگی بسر کررہی تھی۔ نیز عورت کا پیدا ہونا ہی باعث عار سمجھی جاتا تھا جس کی وجہ سے اسے زندہ درگور کردیاجاتاتھا جس کو قرآن مجید درج ذیل الفاظ میں بیان کیاہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾[1]

[1] النحل:۱۶/۵۸

(ان میں سے جب کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے ، اس بری خبر کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو ساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے،افسوس! وہ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟)

خاندان کی اہم اور بنیادی اساس(عورت) کی بے بسی اور لاچاری کا اگر یہ عالم ہو تو خوشی کے لفظ کی کوئی وقعت نہیں رہتی اور فضول بن کر رہ جاتا ہے۔ خاندان کی رنگینیاں مانند پڑ جاتی ہیں۔اسلام میں عورت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن مجید میں عورتوں کے نام پر ایک مستقل سورۃ ،سورۃ النساء ہے جس سے عورت کا مقام و مرتبہ اور بڑھ جاتا ہے یہ عورت کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے ۔اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے اہم حق عورتوں کو زندہ رہنے کا ملا ہے۔اسلام نے عورت کے وجود کو نا صرف تسلیم کیا بلکہ ساری دنیا سے تسلیم کرایا۔

روزِ قیامت پہلا مقدمہ:

اسلام سے قبل عورت ذلت و پستی کے اس مقام پر تھی کہ جہاں والد جیسا شفیق سہارا بھی اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے اور اسے صحرا کی وسعتوں میں زندہ گاڑ آتا تھا۔قرآن مجید میں ارشاد باری ہوا:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾[1]

اور جب (قیامت کے دن) زندہ دفن کی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس گناہ کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا ؟۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾

(اے لوگو! اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے۔)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نفسِ واحدہ فرما کر عورت اور مرد کے بحیثیت انسان حقوق ،اجر وثواب اور سزا میں برابری کو بیان فرمایا ہے۔اسلام سے قبل عورت کی تحقیر،تذلیل اور اسے قتل کرنا عام تھا۔نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ایک صحابی حاضر ہوئے،اپنی بیٹی کو زندہ درگور کرنے کا واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو آپ ﷺ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔حدیث پاک میں فرمانِ نبوی ﷺ موجود ہے:قیامت کے دن سب سے پہلا مقدمہ زندہ درگور کی جانے والی بچی کا پیش ہوگا۔وہ بدنصیب بچیاں جو زندہ درگور ہونے سے بچ جاتیں پھر ان کی زندگی عذابِ مسلسل کا نمونہ ہوتی۔

---

[1] التکویر:۱ ۸،۹/۸

خاندان معاشرے کی اساس ہے:

خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جسے چھوٹامعاشرہ کہاجاسکتاہےکیونکہ خاندان کی فلاح وبہبود میں معاشرے کا کلیدی کرداراہے۔خاندان کا چھوٹا اور بڑا ہونا معاشرے کا حصہ ہے۔ان کے مجموعے سے سماج اور معاشرہ وجود پکڑتاہے۔ خاندان اور معاشرے کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے۔خاندان کےاستحکام و عدم استحکام سے معاشرے کا استحکام و عدم استحکام وابستہ ہے۔خاندان کی مضبوط بنیادوں سے معاشرے کو مضبوطی اور استواری حاصل ہوتی ہے،یہ اگرکمزور ہوتو پورا معاشرہ ضعف و کمزوری کا شکار ہوجاتاہے۔ایک ایک اینٹ کی مضبوطی سے پوری عمارت مضبوط ہوتی ہے،خام اور کمزور اینٹوں سے مضبوط عمارت کا تصور نہیں کیاجاسکتا۔

خاندان وہ بنیادی پتھر ہے کہ اس کے اپنی جگہ سے ہٹنے کی وجہ سے پورے معاشرے کی چولیں ہل جاتی ہیں نیز تعلقات میں فساد وبگاڑ رونما ہونے لگتاہے۔خاندان کے ٹوٹنےسے وہ دائرہ یا سرکل ٹوٹ جاتا ہے جس سے انسان کا قلبی تعلق ہوتاہے۔وہ لوگ جنہیں انسان اپنا سمجھتا ہے ،وہ اس سے انتہائی قریب ہوتےہیں وہ بھی دور چلے جاتے ہیں اور ان کے مابین ایک دوسرے سے باہمی تعاون بھی ختم ہوجاتاہے۔ خاندان کی وجہ سے وجود میں آنے والے تمام تعلقات اوراس کی بقاء سے وابستہ اس کے ٹوٹتے ہی ختم ہوجاتے ہیں۔ جس کی پاداش میں انسان سکون کی دولت سے محروم ہوجاتا ہے۔خاندان کا ٹوٹنا کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔یہ اتنا بڑا خسارہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ زیادہ عرصہ تک اس کو برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوتا۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک خاندان اگرچہ ایک مرد وعورت کےعقدنکاح وبندھن اور ان کے بچوں سے وجودمیں آتاہے لیکن جب اس میں شوہر کے والدین اورخونی رشتے دار بھی شامل ہوجائیں تواس سے ایک وسیع خاندان تشکیل پاتاہے۔پھر اسلامی شریعت کی خصوصیات میں سےیہ ہےکہ اسلام نسب و نسل کی حفاظت کو شریعت اسلامیہ کاعمومی وبنیادی مقصد شمار کرتاہے۔[1]

قرآن کے مطابق انسان کے لیےمردوزن کے جوڑے کوپیدا کرناباعث اطمینان اور وجہ تسکین قراردیاگیا ہے۔اسلام ایک ایسادین فطرت ہے جس نے اس کرہ ارضی پراس کی ہر فطری ضرورت کا ناصرف اہتمام کیابلکہ جنس مخالف کی صورت میں اس کو خوبصورت ساتھ عطا کیا تاکہ وہ زندگی میں آنے والی تمام خوشیوں میں شریک ہواورپیش آمدہ پریشانیوں میں مددگار بنے۔اسی ضمن میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [2]

([1])خالدرحمن، سلیم منصور، عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ،انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈی،اسلام آباد۲۰۰۷ء، ص:۴۷

([2])سورۃالروم:۳۰/۲۱

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سےایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری تسکین کےلیے تمہاری جنس سے بیویاں پیداکیں ،اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان اور نرم دلی کو قائم فرمادیا اور اس میں یقیناغوروفکر سےلینے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔)

اس محبت ومودت کے حسین رشتے کو بہت ہی خوبصورت اندازمیں قرآن مجیدان الفاظ میں بیان کیاہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [1]

وہ عورتیں تمہارے لیے اورتم ان کے لیے لباس ہو۔

اس آیت میں میاں کو ایک دوسرے کےلیے لباس قرار دیاگیا اور لباس ایسی چیزہے جو انسان کے جسم سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور ہمیشہ ساتھ ملی رہتی ہے اور اس کا پردہ کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتی ہمیشہ اس پردہ پوشی کرتی ہےاور اس کو خارجی فضا کے نقصان دہ اثرات سے حفاظت کرتی ہے۔یہ تعلق ناصرف نفسیاتی تسکین ،اخلاقی تحفظ اور انسانی داعیات کی تکمیل کاسبب بنتا ہے بلکہ اس کےساتھ ساتھ نسل انسانی کا تحفظ اور بقاء کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔اسی ضمن میں ارشاد ربانی ہے:﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [2]

(اے لوگو!ڈرو اس پروردگارسے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے تخلیق کیاہے اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنادیا اور پھر آگے ان دونوں سے بہت سے مرداور بہت سی عورتیں دنیامیں پھیلا دیئے،اس اللہ سے تقویٰ اختیار کروجس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہونیز رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنےسے بچو،یقینا اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہارا نگہبان ومحافظ ہے۔)

امام طبری نے اس آیہ مذکورہ کی درج ذیل الفاظ سے تفسیر کی ہے:

"ومنبّهَهم بذلك على أن جميعهم بنو رجل واحد وأم واحدة= وأن بعضهم من بعض، وأن حق بعضهم على بعض واجبٌ وجوبَ حق الأخ على أخيه، لاجتماعهم في النسب إلى أب واحد وأم واحدة= وأن الذي يلزمهم من رعاية بعضهم حق بعض، وإن بَعُدَ التلاقي في النسب إلى الأب الجامع بينهم، مثل الذي يلزمهم من ذلك في النسب"(3)

یہ آیت اس پر متنبہ کرتی ہے کہ سب کے سب مرد واور عورتیں ایک مرووعورت(حضرت آدم اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا)کی اولاد ہیں اور ان کے ایک دوسرے پرباہمی حقوق وفرائض ہیں،چنانچہ ایک بھائی کا دوسرےبھائی پر حق واجب ہے ،اور

([1])سورۃالبقرۃ:۲/۱۸۷

([2])سورۃالنساء:۴/۱

([3]) طبری،ابن جریر،جامع البیان فی تاویل القرآن،ص:۷/۵۱۲

بیشک یہ سب نسب میں ایک باپ اور ایک ماں کےنسب میں ایک ہیں،چنانچہ نسب میں برابری کی وجہ سےایک دوسرے کے حقوق کی رعایت رکھنا لازم قراردیاگیا ہے۔

دیگر مذاہب کی طرح اسلام میں بھی بقائے نسل انسانی کےلیے شادی کا حکم دیاگیااورا س کی حفاظت کے لیے حسب و نسب کو اختلاط سے محفوظ رکھنے کےلیے زنا کوحرام قراردیاجس کی حرمت کے لیے قرآن مجید واضح حکم موجودہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾[1]

نکاح کرو تم جو تمہارے دل کو بھلی لگے دودو،تین تین اور چارچار عورتوں سے۔

مذکورہ آیت میں اس بات کی تائیدموجودہے کہ ہر انسان کی اصل ایک انسانی جوڑاہےاوروہ حضرت آدم اور حضرت حوا سلام اللہ علیہما ہیں،تمہاری قومیں اور قبیلے محض پہچان کیغرض سے بنائے گئے ہیں،لہذاانہیں مل جل کر زندگی بسر کرنی چاہیےاور ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[2]

(لوگو!ہم نے تمہیں ایک مرد اورایک عورت سے پیداکیااور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکوبدرحقیقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاں تم میں سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی زندگی کی بقاء اور افزائش نسل کےلیے جانداروں کے جوڑے پیداکیے:

﴿فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ﴾[3]

(اس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے جوڑے پیداکیےاور اسی طرح جانوروں سے بھی انہی کےہم جنس جوڑے پیدا کیےاور اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہاری نسلوں کو پھیلاتاہے۔)

اسی طرح رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نےانسانوں کےخود ساختہ غرور وتکبر کوختم کرنے کی غرض سے فرمایا:

((يا معشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخواة الجاهلية وتعظيمهابالاباء ,الناس من ادم وادم من تراب))[4]

(اے گروہ قریش!اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کو غرور اور اس پر فخر کرنے کودورکردیا،لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔)

([1])سورۃالنساء:۳/۴

([2])سورۃالحجرات:۱۳/۴۹

([3])سورۃالشوریٰ،۱۳/۴۲

([4]) ابن ہشام،السیرۃالنبویۃ،ط،مصطفی البابی،مصر،س،ن،ص:۹۵

گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی کے ذریعے جاہلیت کے غرور کاخاتمہ فرمایا نیز انسان کےاندر غرور وتکبر کو ختم کرنے کی غرض سے انسان کی اصلیت بیان فرمائی کہ اے انسان!تو جس پر اتراتاہے وہ تجھے زیبا نہیں کیونکہ تو ایک حقیر چیز سے بناہے لہذاتجھے اس پر اترانے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے تجھے اشرف المخلوقات میں پیدا کیاہے۔

نکاح و طلاق:

اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندان کی بنیادی اکائی نکاح ہے۔نکاح کیا ہے؟اس کی حقیقت سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے نکاح کا لغوی و اصطلاحی مفہوم سے آگاہی ضروری ہے۔ذیل میں اسی سے حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔

نکاح کا لغوی مفہوم:

نکاح،دینِ اسلام کےمعاشرتی وخاندانی نظام کابنیادی اور اہم رکن ہے،جس کے ذریعے زوجین کو حلال طریقے سے ازدواجی رشتے میں منسلک کیا جاتاہے۔نکاح عربی زبان کالفظ ہے جس کا اصل معنی بیان کرنے میں اہلِ لغت کے مابین کثیر اختلاف پایا جاتاہے۔ایک گروہ کے نزدیک نکاح وطی اور عقد کے درمیان مشترک لفظ ہے۔اس موقف کی تائید قاموس المحیط سے بھی ہوتی ہے:

النِّكاحُ: الوَطْءُ، والعَقْدُ لَهُ.[1]

نکاح کا اطلاق وطی اور عقد دونوں پر ہوتاہے۔

دوسرے گروہ کاموقف ہے کہ نکاح بھی ایک قسم کاعقدہ ہے،جس کااصل معنٰی عقدہےاوروطی کے معنٰی میں مجازی طورپر استعمال ہوتاہے۔اس موقف کی تائید امام راغب اصفہانی کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

والعُقْدَةُ: اسم لما يعقد من نكاح أو يمين أو غيرهما[2]

عقدہ کا اطلاق ہر اس اسم پر ہوتاجس کا عقد کیا جائے چاہے وہ نکاح ہو،قسم ہویا ان کے علاوہ کچھ اورہو۔

نکاح کا اصطلاحی مفہوم:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق مردوزن کاملاپ اصطلاحی طور پر نکاح کہلاتاہے۔ارشادِ نبوی ہے:((النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))"[3]

([1]) القاموس المحيط، مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب الفيروز آبادي، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، ط، ثامن، 1426ه- 2005، ۲۲۶/۱

([2]) المفردات في غريب القرآن، المؤلف: أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني، دار القلم، الدار الشامية- دمشق بيروت، ط، اولى 1412ه-، ۵۷۷/۱

([3]) ابن ماجه، محمد بن يزيد أبو عبد الله القزويني سنن ابن ماجه، (دار الفكر بيروت) كتاب ا لنكاح، باب ماجاء في فضل ا لنكاح، ح نمبر، ۱۸۴۶

(نکاح میری سنّت ہے اور جس نے میری سنّت پہ عمل نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔)

نکاح بنیادی طورپر مردوزن کے مابین حقوق وفرائض کا ایک زبانی/تحریری معاہدہ ہوتاہے،جس کے ذریعے مردوزن کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا جاتاہے۔نکاح اصل میں ایک عقدہے۔جسکو کم سے کم دومسلمانوں کی گواہی سے مشروط کیاگیاہے۔

قرآن میں ارشادِ ربانی ہے

﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾[1]

(اوراپنے مردوں میں سےدوگواہ بنالو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے۔)

قرآنی آیت میں اولاًدومردوں کو بطور گواہ مقرر کرنے کا حکم دیاگیااور اگر کہیں دومرد اکٹھے بطور گواہ مقرر نہ کیے جاسکتے ہوں تو ایسی صورت میں نزاع کے حل کےلیےدو عورتوں کی گواہی کو دوسرے مرد کے قائم مقام قراردیتے ہوئے ایک مرد اوردوعورتوں کی گواہی کومعتبرقرار دیا گیااور قاضی کوانہی گواہیوں کی بنیادپر فیصلے کا اختیار دیا گیاتاکہ معاشرے کو انتشارسے محفوظ رکھاجاسکے۔

یہاں سےیہ بات ماخوذ کی جاسکتی ہےکہ اسلامی تعلیمات کےمطابق خاندان کااطلاق مردوزن کےحقوق و فرائض کےمتوازن مجموعے پرہوتا ہے۔اسی سےبچے ہوتے ہیں،جن کی یہ مردوعورت والدین ہونے کےاعتبار سے پرورش وتربیت کرتے ہیں۔ ان بچوں کے جوان ہونے کی صورت میں پھران سےازدواجی رشتے وجود میں آتے ہیں۔ اس طرح کنبے اور قبیلے بنتے ہیں اور معاشرہ ارتقاء کی جانب گامزن ہوتا ہے۔

خاندان کابنیادی جزو دراصل مرد اور عورت کا باہمی تعلق ہے۔اسی تعلق کی بناء پرخاندان پروان چڑھتاہے،اسی تعلق کےذریعےخاندان کی عددی قوت بڑھتی ہے نیزاسی سےخاندان کو استحکام پروان چڑھتا آیاہے۔ یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین ہونےکےعلاوہ اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی ہے۔

افراد سے خاندان وجود میں آتاہے ۔خاندان، ریاست کی پہلی منزل اور بنیاد ہے ۔خاندان اور ریاست کے باہمی تعاون سے معاشرے کی صورت گری ممکن بنائی جاسکتی ہے۔نیزانسانی معاشرہ کاآغازخاندان کی تشکیل سے ہوتا ہے جبکہ خاندان مرد وزن کے صنفی تعلق کی بناءپر معرض وجود میں آتا ہے۔ اسی بنیادی تعلق کی بنیادپرانسانی زندگی مختلف ارتقائی مراحل سے گزرتےہوئےایک باہم مضبوط رشتہ استوارکرتی ہےجوکہ بالآخر ایک خاندان کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔تاریخ کےمطالعےسے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آغازاسلام سے قبل خاندان ظلم وستم کاشکار تھا ،

([1])البقرۃ:۲/۲۸۲

جس میں صرف مرد ہی ہر طرح کی شان و شوکت کے متحمل گردانے جاتے تھے۔بالفاظ دیگر یہ کہاجاسکتاہے کہ صرف مذکر کوہی خاص اہمیت کا حامل گرداناجاتاتھا۔عورت کوایک محکوم اورذلیل سی چیز تصور کیا جاتا تھا۔نیز قبل از اسلام مرد کے لیے عورتوں کی کوئی قید نہیں تھی حیوانوں کی طرح جتنی عورتوں کے ساتھ چاہتا شادی کرتا۔کتب احادیث میں ان اشخاص کا ذکر موجودہے جنہوں نے چارسے زیادہ عورتوں کو شادی کے بندھن میں باندھا ہوا تھا۔انہی میں سےحضرت حارث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں قبل از اسلام جن کےنکاح میں آٹھ عورتیں تھیں۔جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے:

((أَسْلَمْتُ وَعِنْدِی ثَمَانُ نِسْوَةٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ –صلى الله عليه وسلم– فَقَالَ النَّبِيُّ –صلى الله عليه وسلم اخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا))[1]

(جس وقت میں نے اسلام قبول کیا تو میری آٹھ بیویاں تھیں،جس کا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایان میں سے چار کو اختیار کرنےکا فرمایا۔)

یعنی ان آٹھ میں سے چار کو نکاح میں برقرار رکھو اور باقی چار کو چھوڑ دو۔چار کوچننے کا اختیاردیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں قبل از اسلام کی شادیوں کو نئے نکاح کے بغیر برقرار رکھنے کی اجازت تھی۔

نیزوراثت کاحقدار صرف مردوں کوہی گرداناجاتاتھا،عورتوں اور چھوٹے بچوں کواس سے محروم کردیاجاتا تھا۔[2]

نیز بچی کی پیدائش کو شرمندگی کاباعث سمجھا جاتاتھالہذانومولود بچی کو زندہ درگور کرنےمیں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی تھی۔اللہ تبارک وتعالی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾[3]

(ان میں سے جب کسی کوبیٹی کی پیدائش کی خبر دی جائے تواس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اوردل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے ،اس بری خبر کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کوساتھ لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے ، آہ وہ کیا ہی برے فیصلے کرتےہیں ؟)

زمانہ جاہلیت میں بیٹی کی پیدائش کو باعث شرم وعار سمجھا جاتا تھا جس کی وجہ سے بیٹی کا باپ دوسروں سے منہ چھپاتا پھرتا تھا۔اور یہ شرمندگی اس کےلیے ناقابل برداشت ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ شش وپنج کا شکار رہتا کہ اس ذلت کے ساتھ زندگی گزارے یا اس کو زندہ درگور کردے۔اکثر بیٹیوں کو زندہ درگور کردیاجاتاتھا۔اور پھر اسلام نے عورت کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ عطا کیا۔

([1])ابوداؤد سلیمان اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع، دار الکتاب العربی، بیروت، حدیث نمبر، ۲۲۴۳، ص: ۲۳۹/۲

([2])صارم، عبدالصمد، مقالات صارم، حجازی پریس، لاہور، س،ن، ص: ۸۸

([3])النحل: ۵۸،۵۹/۱۶

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عورت خاندان کا ایک اہم رکن ہے جس کے بنا کسی نئےخاندان کی بنیاد رکھنا بھی ناممکن ہے۔اسی عورت کےذریعے سے نیا خاندان تشکیل پاتاہے۔جس کا ایک بڑا مفہوم قبیلہ ہےجو کہ باہمی مدد وتعاون کی بنیاد پروجودپاتاہے۔دین اسلام نے تمام باطل قوانین کا ناصرف خاتمہ کیابلکہ عدل وانصاف کا بول بالا کرتے ہوئےہر حقدار کواس کا حق دلوایا حتی کہ دودھ پیتے بچے کوبھی اس کے حق سے محروم نہ رہنےدیا۔خاندان کے باہمی ملاپ کی حفاظت کرتے ہوئے ہرفرد کواس کی زندگی میں اہم کرداراداکرنے کا درس دیا جس کی ادائیگی کے باعث ایک اچھا خاندان تشکیل پاسکتا ہے۔اس کے برعکس آج کے موجودہ دورمیں مغربی خاندان کے مطالعےسےیہ حقیقت واضح ہوجاتی ہےکہ مغربی خاندانی نظام ناکام ہوچکا ہےجسکے تحت والدین اپنی اولاد پر کنٹرول حاصل کرنے کاکسی قسم کااختیار نہیں رکھتے۔

اسلام نے عورت کوماں ، بیٹی اوربہن کے روپ میں عزت دی :

دین اسلام نے عورت کو ماں کی شکل میں ایک مخصوص مقام عطاکیاہے جس کا ثبوت حضرت ابوھریرہ رضي الله تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیااور عرض کرنے لگا :

((مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ))[1]

(اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے ؟نبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نےفرمایا، تیری ماں ۔اس نے کہا اس کے بعد پھر کون ؟نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے : تیری ماں۔اس نے کہا اس کے بعد پھر کون؟نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے : تیری ماں۔اس نے کہا کہ اس کے بعد پھر کون ؟نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تیرا باپ۔)

اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کو ماں کے روپ میں یہ جو بلند مقام سے نوازتے ہوئے اس کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے اس کا ہر گز مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف ماں ہی ادب واحترام اورحسن سلوک کی مستحق ہے باپ کو بالکل آخر میں رکھا جائے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں عورت کو انتہائی گھٹیا اور ذلیل ترین سمجھاجاتاتھا لیکن اسلام نے اس کا کھویا ہوا مقام واپس لوٹاتے ہوئے تلقین کی کہ جس کو تم گھٹیا ترین سمجھ رہے ہو درحقیقت یہ سب سے زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے کیونکہ تمہارے معرض وجود کا سبب ہی یہ ہے تمہیں ایک معین مدت اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے،پھر تمہیں اپنے جسم کے حصےسے دودھ کے ذریعے پالتی ہےاور اس دوران ہر طرح کی تکلیف کا سامنا کرتےہوئے اس کو برداشت کرتی ہےدراصل وہ تمہارے سب سےزیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے۔

([1])بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب، باب بَاب مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ حدیث نمبر،۵۹۷۱،ص:۱۵/۱۳۰

عورت کو بیٹی کے روپ میں اسلام نے عزت سے نوازا :

ابوسعید خدری رضي الله تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ، أَوِ ابْنَتَانِ، أَوْ أُخْتَانِ، فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ، وَاتَّقَى اللَّهَ فِيهِنَّ، دَخَلَ الْجَنَّةَ))[1]

(جس کی بھی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ، یا پھر دوبیٹیاں یا دوبہنیں ہوں اوروہ ان کی اچھی تربیت کی اوران کے معاملات میں اللہ تعالی سے ڈرتا رہا وہ جنت میں جائے گا۔)

زمانہ جاہلیت میں بیٹی کو باعث ننگ و عار سمجھتے ہوئے زندہ درگور کردیاجاتاتھالیکن اسلام نے اسی بیٹی اس قدر اہمیت کا حامل بنادیا کہ خوش دلی سے اس کی پرورش اور احسن تربیت کرنے والے کو جنتی ہونے کے اعزاز سے نوازاگیا۔

اسی طرح بیوی کے روپ میں اسلام نے عورت کو عزت سے نوازا :اسی ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي))[2]

(تم میں سب سے بہتر اوراچھا وہ شخص ہے جواپنے گھروالوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے ، اورمیں اپنے گھروالوں کے ساتھ تم سب میں سے بہتر برتاؤ کرتا ہوں ۔)

زمانہ جاہلیت میں عورت کو دیگر حقوق کی طرح حق وراثت سے بھی محروم سمجھا جاتا تھا لیکن دین اسلام نے جہاں عورت کودیگر حقوق دلوائے ساتھ ہی ناصرف حق وراثت لوٹایا بلکہ اس کے علاوہ بہت سے معاملات میں اسے مردوں کی طرح حق دلوایا :

حضرت عائشہ صدیقہ رضي الله تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نےفرمایا :

عورتیں مردوں کی طرح ہی ہیں۔[3]علامہ البانی رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

دین اسلام نے بیوی کے حق میں وصیت کو جائز قرار دیا اورعورت کوخاوند کا کلی طور پر پابند نہیں کیابلکہ کسی حد تک آزادی دی اوراس پرتربیت اولاد کی بھاری ذمہ داری مرد کی بجائے عورت کے کاندھوں پر زیادہ ڈالی۔اس کی وجہ یہ ہے چونکہ عورت کو گھرمیں رہنے کی تلقین کی گئی ہےاور باہر کی زیادہ تر ذمہ داریاں شوہر پر ڈالی ہیں تاکہ عورت گھر میں شوہر کے مال کی حفاظت اور اس کی اولادکی اچھی طریقے

([1])ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن معبد، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي، صحیح ابن حبان، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، باب، ذِكْرُ إِيجَابِ الْجَنَّةِ لِمَنِ اتَّقَى اللَّهَ فِي الْأَخَوَاتِ، وَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ حدیث نمبر ۴۴۶، ص: ۱۸۹/۲

([2])ترمذی، سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ ح، ۳۸۹۵، ۷۰۹/۵

([3]) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن، ابی داؤد، ح، ۲۳۶

سے تربیت کی۔اولاد کی تربیت کی زیادہ ذمہ دار عورت ہے کیونکہ بچے والد کی بجائے زیادہ وقت ماں کے پاس گزارتے ہیں اسی لیےاولاد کی تربیت کے متعلق مسؤلیت کا ایک بڑا حصہ عورت کے ذمےرکھا۔اسلام نے تربیت اولاد کی ذمہ داری ناصرف عورت پر رکھی بلکہ ماں اورباپ دونوں پراولاد کی تربیت کے متعلق بڑی مسؤلیت اورذمہ داری رکھی ہے۔اسی ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمررضي الله تعالی عنہما سےروایت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ اآلہ وسلم کو فرماتے ہوئےسنا :

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[1]

(تم میں سے ہرایک راعی (سربراہ) ہے اورہرایک سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا ، امیرراعی ہے وہ اپنے ماتحتوں کے بارہ میں جواب دہ ہے ، اورآدمی آپنے گھر والوں پرسربراہ ہے وہ ان کے متعلق جواب دہ ہوگا ، عورت خاوند کے گھرپرراعیہ ہے اسے اس کے بارہ میں سوال ہوگا ، اور غلام اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اسے اس کے بارہ میں سوال ہوگا ۔)

والدین کو چونکہ اپنی اولاد کاسربراہ گردانا جاتا ہے اس لیے والدین سے ان کی اولاد کی تربیت کے متعلق سوال ہوگا۔حکمران اپنی رعایا کا سربراہ ہے اس سے اس کی پوری رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔استاد شاگردوں کا سربراہ اس سے شاگردوں سے متعلق سوال ہوگا۔آقا،غلام کاسربراہ ہے اس سے غلاموں کے حقوق کا سوال ہوگا اور غلام اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔گویا کہ ہر اس بندے سے اس کے متعلقہ احباب کے متعلق سوال ہوگا جو اس کے ماتحت ہیں۔لہذاہر راعی کو اپنی رعایا کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا اس کے بغیر دنیا وآخرت کا کامیابی ممکن نہیں۔

دین اسلام نے ساری زندگی والدین کے ادب واحترام اوران کی اطاعت کرنے اوران کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے:اسی ضمن میں ارشادباری تعالی ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾[2]

(اورآپ کے رب نے حکم دے رکھا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرواورماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ، اگرتمہاری موجودگی میں ان میں سے ایک یا وہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں توان کے آگے اف تک نہ کہنا ، اورنہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سےنرم مزاجی سے گفتگوکرنا۔)

([1])امام بخاری، صحیح بخاری،، کتاب کتَاب فِي الِاسْتِقْرَاضِ وَأَدَاءِالدُّيُونِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيسِ،بَاب الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَلَا يَعْمَلُ إِلَّا بِإِذْنِهِ،حدیث نمبر،۲۴۰۹،ص:۶/۱۷۱

([2])الاسراء:۱۷/۲۳

تمام ادیان الٰہیہ میں پیغام توحید میں ایک مشترک پیغام ہےاسی عقیدے میں اگر بگاڑ آجائے تودیگر اچھے اعمال بھی کسی کام کے نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص حق کووالدین کے حق کے ساتھ بیان کرکےوالدین کےساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو بیان فرمایاہے۔گویا جس قدر شرک سے بچنے کی تاکیدہے اتنی ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔

دین اسلام نےانسان کو خاندان کی عزت وعفت اورنسب کو غلاظت وگندگی سے محفوظ کرنے کی غرض سےشادی کرنے پرابھارا ہےنیز مردوعورت کے درمیان ناجائزاختلاط اور میل جول سے منع کیا ہے ۔کیونکہ جہاں مروزن اکٹھے ہوجائیں وہاں جنس مخالف کی وجہ سے طبعی رجحان بڑھنے کے خدشات زیادہ ہوتے ہیں جس کی حرام کاری کا ارتکاب ہوسکتاہے۔اسی خدشے کے پیش نظر اسلام ن مردززن کے اختلاط پر پابندی عائد کی۔نیزخاندان کے ہرفرد کواس کا ایک اہم کردار دیااور اسکو نبھانے کی تلقین بھی کی۔ ماں باپ کے ذمہ اولاد کی تربیت اوراولاد کے ذمہ والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا حکم دیا ۔والدین کے حقوق کو محبت و تعظیم کے ذریعے محفوظ کیا اوراس کی سب سے بڑی دلیل وہ خاندانی تماسک اور میل جول ہے جس کی شہادت ہر ایک حتی کہ دشمن بھی دیتے ہیں۔

خاندانی نظام کا استحکام:

اس خطہ ارض پر ہر دور میں انسان نے معاشرت پسندی کے حوالے سے اجتماعی زندگی بسر کرنے کوپسند کیا۔ اس حوالےسے جس معاشرتی ادارے کو بنیادی اہمیت حاصل رہی وہ خاندان ہے۔لغت عربی میں مادہ "عول"کے ذیل میں "عائلۃ" مصدر سے خاندان کا مفہوم واضح کیا گیا ہے مثلا عربی زبان میں سربراہ خاندان کے لئے "عیال الرجل" کی اصطلاح مستعمل ہے ،اس اصطلاح کوابن منظور افریقی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:وعیال الرجل وعیلہ الذین یتکفل بھم وقد یکون العیل واحد اوالجمع عالۃ۔[1]آدمی کے عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی وہ کفالت کرتا ہے ،عیل واحد ہے اور اس کی جمع عالۃ ہے ۔

عیال سےمرادوہ فرد ہےمعاشی طور پرجس کی کفالت کےچند لوگ محتاج ہوں۔یعنی وہ شخص جو اپنے کنبے کی کفالت کا فریضہ سر انجام دیتا ہے اس پرعیال الرجال کی تعریف صادق آتی ہے۔

"الاسرۃ اقارب الرجل من قبل ابیہ[2]اھلۃ زوجتہ وقالا یعنی صاحبی ابی حنیفۃ کل من فی عیالہ نفقتہ غیر ممالکیہ "لقو لہ تعالیٰ (فنجیناہ واھلہ اجمعین)"[3]

ابو جعفر نحاس کے نزدیک خاندان سے مراد آدمی کے وہ رشتہ دار ہیں جو اس کے باپ کی طرف سے اور بیوی کے گھر کے

([1])ابن منظور،جمال الدین اصمعی محمد بن مکرم اابوالفضل،الافریقی المصری،لسان العرب،بذیل مادہ عول،بیروت دار صار الطبعۃ السادستہ،۱۹۹۷ء،۷۸۵/۱۱

([2])زبیدی، محمد مرتضی،تاج العروس،دار الفکر،بیروت،۳،۱۹۹۴/۱۳

([3])ابن عابدین محمد امین،الدرر المختار شرح تنویر الابصار فی الفقہ الحنفی مع حاشیہ ابن عابدین،دار الفکر،بیروت،الطبعۃ الثانیہ،۱۳۸۶ھ،۴۵۲/۵

لوگ ہوں اور صاحبین کے نزدیک خاندان سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر وہ خرچ کرتا ہو اور وہ اس کے غلاموں میں سے نہ ہوں وہ اللہ کے اس قول کو دلیل بناتے ہیں "پس ہم نے اسے اور اس کے سب گھر والوں کو بچا لیا۔

قرآن حکیم اور حضورﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں قرآن پاک میں خاندان کا ذکر بار بار آتا ہے:

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾[1](اور جب یوسف علیہ سلام نے اپنے والد سے کہا اے ابا جان میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔)﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ [2] پس جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو کہنے لگے اے عزت والے ہمیں اور ہمارے خاندان کو سخت مصیبت پہنچی ہے: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [3]"اور ہم نے اسے اس کے اہل وعیال اور ان کے ساتھ اتنے ہی مزید اپنی خاص رحمت عطا کئے اور یہ عقل رکھنے والوں کے لئے یاد دہانی ہے "خاندان اور اس سے متعلقہ اصطلاحات کی جو تعریفات درج ذیل ہیں وہ بین الاقوامی مقالہ جات اور اقوام متحدہ کے اجلاس کی دستاویزات کے مطابق کچھ یو ں بیان کئے گئے ہیں۔خاندان ،معاشرے کی ایک فطری اور بنیادی اکائی ہے ، وسیع پیمانے پر ممکنہ تحفظ اور مدد وتعاون کا مستحق ہے۔

بچپن سے لے کر بلوغت کی عمر تک پہنچنے تک بچوں کی پرورش ،نشو نما اور تحفظ، خاندان کی بنیادی ذمہ داری ہے ۔ شخصیت کی بھرپور اور متوازن نشونما کی خاطر ،بچوں کی پرورش ایک ایسے خاندانی ماحول میں ہونی چاہئے،جہاں اس کے لئے خوشی محبت اور باہمی تعلقات ،افہام وتفہیم موجود ہو ۔

خاندانی عقدکے سلسلے میں اپنے آپ سے عہد کرتے ہیں کہ بچوں کی نگہداشت ،دیکھ بھال ،نشونما اور تعلیم کے سلسلے میں خاندان کے کردار کو تسلیم کریں اور اس ضمن میں تہذیبی ،مذہبی اور سماجی پہلو ؤں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آزادی ،وقار ،اور ذاتی طور پر اپنائے جانے والی اقدار کے علاوہ اخلاقی اور تہذیبی اقدار کو مد نظر رکھیں۔

اسلام دین فطرت ہے اور قرآن وسنت انسانی فطرت میں ودیعت کئے ہوئے عقائد ،افکار ونظریات، اعمال واخلاق اور عادت واطوار کی تفصیل وتشریح ہیں:

([1])یوسف:۴/۱۲

([2])یوسف:۱۲ /۸۸

([3])ص:۴۳/۳۸

"وَهُوَ نِكَاحُ مَنْ قَامَ بِهِ الْوَصْفُ الْمُنَافِي لِلْإِيمَانِ، وَهُوَ الْإِشْرَاكُ الْمُوجِبُ لِلتَّنَافُرِ وَالتَّبَاعُدِ. وَالنِّكَاحُ مُوجِبٌ لِلْخِلْطَةِ وَالْمَوَدَّةِ قَالَ تَعَالَى: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً "[1]

یعنی نکاح ملاپ اور محبت کا باعث بنتا ہے اور شرک کرنا لڑائی جھگڑے اور دوری کا باعث بنتا ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت کو رکھ دیا،چناچہ نکاح کے لئے ایمان کو ضروری شرط قرار دیا گیا۔

خاندا ن کی اہمیت اور اسلامی تعلیمات :

اسلام نے خاندان کی اکائی کی بطریق احسن تشکیل پر زور دیا ہے ،خاندان جو میاں اور بیوی کے عزیز واقارب سے تشکیل پاتا ہے ،یہی بیوی ماں کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہوتی ہے تو اولاد کی جنت قرار پاتی ہے،میاں اور بیوی جب ماں باپ بنتے ہیں تو اولاد کی ہمہ جہت ذمہ داریاں ان کے کندھوں کو جھکا دیتی ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خالق نے پہلے سے ان کے لئے ہدایات کاانتظام کر رکھا ہے۔"اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک خاندان اگرچہ ایک مرد اور عورت کے نکاح کے عقد اور بندھن اور ان کے بچوں سے وجود میں آتا ہے لیکن اس میں شوہر کے والدین اور خونی رشتے کے عزیز بھی شامل ہو کر ایک وسیع خاندان کو تشکیل دیتے ہیں۔ پھر اسلامی شریعت کے خصائص میں سے ہے کہ اسلام نسب ونسل کی حفاظت کو شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصد میں سے شمار کرتا ہے"۔وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔[2]اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو "۔انسان کے لئے جوڑے کی تخلیق باعث اطمینان اور وجہ سکون ہے ،اسلام دین فطرت ہے اس نے اس خطہ اراضی پر اس کی ہر فطری ضرورت کا اہتمام کرتے ہوئے اس کوخوبصورت ساتھ عطا کیا تاکہ وہ زندگی کی خوشیوں میں شریک ہو اور پریشانیوں میں معاون بنے ،ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [3]

(اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون واطمینان پاؤ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور نرم دلی کو قائم کردیا اور اس میں یقینا غوروفکر سے کام لینے والوں کے لئے (قدرت کی نشانیاں ہیں)

اسلام نے اس مودت اوررحمت کو بہت ہی خوبصورت انداز میں قرآن میں بیان فرما دیا :

([1])ابو حیان محمد بن یوسف بن علي بن یوسف بن حیان أثیر الدین الأندلسي،البحر المحیط في التفسیر البحر المحیط في،دار لفکر البیروت،۱۴۲۰ھ،ص۱۶

([2])البقرہ:۳۵/۲

([3])الروم ۲۱/۳۰

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [1]۔

وہ عورتیں تمہارے لئے اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

اس آیت میں زوجین کو لباس کہا گیا ہے لباس وہ چیز ہے جو انسان کے جسم سے متصل رہتی ہے اور اس کی پردہ پوشی کرتی ہے اور اس کو خارجی فضا کے مضر اثرات سے بچاتی ہے ،یہ تعلق نفسیاتی تسکین اور اخلاقی تحفظ اور انسانی داعیات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ نسل انسانی کے تحفظ اور بقا کا باعث بنتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [2]۔

(اے لوگو پروردگار سے جس نے تمھیں نفس واحدہ سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنا دیا اور ان میں دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے،اس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پر ہیز کرو یقین جانو اللہ تم پر نگرانی کر رہا۔)

جامع بیان القرآن میں اس آیت کیوں تفسیر کی گئی ہے :

"ومنبِّهَهم بذلك على أن جميعهم بنو رجل واحد وأم واحدة،وأن بعضهم من بعض، وأن حق بعضهم على بعض واجبٌ وجوبَ حق الأخ على أخيه، لاجتماعهم في النسب إلى أب واحد وأم واحدة، وأن الذي يلزمهم من رعاية بعضهم حق بعض، وإن بَعُدَ التلاقي في النسب إلى الأب الجامع بينهم، مثل الذي يلزمهم من ذلك في النسب" [3]

(یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سب کے سب لوگ ایک مرد اور عورت (آدم وحوا) کی اولاد ہیں اور ان کے ایک دوسرے پر حقوق واجب ہیں چناچہ بھائی کا اپنے بھائی پر حق واجب ہے ،اور بے شک یہ سب نسب میں ایک باپ اور ایک ماں کی طرف منسوب ہیں چناچہ نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت رکھنا لازم قرار دیا گیا ہے۔)

اسلام میں بقاء نسل انسانی کے لئے شادی کا حکم دیا اور اس کی حفاظت کے لئے حسب اور نسب کواختلاط سے محفوظ رکھنے کے لئے زنا کو حرام قرار دیا فرمایا:

([1])البقرہ۲/۱۸۷

([2])النساء۴/۱

([3])طبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبري (المتوفى: ۳۱۰ھ) جامع البيان في تأويل القرآن - ومؤسسة الرسالة الأولى، ۱۴۲۰ھ ۲۰۰۰ء، ص ۴۸۰

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾ [1]

(اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کردیا کررو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں نکاح کردیا کرو ،اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے ۔)

اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہے انھیں مل جل کر رہنا ہے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [2]

(لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اورایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو ،درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی بقا اور افزائش نسل کے لئے جانداروں کے جوڑے تخلیق کئے:

﴿فَاطِرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [3]

(اس نے تمہاری اپنی جنس سے تمھارے لئے جوڑے پیدا کئے ،اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انھی کے ہم جنس) جوڑے بنائے ،اور اس طرح سے تمھاری نسلیں پھیلاتا ہے۔)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((یا معاشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخواۃ الجا ھلیۃ وتعظیمھا بالاباء،الناس من آدم وآد م من تراب))[4]

اے گروہ قریش اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور س پر فخر کرنے کو دور کردیا ہے، لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے ۔

خاندان کے استحکام کی بنیادیں :

میاں بیوی کے حقوق کا تعین ،ماں باپ اور اولاد کے مابین تعلقات بنتے ہیں،رشتہ داروں کے حقوق گھروں کے ارد گرد پڑوسیو ں کے حقوق خاندان کی بنیاد مرد اور عورت رکھتے ہیں ان میں مرد کو قوامیت کے عہدے پر فائز کیا گیا بیوی کو داخلی اور خارجی تحفظ دے دیا گیا، قرآن

([1])النساء:۴/۳

([2])الحجرات:۴۹/۱۳

([3])الشوری:۴۲/۱۱

([4])ابن ھشام، عبدالملک بن ہشام الحمیری،السیرۃ النبویہ،مطبعہ مصطفی البابی مصر،،۴/۴۰۔

پاک میں فرمایا گیا ہے: :

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾ [1]

(اور اگر تمھیں ان میں نااتفاقی کا ڈر ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک ثالث عورت کے خاندان سے مقرر کردو اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادیں گے۔)

خاندان کی اکائی تنہا معاشرے میں مثبت کردار ادا نہیں کر سکتی ، خالق رب کریم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ میل جول ،حسن سلوک اور ادائیگی حقوق پر ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ ،غیر رشتہ دار ہمسایوں اور محلہ داروں کے حقوق کی بھی ہدایات سےنوازا ہے۔قرآن کریم اور سیرت النبیﷺ میں خاندان کے ادارے کے استحکام کے لئے حقوق وفرائض کا تعین،میراث کے قانون کا نظام اور ترغیبات دی گئی ہیں .

خطبہ نکاح (مستحکم خاندان کی ابتداء):

خاندان کی بنیاد ایک گھر ہے اور ایک گھر کی بنیاد نکاح کے بندھن پر رکھی جاتی ہے ،اس مسنونہ خطبہ نکاح میں قرآن مجید کی تین آیات کا انتخاب خود نبیﷺ نے فرمایا ان آیات میں پورے خاندان کے استحکام اور مضبوطی کی بنیادیں فراہم کرتی ہیں ،ان آیات میں کون سا پیغام ہے ؟ اس کو جاننا ضروری ہے۔

خطبہ نکاح کی پہلی آیت :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [2]

(اے لوگو :اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم دگر طالب مدد ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحمی سے بے شک اللہ تعالیٰ نگرانی کررہا ہے۔)

اس بزم حیات میں انسانوں کی آمد کا ایک ذریعہ مرد ہے تو دوسرا ذریعہ عورت ہے اس لئے عورت کو کمتر سمجھ کر اس کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے ۔رحم کا رشتہ انتہائی اہم اور مقدس رشتہ ہے اس کی اہمیت اور تقدس کا پاس ولحاظ ہمیشہ رہنا چاہئے ۔

([1])النساء:۴/۳

([2]) الحجرات:۴۹/۱۳

خطبہ نکاح کی دوسری آیت :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾[1]

(اے ایمان والو :اللہ سے ڈرو ،جیسا کہ اس سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اسلام پر رہو ۔)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو :آگے کے مراحل میں تمہارے لئے بڑے بڑے امتحانات ہیں (نئی زندگی کی ذمہ داریاں ،بیوی ،اولاد ،والدین کی ذمہ داریاں اور دیگر معاشرتی ذمہ داریاں ،ان تمام امتحانات سے خیر وخوبی کے ساتھ گذرنا اور زندگی کی آخری سانس تک تمام نشیب وفراز کے ساتھ پار کرنا ہے ورنہ یاد رکھو کہ اللہ کی گرفت سے تمھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

خطبہ نکاح کی تیسری آیت :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا © يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾[2]

(اے ایمان والو :اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو تو اللہ تمہارے اعمال سدھارے گا اور تمھارے گناہوں کو بخشے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں گے تو انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔)

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ زبان کی حفاظت کی تلقین کی گئی ہےاور بتایاگیاہےکہ اجتماعی زندگی کےکچھ تقاضے ہوتے ہیں ،ان کی تکمیل لازم ہےنرم گفتار ی اورخوش کلامی مہر ومحبت کو پروان چڑھاتی ہے ،دلوں میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے،لغزشوں سے صرف نظر کی راہ سجھاتی ہے ماحول میں شرینی گھولتی ہے، درج بالا آیات میں اللہ تعالی نے ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالنے کے لئے پہلے ہی ہدایات ذہن نشین کروا دیں۔

نسل انسانی کی بقا:

نسل انسانی کی بقاکی ذمہ داری اسلام نے انسان پر عائد کی ہے اپنے اپنےکردار ادا کرنےکے لئے مردوعورت اور بچےتمام ا س ضمن میں اہم کردارکے حامل ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[3]

([1])آل عمران:۱۰۲/۳

([2])الاحزاب:۶۹/۳۳۔۷۰

([3])النساء:۱/۴

اے لوگو پروردگار سے جس نے تمھیں نفس واحدہ سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنا دیا اور ان میں دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے ،اس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پر ہیز کرو ،یقین جانو اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

عفت وعصمت کی حفاظت:

جنسی لحاظ سے مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی طرف مائل ہونا فطری عمل ہے ،اسلام ان ناجائز تعلقات کا مخالف ہے ،شادی کے ذریعے سے آپ ان تعلقات کو جائز طور پر نبھا سکتے ہیں اور اس کے ذریعے سے زندگی میں توازن بھی قائم رکھا جا سکتا ہے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ؛

﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ﴾ [1]

(اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اس طرح تم اپنے مالوں کے ذریعے ان سے نکاح کرو بشرطیکہ (نکاح)سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔)

صلہ رحمی :

"وصل رحمه ای احسن الیٰ الاقربین الیه من النسب" [2]۔"صلہ رحمی سے مراد ان رشتوں داروں سے اچھا سلوک کرنا ہے جو جب کی وجہ سے قریب ہیں "صلہ رحمی کے معنی ہیں رشتوں کو جوڑنا ،امام بقاعی کے بقول صلہ رحمی کا جو عظیم مقام اللہ کے نزدیک ہے اس وجہ سے اس نے اس کو اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیا ہے ۔"قرآن میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی پر شدید انکار کی وجہ سے ملت کا اس پر اتفاق ہے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی ہر صورت میں حرام قرار دی گئی ہے۔"

ذوالارحام کے اور صلہ رحمی کے مختلف درجات ہیں ،ان میں سب سے اعلیٰ مقام والدین کا ہے،والدین کے بعد صلہ رحمی میں حسب قرابت دوسرے رشتہ داروں کے مراتب ہیں :

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[3]

(اور تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔)

([1])النساء:۲۴/۴

([2])المنجد،،دارالمشرق،بیروت،۱۹۷۵ء،ص۲۵۳

([3])اسراء:۲۳/۱۷

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید تمام انسانیت کو کی گئی،والدین کے بعد ذوالقرباء کا تذکرہ آتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَاتَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ﴾ [1]

(اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں گے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلا سلوک کریں گے اور یتامیٰ ومساکین کے ساتھ ")

والدین کے بعد حسن سلوک کے مستحق رشتہ دار ہیں ،اگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھا جائے گا تو ہی معاشرہ امن کا گہوارہ اور ایک فلاحی معاشرہ کہلائے گا ۔حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے نبیﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی عطا ہو اور اس کی موت میں تاخیر ہو اور عمر میں اضافہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے ۔[2]

صلہ رحمی پر مبنی اسلامی خاندانی نظام ایک ایسااجتماعی نظام ہے جو مغربی تہذیب کے صلہ رحمی سے خاندانوں کے بہت سے مسائل سے نجات عطا کرتا ہے، معاشرے کو بہت سی خرابیوں سے بچاتا ہے جن میں آج مغربی معاشرہ مبتلا ہے وہاں پر ماں باپ کو بوڑھا ہونے پر اولڈ ہوم میں چھوڑ آتے ہیں جب کے قرآن میں کہا گیا :

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا - وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ [3]

(جب بڑھاپے تک پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو بلکہ ان کے لئے محبت اور شفقت کے ساتھ جھکے رہو ،اور ان کے لئے دعا گو رہو اے اللہ ان پر اس طرح رحم فرماجس طرح انہوں نے ہم پر بچپن میں رحم کیا)

اسلامی معاشرے میں ایک مثالی خاندان کی تصویر، اس میں ماں باپ کی عزت اور وقار ایسا ہی ہونا چاہئے اس کے بعد باقی رشتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بدی آتی ہے ۔آپﷺ نے والدین کی خدمت کی بار بار تاکید کی اور اس سے روگردانی کرنے والے کے لئے سزا کی وعید بھی بتائی :آپﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جو بوڑھے ماں باپ سے جنت حاصل نہ کرسکے ان کی (خدمت کرکے)" [4]

([1])البقرۃ:۸۳/۲

([2])الدمیاطی،المتجر الرابح،فیجواب العمل الصالح،مکتبہ النہضہ الحدیثیہ ،مکۃالمکرمہ ۱۹۸۶ء،ص ۵۲

([3])الاسراء:۲۴/۱۷

([4])مسلم،الجامع الصحیح،کتاب البر۳۱۲/۴

اخلاقی اقدار کی ترویج :

نیک تمنا ؤں اور دعاؤں کے طفیل میں جو اولاد وجود میں آئے گی وہ لازما خاندانی اور معاشرتی اقدار کو استحکام بخشے گی قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے :﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾[1]۔"جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے اللہ ،ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا "۔ ظاہر ہے ایسی نیک تمنا ؤں اور دعاؤں کے طفیل میں جو اولاد وجود میں آئے گی وہ لازما خاندانی اورمعاشرتی اقدار کو استحکام بخشے گی ،صالحیت کی تمنا کرنے والے والدین کو اسی نہج پر تربیت کرنے کے لئے مکلف کیا گیا۔

مقصد ہے کہ اولاد کو نیک وسعادت مند بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی نیکی وسعادت مندی کی دعا بھی مانگتے رہنا چاہئے تاکہ ظاہر وباطن کا حسن صورت وسیرت کی خوبیاں ان میں پیدا ہوں [2]جو خاندان اور معاشرہ کو صحیح خطوط پر آگے بڑھا سکے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :"والدین اپنی اولاد کو حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دے سکتے ۔[3]

بچوں کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ،ان کے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالنا اور انہیں ذہنی، جسمانی ، عملی اور اخلاقی اعتبار سے بتدریج اس لائق بنانا کہ وہ اللہ کے شکر گذار بندے بن کر رہیں ،کائنات میں اس کے مطابق تصرف کریں ،نیز انفرادی عائلی اور اجتماعی حیثیت سے جو ان پر ذمہ داریاں ان کے خالق ومالک کی طرف سے عائد ہوتی ہیں ان سے کما حقہ عہدہ برآ ہوسکیں۔

خاندان، افرادی قوت کا تسلسل:

اسلامی معاشرے میں اصل قیمت اس مقصد اور نصب العین کی ہے جس کے لئے خاندان کیبہ بنیادی اکائی استوار ہوتی ہے اور اس کے ساتھ نوع انسانی کے تسلسل کی خصوصیت پروان چڑھتی ہے۔ یہ وہ بنیادی ذمہ داری اور فریضہ ہے جو خاندان کا ادارہ صدیوں سے سر انجام دے رہاہے،اسلامی معاشرہ میں اس وظیفہ حیات کی تکمیل کو شرم وحیاء پاکیزگی اور تقدیس کی فضا میں پروان چڑھایا گیا۔

سماجی اور معاشی تحفظ اورامداد باہمی کا سب سے اہم ذریعہ:

اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے افراد خاندان کے درمیان ایک دوسرے کے حوالے سے اور افراد حکومت کے درمیان نان ونفقہ کی ذمہ داری کا ایک ٹھوس نظام رکھا ہے :اسلام میں نظام امدا باہمی کے ایک اہم حصے کی حیثیت رکھتا ہے اور دونوں مل کر غریب وناتوں اور معذور لوگوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

([1])الفرقان:۲۵/۷۴

([2]) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص۲۱۸

([3])ابن ماجہ، کتاب ابواب الاداب، ترمذی، ابواب البر الصلۃ باماجاء فی اداب الوالد

معاشرتی اقداراور خاندان کا ارتقاء:

شادی کے ذریعے سے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے درمیان آپس میں تعلقات استوار ہوتے ہیں کیونکہ(دو خاندانوں یا قبیلوں) کے درمیان ہونے والی شادی آپس میں دوستی کو فروغ دیتی ہے ۔

جذ بہ ایثار اور قربانی کو پروان چڑھانا:

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ شادی ذمہ داری کا احساس پیدا کرتی ہے ،اور زندگی کو مزید بہتر بنانے کے لئے کوشش کرنے کا حوصلہ دیتی ہے اس سے انسان کے اندراپنے بیوی بچوں ،والدین اور دوسرے لوگوں کے لئے ایثار وقربانی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے ۔

خاندانی نظام اور اسوہ حسنہ ﷺ:

سماجی زندگی دوسرے انسانوں کے ساتھ سلوک ،برتاؤاور رویہ سے تشکیل پاتی ہے لوگوں سے خوشگواری اور خندہ پیشانی سے ملنا مسکرا کر ملنا ان سے شیریں کلام کرنا مہذب زندگی کی علامت ہے ،رسول ﷺ کی عوامی اور سماجی زندگی کا یہ خوشنما اصول ہے جسے آپ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

((خیر کم خیر کم لاھلی ،وانا خیر کم لاھلی))[1] ت

(میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لئے بہتر ہو اور میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے لئے بہتر ہوں ۔)

اللہ تبارک تعالیٰ نے نبی ﷺ کو انسانوں کے لئے کامل رہنماء بنا کر بھیجا اور انسانوں پر پر ان کی راہنمائی اور اتباع کو لازم قرار دیا﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2] بے شک تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہےاس شخص کے لئےجواللہ اور یوم آخرت کاامیدوار ہواور کثرت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرے۔

((النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[3]

کہ نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ میں سے نہیں۔)

((واذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی ما بقی))[4]

([1])ترمذی،الجامع للترمذی،ابواب البر والصلہ ،باب فضل ازواج النبی ﷺ ح۳۸۹۵،

([2])الاحزاب:۲۱/۳۳

([3])ابن ماجہ،ابوعبداللہ بن یزید القزوینی:سنن ابن ماجہ،دار لافکر،بیروت،کتاب ا لنکاح،باب ماجاء فی فضل ا لنکاح:۱۸۴۶

([4])لاھیثمی،نورالدین علیٰ بن ابی بکر:مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،تصویر دار لکتاب العربی،بیروت،الطبعۃ الثالثہ ۱۴۰۲ھ:۱۷۸/۲

(جب بندہ شادی کر لیتا ہے تو اپنے دین کی تکمیل کر لیتا ہے لہذا اسے چاہیے کہ اپنے آدھے دین کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا رہے)

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) [1]

(اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ ضروری شادی کرے شادی نظر کو خوب جھکانے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے تو یہ روزے اس کی شہوت کو ختم کردیں گے۔)

آپ ﷺ نے خاندان کے اندر عورتوں کو معزز مقام دیا تاکہ خاندان کی بنیادی اکائی کی معاشرتی حیثیت کو بلند کیا جائے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :خدا نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قراردیا ہے (بچیوں کو زندہ دفن کرنا)[2]

حدیث انس بن مالک ،حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سفر میں تھے اورآپ کے ساتھ ایک حبشی غلام تھا انجثہ کہا جاتا تھا یہ غلام حدی گا کر اونٹوں کو تیز ہانک رہا ہے آپ ﷺ نے فرمایا :تیری خرابی اے انجثہ ذرا آہستہ چل آبگینوں کا خیال رکھ"[3] حدیث ابو ھریرہ قال :جاء رجل الیٰ رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ من احق بحسن صحابتی ،قال امک،قال ثم من ،قال ،امک،قال ثم من ،قال امک ،قال ثم من ،قال ثم ابوک"[4]"حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کیخدمت میں آیا اور اس نے عرض کیایا رسول اللہ ﷺ،میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں ،،اس نے کہا اس کے بعد کون آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں ،اس نے پھر دریافت ،اس کے بعد کون آپ ﷺ نے فرمایا تمھاری والدہ ،اس نے پھردریافت کیا ،اس کے بعد کون زیادہ حقدار ہے ؟آپ نے فرمایا تمھارا والد "رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت دیتے ہوئے آپ ﷺنے صلہ رحمی کی تلقین فرمائی۔حدیث انس بن مالک ،قال :

((سمعت رسول اللہ ﷺیقول ،من سرہ ان یبسط لہ رزقہ او ینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ)) [5]

([1]) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج لانہ من لم یسطع الباۃ فلیصم:۱۹۰۵

([2]) صحیح بخاری کتاب الاداب و کتاب الاداب و کتاب فی الاستقراض و صحیح مسلم باب النبی ﷺ عن کثرۃ المسائل

([3])ایضا، فی کتاب الاداب، اب ماجافی قول الرجل ویلک، ۱۵۰۱

([4])بخاری، کتاب الاداب، باب من احق الناس بحسن اصحبۃ

([5])بخاری، کتاب البیوع، باب من احب البسط فی الرزق ۱۶۵۷

(حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریمﷺ کو فرماتے سنا،جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے اس کے رزق میں فراخی ووسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے)

لا یدخل الجنة قاطع"[1] قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ بیان فرماتی ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا نبیﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا کہنے لگا :آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں لیکن ہم بچوں کو نہیں چومتے ،یہ سن کر آپ نے فرمایا ،اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم اور شفقت چھین لی ہے تو کیا میں پیدا کرنے پر قادر ہوں؟ [2]نبیﷺ کےاس فرمان کی تصدیق ان کی ازواج مطہرات نے یوں کی کہ آپ فرماتی ہیں :نبیﷺ نے کبھی کسی خادم کو یاخاتون نہ مارا[3]

آپﷺ نے خاندان کو انتشار سے بچانے کے لئے اور اسے استحکام بخشنے کے لئے باہمی حقوق وفرائض کا ایک سلسلہ قائم کردیا ،جس پر عمل پیرا ہو کر انفرادیت پسندی ،عدم اعتماد،پریشانی اور انتشار جیسے معاشرتی امراض کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے ، حضورﷺ کے اسوہ حسنہ میں خاندان کے جملہ عناصر ترکیبی مثلا والدین ،ازواج مطہرات ،اولاد ،اقربا اور غلاموں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں[4]

نبیﷺ نےصلہ رحمی کے ضمن میں فرمایا :

((عن ابی ہریر ة ،قال :یا رسول اللہ ان لیٰ قرابة ا صلھم ویقطعو نی واحسن الیھم ویسیئون البی واحلم عنھم ویجھلون علیٰ فقال ﷺ لان کنت قلت فکا نماتسفھم الملل ولا یزال معک من اللہ علیھم مادمت علیٰ ذلک)) [5]

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا ،میرے کچھ رشتہ دار ہیں ،میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ قطع رحمی کرتے ہیں ،میں ان سے احسان کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں ،میں ان سے بردبادی سے پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے ہیں ،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ،اگر معاملہ تمہارے کہنے کے مطابق ہے تو جب تک تم ایسا کرتے رہو گے ،تب تک ان کے خلاف اللہ کی طرف سے ایک مددگار تمہارے

([1])المستدرک للحاکم:۴/۱۵۳

([2])اخرجہ البخاری فی کتاب الاداب باب رحمۃ الوالد وتقبیلہ ومعانقتہ،۱۴۹۶

([3])لسنن لابی داؤد، کتاب الاداب، باب فی الحلم والاخاق النبیﷺ،(ح ۴۷۷۴)

([4])الدعلوی،ڈاکٹر،انسان کامل،فیصل ناشران،لاہور ۱۹۹۵ء،ص ۵۱۵

([5])حیح بخاری، کتاب الاداب، باب لیس الوصل بالمکافی:۵۹۹۱

ساتھ رہے گا ۔آپ کے متعلق آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ "میں نے دس سال آپ کی خدمت کی اور آپ ﷺ جیسا حسن اخلاق کا مالک کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

اسلامی معاشرت میں زوجین کے کردار کا جائزہ :

خاندان کی بنیادی اکائی تنہا بقائے نوع انسانی کی ذمہ داری کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی اہل ہے اور اسلامی تعلیمات کے تناظر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نسلی پاکیزگی اور رشتوں کی حرمت اور تقدس کو اسلام کی عائلی حکمتوں سے زیادہ کسی نے تحفظ نہیں دیا،یہ تمام حکمتیں دین فطرت کے بنیادی قوانین کی ہم آہنگی کی وجہ سے پروان چڑھنے اور پایہ تکمیل تک پہنچنے میں کامیاب ہوتی ہے ۔**قال رسول ﷺ من اراداان یلقی اللہ طاھرا مطاھر فلیتزوج**[2] یہ تمام حکمتیں دین فطرت کے بنیادی قوانین کی ہم آہنگی کی وجہ سے پروان چڑھنے اور پایہ تکمیل تک پہنچنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

((اذا آتا کم من ترضون خلقه ودیته فزوجوه الا تفعلواتکن فتنة فی الارض وفساد عریض))[3]

جب تمھارے پاس کوئی رشتہ آئے جس کا دین اور اخلاق تمھیں پسند ہو تو اس سے نکاح کرلو اگر تم ایسانہ کرو گے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا ۔

ایک اچھے معاشرتی تمدن کے لئے ایسے افراد ضروری ہیں جن کے اندر احساس ذمہ داری پایا جائے اور یہ نکاح ہی سے پیدا ہوتا ہے خاندان کی اہمیت یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کے تسلسل کو قانونی اور اخلاقی تحفظ کی چھاؤں میں پروان چڑھاتا ہے اور اس کے ساتھ تہذیب وتمدن کی صلاح وفلاح اور بقا وابستہ ہوتی ہے۔**((قال رسول ﷺ "تزوجو الولودالودوفانی مکاثر بکم))** [4]اولاد حاصل کرنے کے لئے نکاح کرو پس میں تمھاری کثرت پر فخر کروں گا "۔

خاندانی نظام کا کردار اورفلاح معاشرہ :

خاندان افراد کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کو کامیاب کس طرح گزاریں؟"کسی معاشرے کے

([1])السنن لابی داؤد، کتاب الاداب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ ۴۷۷۳

([2]) البخاری ،محمد بن اسماعیل ،ابو عبداللہ ،الامام ،الجامع الصحیح ،کتاب المغازی ،باب اذھمت طائفتان ،الریاض :مکتبہ دارالسلام، الطبیعۃ الثانیہ ،۱۹۹۹،رقم الحدیث ۴۰۵۲،ص ۶۸۶

([3])سنن ابن ماجہ ،ابواب النکاح، باب الاکفاء،رقم الحدیث،۱۹۶۸،ص ۲۸۱

([4]) النسائی ،ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب ،اللامام ،سنن نسائی الصغریٰ ،کتاب النکاح ،باب کراھیۃ تزویج العقیم الریاض ،مکتبہ دارلسلام ،الطبعۃ الاولی ۱۹۹۹ء،رقم الحدیث ۶،، ۳۲۲۴/۱۶۵ سنن ابن ماجہ ،ابواب النکاح، باب ماجافی فضل

ادارے جتنے مضبوط ،واضح اور منضبط ہوں گے معاشرہ اتنا مظبوط ہوگا ان کی وجہ سے معاشرے کو استحکام نصیب ہوتا ہے انہی کے سبب معاشرتی نظام کی تکمیل ہوتی ہے یہی وہ ذرائع ہیں جن سے ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے ،ان اداروں کی ساخت فرد ،سازوسامان تنظیم اور عمل پر مشتمل ہوتی ہے۔[1] ان اداروں کے اپنے اپنے دائرہ کار ہیں جن میں یہ ادارے کام کرتے ہیں ان کے دائرہ کا ر کو یوں متعین کیا گیا ہے :

"معاشرتی ہم آہنگی،افراد کا نظم وضبط ،معاشرتی احساس کی بیداری ،مقاصد کی تکمیل ،حقوق وفرائض کا خیال رکھتے ہیں اور یہ تمام انسانی معاشروں کی مشترکہ میراث ہیں۔"اسلامی معاشرت میں عمرانیات(معاشرتی علم)تسلسل کی پرحکمت نشاندہی ،اولاد کی اہمیت اور معنویت میں اضافہ کرتی ہے۔

خاندان کامعاشرتی کردار:

خاندان کا ادارہ فعال اور مربوط اصول وضوابط کے نظام کے تحت اپنی منصبی عمرانیاتی ذمہ داریوں کو ادا کرتا ،رسول ﷺ نے خاندان کی اسی ضرورت واہمیت کی تکمیل میں بیوی اور ماں کے اہم کردار کی نسبت سے فرمایا:

((لا تزوجوا النساء لحسنهم فعسىٰ حسنهن ان يردينه ولا تزوجوهن لا موالهن فعسىٰ اموالهن ان اتطغيهن ولكن تزوجوهن على الدين))[2]

(عورتوں سے ان کی خوبصورتی کی وجہ سے شادی نہ کرو شاید کہ ان کا حسن انہیں خراب کردے ،اور نہ ہی ان کے اموال کی وجہ سے شادی کرو ،شاید ان کے اموال ان کو سرکش بنا دیں ،بلکہ ان کی دینداری کی وجہ سے ان سے شادی کرو)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انما الدنيا متاع ،وليس من متاع الدنيا شيء "افضل من المرآة الصالحة "ما استفاد المؤمن بعد تقوىٰ الله اله من زوجة صالحة ،ان امرها اطاعته ،وان نظر اليها سرته ،وان اقسم عليها ابرته ،وان غاب عنها نصحة فى نفسها وماله)) [3]

بے شک دنیا متاع ہے اور دنیا کی متاع میں کوئی چیز نیک عورت سے زیادہ افضل نہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو چیز مومن کو فلاح دیتی ہے وہ نیک بیوی ہے کہ جب وہ اسے حکم دے اسے بجا لائے جب اس کے طرف نظر کرے تو وہ اسے خوش کردے اور جب اسے قسم دے تو اس کو پورا کرے اس کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے ۔

([1])خالد علوی،ڈاکٹر،اسلام کا معاشرتی نظام،الفیصل ناشران لاہور،۲۰۰۵ء،ص۶۸

([2])ابن ماجہ،سنن ابن ماجہ،ابواب النکاح،باب التزویج ذات الدین،رقم الحدیث،۱۸۵۹،ص۲۶۶

([3])ایضا،ابواب النکاح،باب افضل النساء،رقم الحدیث،۱۸۵۵۔۱۸۵۷،ص۲۶۶

گویا دینداری کی خصوصیت ہی اس ادارہ کو تمام اچھے برے حالات میں اپنے فرائض کی ادائیگی پر مستعد رکھتی ہے ،جس عمرانیاتی اعتبار سے اجتماعی ماحول پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ مطلوب ،ممکن الحصول ہو جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات کا منشاء ہے ،خاندان کااخلاقی کردار بنیادی اکائی کی حیثیت سےاس لئے بھی اہم ہے کہ یہ نسلی اورخونی رشتوں پر مبنی ادارہ ہے ،جس میں نئی نسل پروان چڑھتی ہے تربیت پاتی ہے۔

خاندان کا اخلاقیاتی کردار:

زوجین کو والدین کی حیثیت سے اولاد کی پرورش ،بیٹیوں اور بیٹوں میں عدم تفریق اور دونوں میں مساوی سلوک کی ذمہ داریاں پایہ تکمیل تک پہنچانے کا پابند بنایا گیا اور اس بات پر خصوصی توجہ دلائی گئی کہ بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کیا جائے ،حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

"من عال جار يتين حتىٰ تبلغا ،جاء يوم القيامة انا وهوا ،وضم اصابعه" [1]من كانت له جارية فعلمها فاحسن اليها ثم اعتقها وتزوجها كان له اجران [2]"من عال ثلاث بنات ،فادبهن وزوجهن واحسن اليهن،فله الجنتة [3]من كان له ثلاث بينات فصبر عليهن واطعمهن وسقاهن وكساهن من جدته، كن له حجابا من النار يوم القيامة[4]

(ان مذکورہ بالا احادیث میں فرمایا گیا "جس شخص کو دو بیٹیوں سے نوازہ گیا اس نے ان کی اچھی پرورش کی ،وہ روز قیامت میرے ساتھ یوں ہوگا آپ ﷺ نے دو انگلیوں کو ملا کر بتایا ،صحابہ نے دریافت فرمایا کہ ایک بیٹی کی جس نے پرورش کی ،تو آپ ﷺ نے اس کو بھی کہا اتنا ہی اجر ملے گا ،اور جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی انہیں آداب سکھائے ان کی شادی کی وہ بھی جنت کا حق دار ہے ،ایک جگہ فرمایا کہ جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی اس پر صبر کا مظاہرہ کیا اچھا کھلایا پلایا تو اس کے اور جہنم کے آگ کے درمیاں حجاب قائم کردیا جائے گا-)

"ان النبیﷺ:الا ادلک علیٰ الصدق؟ابنتک مردوة الیک ،لیس لها کاسب غیرک" حضور ﷺ نے بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر باپ کے گھر واپس آجائیں تو ان پر خرچ کرنا افضل ترین صدقہ ہے:گویا تربیت اولاد اور خصوصا بیٹیوں کی نگہداشت تعمیر شخصیت وکردار اور ان کی عائلی آباد کاری کواستحقاق جنت کا باعث قرار دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:" ایک عورت میرے پاس آئی اور اس کے ہم راہ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ پایا تو میں نے اسے وہی دے دی۔ پھر اس نے اسے اپنی بیٹیوں میں بانٹ

([1])المسلم،ابوالحسن، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب البر واصلۃ، باب فضل الاحسان، الریاض مکتبہ دار السلام، الطبعۃ الثانی ۲۰۰۰ء، رقم الحدیث ۶۶۹۵، ۱۱۳۶

([2])بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق باب فضل من ادب، رقم الحدیث، ۲، ۲۵۴۴/۱۴۰

([3])ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال، الریاض، مکتبہ دار السلام، ط، اولی، ۱۹۹۹ء ح، ۳، ۵۲۴۶، ۵۱۴۷/۳۴۲

([4])ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدہ، رقم الحدیث، ۳۶۶۹، ص ۵۲۶

دیا اور اس میں سے خود نہ کھایا، پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ اس کے بعد نبیﷺ گھر آئے میں نے آپﷺ کو بتایا تو آپﷺ نے فرمایا: "جو کوئی ان بیٹیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آگ سے مقابلے میں رکاوٹ ثابت ہوں گی۔[1]

آپﷺ نے باہم بیٹوں میں بھی کسی قسم کا امتیاز قائم نہیں فرمایا۔ اگر کسی نے اپنے ایک لڑکے کو عطیہ دیا اور دوسرے لڑکے یا لڑکوں کو نہ دیا تو آپﷺ نے اسے ظلم قرار دیا: چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ایک غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنائے۔ چنانچہ انھوں نے آپﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ آپﷺ نے دریافت فرمایاکہ کیا تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ میں سوائے حق کے کسی پر گواہ نہیں بنتا۔[2]

خاندان کا تربیتی کردار

خاندان ایک تربیت گاہ کے طور پر بھی اہم ہے ،اس تناظر میں بچوں میں اسلامی اقدار، وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ جسمانی اور عقلی تربیت کا بھی گہرا اثر پڑتا ہے ۔

اس سلسلہ میں اسوہ حسنہ کا وجود اس پہلوکے نمایاں آثار میں سےہے جو بچے کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے اور وہ بچہ اس کی پیروی کرتا ہے اور اس کے طریقہ کار پر چلتا ہے ،لہذا اس کے سامنے نمونہ صالح اور اچھا ہو گا تو اس کے باطن میں پوشیدہ صلاحیتیں متحرک اور اجاگر ہو ۔

والدین کا اہم فریضہ ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں تاکہ دنیا میں بھی باعزت زندگی گزار سکیں ،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾[3]

(اے ایمان والو!خود کواور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کاایندھن انسان اورپتھر ہوں گے۔)

یہ واضح حقیقت ہے کہ خاندان میں نئی نسل کی سیرت وکردار اور شخصیت کی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں والدین کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے ،حضورﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے :آپ نے ارشاد فرمایا کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کو کوئی عطیہ اچھے ادب سکھانے سے بہتر نہیں دے سکتا ۔

([1])بخاری، حدیث ۵۹۹۵، صحیح مسلم کتاب البر وصلۃ باب فضل الاحسان الی البنات

([2])ابوداؤد، حدیث ۳۵۴۲

([3])التحریم:۶/۶۶

اس تناظر میں خاندان معاشرہ کے تہذیبی وثقافتی ورثہ اور اقدار کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے عائلی زندگی معاشرے کا وہ پتھر ہے جس پر تہذیب وتمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے رسول کریمﷺ کا امتیازی کردار یہ ہے کہ آپ ﷺ نے امت میں یہ شعور دیا کہ اولاد کی تربیت صرف دنیاوی نقطہ نظر سے نہ کی جائے ،بلکہ یہ خیال بھی مدنظر رہے کہ اس کے ساتھ اخروی جوابدہی وابستہ ہے۔

حضرت لقمان کی پوری تعلیمی اور تربیتی تقریر ہی قرآن نے نقل کردی ہے اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [1]

چناچہ ادارہ خاندان میں والدین کے کردار کی اس اہمیت کے پیش نظر عمرانیات زندگی میں اس کی معنویت میں اضافہ ہو جاتا ہے اہل خانہ کی دیکھ بھال ،ان کی کفالت ،ان کی ضروریات کے لئے اخراجات ان کے جائز آرام وسکون کے لئے ایثار کا درس خاندان کے ادارے کی عظمت میں اضافہ کا باعث بنتا ہے ،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[2]

آیۃ مذکور ہ میں صاحب ایمان مرد اور صاحب ایمان عورتوں کی اس خصوصیت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ تمام اہل ایمان لوگ مل جل کر کام کرتے ہیں اور اس کے اثرات اجتماعی سطح تک پھیل جاتے ہیں جس کے نتیجے میں تہذیب وثقافت کی اعلیٰ اقدار پروان چڑھتی ہیں اور وہ اساس مضبوط و مستحکم ہوتی ہے ،جو وروحانی تربیت کو فروغ دیتی ہے اور خاندان میں پرورش پانے والی نئی نسل متوازن اور ایک مکمل شخصیت کے طور پر پروان چڑھتی ہے اور نظم وضبط کی عادی ہوتی ہے۔عورت کو چونکہ گھریلو زندگی کی منتظم بنایا گیا ہے لہذا اس کا فرض ہے کہ خوش اسلوبی اور سلیقہ کے ساتھ خاندانی معاملات کو نبھائے۔

آپﷺ سے اچھی بیوی کی خوبیاں دریافت کی گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا :وہ جس کو اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب حکم دے تو بجا لائے۔[3]عورت کے گھریلو فرائض کو واضح کیاگیا ہے "یہ فرائض عورت کے لئے مخصوص ہیں کہ وہ کھانے پینے اور لباس تیار

([1])ایضا

([2])التوبہ:۹/۷۱

([3])((ترمذی/ج۲،ص۳۵۷،رقم۱۱۴۴،ابن ماجہ/رقم۱۹۶۹(۱۳۳)نسائی

کرنے کی خدمت سر انجام دے ،شوہر کے مال کی حفاظت کرے ،بچوں کی تربیت کرے اور وہ تمام امور جو گھر سے متعلقہ ہوں انہیں بطریق احسن سر انجام دے ۔"[1]

خاندان کانفسیاتی کردار:

نبی کریم ﷺ نے بچوں کی اخلاقی تربیت کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی انتہائی اہمیت دی جو بہ ظاہر تو چھوٹی نظر آتی ہیں مگر مستقبل میں انسانی شخصیت و کردارپر ان کے بہت گہرے اور پائیدار اثرات دیکھنے میں آتے ہیں۔چناں چہ نبی کریم ﷺ بچوں کو سلام کی تلقین فرماتے تھے ۔ روایت میں آتا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا: "اے بیٹے ! جب اپنے گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرو ، یہ تمھارے اور اہل خانہ دونوں کے لیے باعث برکت ہو گا۔[2]بچوں کے لیے تربیت کا یہ اصول بتا یا گیا ہے:"اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو ، اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کے بستر علیحدہ کر دو" ۔([3])

خاندان بیرونی اور خارجی دباؤ کے معاملے میں افراد خانہ کے لئے اخلاقی ،نفسیاتی اور عملی پشت پناہی فراہم کرتا ہے تا کہ وہ غیر متوازن شخصیت بن کر منفی رویے نہ اختیار کریں ،دین اسلام ایثار وہمدردی کی جن اقدار کو پروان چڑھانے کا حکم دیتا ہے تاکہ انسان معاشرتی اعتبار سے باوقار رویوں کے ساتھ زندہ رہے ،یہ معرفت وآگاہی خاندانی تربیت کے ذریعے ہی فرد کی شخصیت کا حصہ بنتی ہے۔

> "اسی طرح انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا گیا ،اسے کچھ صلاحیتیں اور توانائیاں عطا کی گئی ہیں جنہیں استعمال کرنے کی ضرورت ہے ،اس کے اندر بعض جذبات اور میلانات ودیعت کر دیئے گئے ہیں ،جن کی تسکین کا سامان کرنے پر وہ مجبور ہے ۔داعیات اور تقاضے دراصل اس کیبقاء اور ترقی کے ضامن ہیں ،اسلام ایک حیات آفرین دستور العمل ہے ،وہ مقتضیات فطرت سے نبرد آزمائی نہیں سکھاتا بلکہ ان کے لئے صحیح سمت سفر متعین کرتا ہے۔"[4]

کبھی کبھار یہی خاندان ارتقائی مراحل مزید طے کرنے کی بجائے انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتا ہے جس کی بنیادی وجہ طلاق ہے۔ہر معاشرے میں طلاق ایک نا پسندیدہ امر ہے اس کے باوجود طلاق کا تصور تقریباًہر معاشرےمیں پایا جاتا ہے۔جن معاشروں میں عورت کو مرد کی جاگیر سمجھا جاتا ہے ان معاشروں میں مرد عورت کو طلاق دینے میں ہر قسم کی پابندی سےآزادی ہےاس کاجب دل چاہتا ہے اپنی بیوی کو

([1]شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مرجم مولانا عبدالرحیم، الفیصل ناشران، لاہور ۲۰۰۳ء ص ۵۰/۴

([2]ترمذی، حدیث ۲۷۰۷

([3]ابوداؤد، حدیث ۴۹۵

([4]جلال الدین عمری، سید، اسلام کا عائلی نظام، الفیصل ناشران کتب، س ن، ص ۵۵، ۵۴

طلاق دے دیتا ہےاور فوراًاس کو گھر سے بھی نکال دیتاہے۔لیکن دین اسلام صرف انتہائی ناگزیر حالات میں طلاق کا اختیار کرنے کا مرد کو دیتا ہے۔جس کو مرد فقط مجبوری کی حالت میں اختیار کرسکتا ہے۔اسی ضمن میں ابن ماجہ حدیث نبوی بیان کرتے ہیں:

((أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ))[1]

(حلال چیزوں میں سےاللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔)

دیگرالہامی مذاہب کی طرح اسلامی شریعت میں بھی طلاق ایک مذموم فعل ہے اور بغیر شرعی عذر کے طلاق دینے میں دلیری وہی شخص کر سکتا ہے جو دینی اعتبار سے کمزور ہو۔اور بوقتِ ضرورت طلاق دینے کے لیے ایسے قوانین و تعلیمات دی گئی ہیں کہ جن سے فریقین اس بندھن کے انقطاع کے بعد سکون کی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزار سکیں۔

کسی بھی نظام کو چلانے کے لیے انتظامی طور پر کسی ایک سرپرست یا حاکم کا ہونا ضروری ہوتا ہے ،اگر ایک سے زاہد ایسے اشخاص کو ایسا منصب دیا جائے کہ جن کے ہاتھ فیصلہ کرنے سمیت جملہ افعال کے مساوی اختیارات ہوں تو شدید اختلافِ رائے کے پیشِ نظر انتظامی امور کا چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔اسی تناظر میں اسلام نےازدواجی نظام کی حاکمیت خاوند کو دی ہے،اور اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے خالق و مالک ہیں اور مالک کو اپنی تخلیقات میں تصرف کا مکمل حق حاصل ہوتا ہے تو اللہ جو مالکِ مطلق ہیں اُن کو حق ہے کہ اپنے فضل سے جس کو چاہیں حاکم بنائیں اور جس کو چاہیں محکوم، جب یہ امر مسلم ہے تو کوئی اشکال باقی نہ رہا ،مع ہذا فضیلت کی ایک ظاہری وجہ بتلادی کہ زوجہ کے جملہ اخرجات برائے نان نفقہ، لباس و رہائش خاوند کے ذمہ ہونے کی وجہ سےخاوند کو عائلی انتظام میں عورت پر حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ فرماکا فرمان ہے:"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔[2] یعنی "مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں ۔"

خاوند اس حاکمیت کو اپنی من مانی یافقط ذاتیات اور اپنے جذباتی کیفیت کے زیرِ اثر یا عورت پر اپنی فوقیت جتلانے کے لیے استعمال کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سےبارگاہِ خداوندی میں مجرم ہوگا ۔اور اگر عورت کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا کرے تو ظالم اور سخت گنہگار ہوگا۔مرد وں کو اپنی حاکمیت اور فیصلوں میں یکسر آزاد نہیں چھوڑا گیا بلکہ انہیں اپنے اختیارات کے استعمال کے طریقے اور اس حاکمیت کو ازدواجی رشتے کے قِیام و دوام کے لیے استعمال کرنے کی پرزور ترغیب دی گئی ہے اگرچہ زوجہ میں کچھ نقائص پائے جاتے ہوں۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ

([1])ابن ماجہ، محمد بن یزید أبو عبد اللہ القزوینی، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب حدثنا سوید بن سعید، حدیث نمبر،۲۰۱۸ ص:۱/۶۵۰

([2])النساء:۴/۳۴

كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا[1] اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کردے"

اسلام میں طلاق کی مذمت

اسلام میں طلاق دینا مباح اور جائز ہے، لیکن اسے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔لہذا جب تک شدید ضرورت نہ ہو تب تک طلاق دینے سےاجتناب برتنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :"ما أحل اللہ شیئا أبغض إلیہ من الطلاق۔[2] اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں حلال کی ہیں ان میں سب سے زیادہ مبغوض شے اللہ کے ہاں طلاق ہے۔"طلاق کے امرِ عظیم ہونے کے بارے میں حدیث میں وار ہے :"تزوجوا ولا تطلقوا فإن الطلاق یھتز منہ العرش[3]شادی کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق دینے سے عرش لرز جاتا ہے۔ "اسی طرح ایک اور روایت میں وارد ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"((یا معاذ ما خلق اللہ شیئا علی وجہ الأرض أحب إلیہ من العتاق ولا خلق اللہ شیئا علی وجہ الأرض أبغض إلیہ من الطلاق)) اے معاذ!اللہ تعالیٰ نے ر وئے زمین پر جتنی مستحب چیزیں پیدا کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیزغلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی حلال : چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سب سے زیادہ بُری چیز طلاق دینا ہے۔[4]

مذکورہ بالابیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق دینااسلامی تعلیمات میں کس قدر ناپسندیدہ ہے۔ اس ناپسندیدگی کی علت نکاح سے حاصل ہونے والےانفرادی اور اجتماعی فوائد سے محرومی ہے،کیونکہ نکاح سے رفیقۂ حیات سےراحت و تسکین کا حصول،جنسی بےاعتدالیوں سے تحفیظ،افزائش نسل،بچوں کی تعلیم و تربیت،بہتر معاشی اور معاشرتی معاملات جیسے فوائد فقط زوجین کے باہمی خوشگوار تعلقات پر موقوف ہیں۔ اگر خدانخواستہ ازدواجی تعلقات میں تناؤ اور زوجین کے باہمی حقوق مجروح ہوجائیں تو کئی گھرانے، خاندان اور نسلیں تک متاثر ہوتی ہیں اورمتاثراہ افراد میں شرانگیزی ،جرائم،احساس محرومی اور سفاکیت جیسے جملہ شیطانی افعال معارض

([1])النساء:۱۹/۴

([2]) سلمان بن الاشعث ابوداؤد،**السنن**،کتاب الطلاق، باب فی کراھیۃ الطلاق(بیروت:دار الفکر،1426ھ)،حدیث نمبر:1:661،2177

([3]) علی بن حسام متقی،**کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال**،کتاب الطلاق من قسم الاقوال،الفصل الثانی فی الترھیب عن الطلاق،(بیروت:مؤسسۃ الرسالۃ،1989ء)،حدیث نمبر:9:1161،27874

([4]) علی بن عمر،**سنن الدار قطنی**،کتاب الطلاق والخلع والایلاء(بیروت:دار المعرفۃ،1386ھ)،حدیث نمبر:4:35،94

وجود میں آسکتی ہیں۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ شیطان اپنے چیلوں کی کار گزاری سنتے ہوئے اُس چیلے سے سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے اور اسے اپنے قریب کر تا ہے جو کہتا ہے۔"ما ترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرائتہ[1]میں نے (ایک بندہ کو گمراہ کرنا شروع کیا اور) اس وقت تک اس آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈالو دی۔

اسلامی شریعت میں طلاق دینے کا طریقہ:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کوئی شخص اپنی زبان سے اپنی زوجہ کو طلاق کا لفظ کہہ کر یا نیت کے ساتھ کوئی ایسی بات کہے کہ جس سے طلاق دینا مفہوم ہو تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔خواہ ایسا مذاق سے کہے یا غصے سے بہر حال طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:"ثلاث جدھن جد وھزلھن جد ا لنکاح والطلاق والرجعۃ(2) یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ انہیں چاہے سنجیدگی سے کہا جائے یا ہنسی مذاق میں ان کا اعتبار ہوگا، (وہ یہ ہیں۔)نکاح،طلاق اور رجوع کرنا۔"اسلام میں فقط الفاظِ طلاق کی ادائیگی سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ طلاق کی اس قدر آسانی سے ادائیگی کے سبب ہر زوج کو شرعی طور پر طلاق دینے میں بہت احتیاط کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی لیے اس معاملے میں مذاق سے بھی منع کیا گیا ہے۔اسلامی شریعت میں طلاق دینے کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں:

(1)طلاقِ سنت(مسنون طریقہ)(2)طلاقِ بدعت(مکروہ طریقہ

(1)طلاقِ سنت

طلاقِ سنت سے مراد طلاق دینے کا ایسا طریقہ ہے جس میں خاوند اپنی مدخولہ زوجہ کو ایسے پاکی کے زمانے میں کہ جس میں ہمبستری نہ کی ہو،ایک طلاقِ رجعی دے۔اب اس کی دو صورتیں ہیں۔(۱)احسن (۲)حسن۔

احسن: اگر ایک طلاقِ رجعی دینے کے بعد پھر مکمل عدت گزرنے تک شوہر رجوع نہ کرے تو عورت بائنہ یعنی نکاح کے بندھن سے آزاد ہوجائے گی، اس طرح نکاح کے بندھن سے خلاصی کو طلاقِ احسن کہتے ہیں۔ طلاقِ احسن دینے کی صورت میں اگر خاوند دورانِ عدت رجوع کرنا چاہے تو بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن اس طلاق کی عدت گزرنے کے

---

(1) مسلم بن حجاج قشیری، **الصحیح**، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس وان مع کل انسان قرینا، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1424ھ)، حدیث نمبر:2813،4:2167

2۔ ابوداؤد، **السنن**، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الھزل، حدیث نمبر:2194،1:666

بعد رجوع کرنے کے لیے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا یعنی مرد اور عورت دونوں کی رضامندی ضروری ہےاور قبل از تکمیلِ عدت رجوع کرنے یاعدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کے بعد خاوند دو طلاق کامالک ہوگا کیونکہ وہ نکاح کے ذریعہ ملنے والے تین طلاقوں میں سے ایک طلاق دے چکا ہے۔"طلاقِ احسن" کے بارے میں ابن سیرین حضرت علیؓ سے روایت نقل فرماتے ہیں۔

"لو أن الناس أصابوا حد الطلاق ما ندم رجل على امرأة يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض [1] اگر لوگ طلاق دینے کی حد کو پہنچ ہی گئے ہوں تو وہ شخص (طلاق دینے)پر نادم نہیں ہوگا جو عورت کو ایک طلاق دے پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔"

امام طاؤسؒ(متوفی:۱۰۶ھ) سے روایت ہے کہتے ہیں: "طلاق السنة أن يطلق الرجل امرأته طاهرا في غير جماع ثم يدعها حتى تقضي عدتها[2]طلاقِ سنت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی زوجہ کو ایسے طہر میں طلاق دے کہ جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ اپنی عدت پوری کرے۔"عام طور پر صحابہؓ اور تابعینؒ طلاق کے اسی طریقہ کو پسند کرتے تھے، کیونکہ طلاق دینا مباح لیکن ناپسندیدہ عمل ہے جو بوقتِ ضرورت ہی دی جاتی ہے لہذا جب اس معاملے میں مقصود ایک طلاق ہی سے حاصل ہو جاتا ہے تو دوسری مرتبہ اسے استعمال نہ ہی کرنا بہتر ہے ۔

حسن۔اگر حالتِ طہر میں خاوند اپنی مدخول بہا زوجہ کو ایک طلاقِ رجعی دے پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے ۔تو طلاق بھی واقع ہوجائیں گی اور تیسرے حیض سے فراغت پر عدت بھی مکمل ہوجائیگی۔جیسا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "طلاق السنة أن يطلقها في كل طهر تطليقة فإذا كان آخر ذلك فتلك العدة التي أمر الله بها[3] طلاقِ سنت (میں ایک طریقہ)یہ (بھی)ہے کہ کوئی شخص (اپنی منکوحہ کو) ہر طہر میں ایک طلاق دے ،پس جب آخری (تیسری)طلاق دے تو یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس(مطلقہ)عورت کو حکم دیا ہے۔"

لیکن تین طلاقوں کے بعد زوجین کے باہمی رضامندی سے بھی ان دونوں کا نکاح نہیں ہوپائے گا یہاں تک کہ عورت کسی اور نامحرم مرد سے نکاح و حقوقِ زوجیت ادا نہ کر لے اور پھر وہ زوجِ ثانی از خود طلاق دے یاانتقال کر جائے اور یہ عورت عدت گزارے۔ جملہ تقاضوں کی تکمیل پر مذکورہ عورت اپنے سابقہ خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور اب خاوند ایک بار پھر تین طلاقوں کا

---

[1]۔ عبد اللہ بن محمد ابن ابی شیبۃ، **المصنف فی الاحادیث و الآثار**، کتاب الطلاق، ما قالوا فی طلاق السنۃ ما و متی یطلق؟(ریاض: مکتبۃ الرشد، 1409ھ)،حدیث نمبر:17728،4:55

[2]۔ایضاً۔مایستحب من طلاق السنۃ،وکیف ھو؟،حدیث نمبر:17740،4:56

[3]۔ دار قطنی، **سنن الدار قطنی**، کتاب الطلاق والخلع والایلا، حدیث نمبر:4،4:5

مالک ہوگا۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ[1] پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری)طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوگی۔ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے پھر(یہ زوجِ ثانی سے مطلقہ) عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان (حدود) کو وہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔"

طلاق کو ایسے طہر میں دینے کا حکم ہے کہ جس میں جماع نہ کیا ہو، اس کی علت فقہاء کرام یہ بتاتے ہیں کہ حالتِ حیض میں شوہر کی رغبت بیوی کی طرف کامل نہیں ہوتی ،ممکن ہے کہ حیض کی طلاق کے بعد آنے والے پاکی کے زمانے میں رغبت بڑھنے پر خاوند نادم ہوجیسا کہ علاءالدین کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"والطلاق في طهرلا جماع فيه دليل على عدم الندم لأن الطهر الذي لاجماع فيه زمان كمال الرغبة[2]

اور (شرعی حکم کے مطابق) ایسے طہر میں طلاق دینا کہ جس میں جماع نہ کیا ہو (یہ حکم) خاوند کے (طلاق کے فیصلے پر)نادم نہ ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ ایسی طہر جس میں جماع نہ کی گئی ہو ،ایسا زمانہ ہوتا ہے جس میں خاوند کا (اپنی زوجہ کی طرف) کمالِ رغبت ہوتا ہے۔"

اور جماع نہ کرنے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ طہر میں اگر جماع کرنے کے بعد طلاق دی جائے اور پھر معلوم پڑے کہ زوجہ امید سے ہوگئی ہے تب خاوند کو طلاق دینے پر ندامت ہوجائے ۔لہذا اگرزوجہ حاملہ ہے یا ایسی عورتوں میں سے ہے کہ جنہیں حیض نہیں آتے صغر یا کبر کی وجہ سے تو انہیں کبھی بھی طلاق دے سکتے ہیں اگرچہ جماع کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔لہذا " أبو المعالي برهان الدينؒ فرماتے ہیں:"وإن كانت ممن لا تحيض لصغر أو كبر طلقها متى شاء واحدة، وإن كان عقيب الجماع وكذلك الحامل[3] اور اگر عورت ایسی ہو کہ جسے صغر(نابالغہ ہونے)یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتے ہوں انہیں کبھی بھی ایک طلاق دے سکتے ہیں اگرچہ جماع کے بعد بھی اور یہی حکم حاملہ کا بھی ہے۔"لہذا طلاق دینے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کیا گیا کہ جب خاوند

---

[1]۔البقرۃ:۲/۲۳۰

[2]۔ابو بکر بن مسعود بن احمد علاءالدین کاسانی،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع(بیروت:دارالکتب العلمیۃ،1406ھ)،3:88

[3]۔ محمود بن احمد،المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی)بیروت،دارالکتب العلمیۃ،1424ھ)،3:200۔

انتہائی رغبت رکھتا ہو،اب اگر باوجود رغبت کے طلاق دے تو معلوم ہوا کہ یہ جذباتی فیصلہ نہیں بلکہ خوب غور و فکر کرنے کے بعد کا فیصلہ ہے ۔

اگر زوجہ ایسی ہو کہ اسے حمل یا کسی اور وجہ سے حیض نہیں آتے یا حاملہ ہونے سے(بیماری یا صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے) ناامید ہوتو اُسے ایسے طہر میں بھی طلاق بلا کراہت دے سکتے ہیں کہ جس میں جماع کی ہو، کیونکہ یہاں مذکورہ بالا علت نہیں پائی جاتی۔اسی لیے حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں: "طلاق السنة في قبل العدة يطلقها طاهرا في غير جماع وإن كان بها حمل طلقها متى شاء [1] طلاقِ سنت کے عدت کے معاملے میں یہ ہےبات ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے کہ جس میں جماع نہ کیا ہو اور اگر عورت حاملہ ہو تو کبھی بھی(جماع سے پہلے یا بعد میں)طلاق دے سکتے ہیں۔"دونوں ہی صورتوں میں شریعت کی تعلیمات شوہر کو حفظِ ما تقدم کے طور پر حکم دیتی ہے کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق دے کیونکہ ممکن ہے کہ اگلے طہر کے زمانے میں رجوع کی کوئی صورت بن جائے۔

امام مالکؒ کے ہاں طلاقِ سنت فقط ایک طلاق ایسے طہر میں دینے کا نام ہے جس میں جماع نہ کیا ہو ، پھرمطلقہ عدت گزارے۔اگرایک طہر ،غیر جماع میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی جائے تو امام مالکؒ کے ہاں یہ سنت طلاق نہیں ہوگی۔کیونکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں: "ما أدركت أحدا من أهل بلدنا يرى ذلك ولا يفتي به ولا أرى أن يطلقها ثلاث تطليقات عند كل طهر طلقة، ولكن تطليقة واحدة ويمهل حتى تنقضي العدة[2] میں نے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا ہمارے شہر(مدینہ) میں اور نہ ہی کسی نے فتویٰ دیا ہے اور میں بھی نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاق(اس طرح) دے (کہ)ہر طہرمیں ایک طلاق دے۔لیکن(سنت طریقہ یہ ہے کہ)ایک ہی طلاق دے یہاں تک کہ عدت پوری ہوجائے۔"

(2)طلاقِ بدعت

طلاقِ بدعت طلاق دینے کے ایسے طریقے کو کہتے ہیں کہ جو طلاقِ سنت کے خلاف ہو۔اس طرح طلاق دینا شرعا ممنوع و مکروہ ہے نیز طلاق دینے والا بارگاہِ خداوندی میں گنہگار بھی ہوگا۔لیکن ان صورتوں میں طلاق واقع ہوجاتی ہیں۔طلاقِ بدعت کی مختلف صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

---

[1]۔ ابن ابی شیبہ، **مصنف فی الاحادیث والاثار**، کتاب کتاب الطلاق، ما قالوا فی طلاق السنۃ ما ومتی یطلق، حدیث نمبر:17729، 4:55

[2]۔ مالک بن انس، **المدونۃ**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1415ھ)، 3/2

ا- مدخول بہا بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دینا، لیکن ایسی حالت میں اگر ایک یا دو طلاقِ رجعی دی ہے تو رجوع کرلینا چاہیے۔جیسا کہ روایت میں وارد ہے:"طلق ابن عمر امرأته وهي حائض ، فذكر عمر للنبي - صلى الله عليه وسلم - فقال " ليراجعها .[1] حضرت ابن عمرؓ نے اپنی زوجہ کو طلاق دی جبکہ وہ حیض کی حالت میں تھیں،تو حضرت عمرؓ نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا، جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ،اسے چاہیے کہ وہ ،اس سے رجوع کر لے۔"فقہاءکرام نے اس مراجعت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکم دینے کی وجہ سے واجب کہا ہے لہذا امام زبیدیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ طلاقِ بدعت ممنوع ہونے کے باوجود واقع ہوجاتی ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیض میں دیئے گئے طلاق کے عدم وقوع کا نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا"« ليراجعها »" یعنی زوجہ سے رجوع کرے،اور رجوع وہی کرتا ہے جس کی طلاق واقع ہو۔نیزحدیث میں وارد رجوع سے متعلق زبیدیؒ فرماتے ہیں:"قوله (وإذا طلق امرأته في حال الحيض وقع الطلاق ويستحب له أن يراجعها) الاستحباب قول بعض المشايخ والأصح أنه واجب عملا بحقيقة الأمر وهو وهو «قوله - عليه السلام - لعمر - رضي الله عنه - مر ابنك فليراجعها وكان قد طلقها وهي حائض [2] مصنف کا قول،(اور جب طلاق دے کوئی شخص اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اس شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ طلاق سے رجوع کر لے۔)یہ استحباب کا قول بعض مشائخ کا ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ مرد کا ایسی صورت میں رجوع کرنا واجب ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی زوجہ سے رجوع کرے جبکہ اس نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی۔"

اسلامی شریعت میں خاوند اپنی زوجہ کو ایسے طہر میں طلاق نہ دے کہ جس میں جماع کر چکا ہو۔جیسا کہ ابن عباسؓ کا قول منقول ہے :" الطلاق على أربعة وجوه وجهان حلال ووجهان حرام فأما الحلال فأن يطلقها طاهرا عن غير جماع وأن يطلقها حاملا مستبينا وأما الحرام فأن يطلقها وهي حائض أو يطلقها حين يجامعها لا تدري أشتمل الرحم على ولد أم لا [3] طلاق کی چار صورتیں ہیں جن میں سے دو حلال ہیں اور صورتیں حرام ہیں۔ جہاں تک پہلے حلال کا تعلق ہے تو وہ یہ کہ(ا) کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایسے طہر میں کہ جس میں جماع نہ کیا ہو ۔(۲)اور اگر ایسی حاملہ عورت کو طلاق دی کہ جس کا حمل ظاہر ہو چکا تھا۔ اور دو حرام صورتیں یہ ہیں کہ (۳)طلاق حیض کی حالت میں دی جائے۔(۴)اور چہارم یہ کہ پاکی کی حالت میں جماع کے بعد طلاق دے ، کیونکہ کہ جماع سے

1۔ محمد بن اسماعیل البخاری،**الجامع الصحیح**،کتاب الطلاق، باب اذا طلقت الحائض یعتد بذالک الطلاق(بیروت: دار ابن کثیر،1407ھ)،حدیث نمبر:4954،5:2011۔

2۔ ابو بکر بن علی زبیدی،**الجوهرة النيرة**)مصر:المطبعۃالخیریۃ،1322ھ)،2:32۔

3۔دار قطنی، **سنن الدار قطنی**، کتاب الطلاق والخلع والایلاء، حدیث نمبر:3890،5:8

اب یہ معلوم نہیں کہ رحم میں اولاد ہے یا نہیں؟۔"ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:"أو في طهر قد جامعها فيه .....فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا[1]طلاق بدعت کی ایک صورت یہ ہے کہ) ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع کیا ہو.جب (جماع والی طہر)طلاق دیدی تو طلاق واقع ہوجائے گی اورطلاق دینےوالا گنہگار ہوگا۔"

تعلیماتِ اسلامی کی روشنی میں ایک ہی طہر میں ایک سے زائد بار (دو یا تین) طلاق دینا، یا ایک جملہ میں تینوں طلاق دینے کی مذمت اس روایت سے ظاہر ہے:"عن أنس، قال:كان عمر إذا أتي برجل قد طلق امرأته ثلاثا في مجلس أوجعه ضربا وفرق بينهما[2] حضرت انسؓ کہتے سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق ایک مجلس میں دیئے ہوتے تو آپؓ اسے (سزاکے طور پر کوڑے)مارتے اور زوجین میں جدائی کردیتے۔"اسی طرح ایک طہر میں دو طلاق دینا بھی طلاقِ بدعت ہوگا جیسا کہ صاحبِ ھدایہ رقم فرماتے ہیں: "وكذا إيقاع اثنتين في الطهر الواحد بدعة[3] اسی طرح ایک طہر میں دو طلاق دینا بھی (طلاقِ) بدعت ہے۔"**طلاقِ بائن دینا:**طلاقِ بائن دینا بعض علمائے کرام کے ہاں بدعت ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدینؒ نے نقل کیا ہے : "فالواحدة البائنة بدعية[4]

ایک طلاقِ بائن دینا بدعت ہے۔"لیکن اس امر میں اختلاف ہے بعض علمائے کرام طلاق بائن کو طلاقِ مطلق پر زیادتی قرار دے کر ضرورت سے زائد امر شمار کرتے ہوئے دو طلاقوں پر قیاس کرتے ہوئے خلافِ سنت کہتے ہیں اور بعض کے ہاں یہ مکروہ نہیں کیونکہ وہ ایک طلاق سے نکاح کو ختم کرنا چاہتا ہے۔تو ایک طلاق ایک طہر میں واقع ہونے کی وجہ سے خلاف سنت نہیں ہے۔[5] اسلامی فقہ میں نابالغہ بیوی کو یا بڑی عمر والی بیوی کو، کہ جسے حیض نہ آتا ہو،ایک حیض کی جگہ ایک مہینے میں ایک سے زیادہ طلاق دینے سے منع کیا گیا ہےکیونکہ فقہائے کرام نے دو طہر کے درمیان حیض کو بطور فصل قرار دیا کہ طہر میں طلاق دی جائے اور

---

[1]۔ملا علی قاری، **مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح**)بیروت:دارالفکر،1422ھ)،5:2146۔

[2]۔ ابن ابی شیبہ،**المصنف فی الادیث والآثار**،کتاب الطلاق،باب من کرہ ان یطلق الرجل امرؤتہ ثلاثا فی مقعدواحد، و اجاز ذلک علیہ،حدیث: 4:61،17790

[3]۔ علی بن ابی بکر مرغینانی،**الھدایۃ**)پاکستان:مکتبۃالبشری،1432ھ)،3:133

[4]۔ محمد امین ابن عابدین،**ردالمحتار علی الدرالمختار**)بیروت:دارالفکر،1412ھ)،3:231۔

[5]۔ ابو بکر بن علی زبیدی،**الجوھرۃ النیرۃ**،2/31۔

حیض میں طلاق ممنوع ہے اور ایک طہر میں ایک ہی طلاق دی جائے ۔جیسا کہ صاحبِ عنایہؒ رقم فرماتے ہیں:"

وإذا كانت المرأة لا تحيض من صغر أو كبر فأراد أن يطلقها ثلاثا للسنة طلقها واحدة، فإذا مضى شهر طلقها أخرى، فإذا مضى شهر طلقها أخرى) ؛ لأن الشهر في حقها قائم مقام الحيض"[1]) اور جب عورت ایسی ہو کہ جسے حیض نہ آتے ہوں کم عمر(نابالغہ)ہونے یا عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے تو اسے اگر کوئی تین طلاقِ سنت دینا چاہتا ہوایک طلاق دے پھر ایک مہینہ گزر جانے کے بعد دوسری طلاق دے اور پھر ایک مہینہ گزرجانے کے بعد تیسری طلاق دے۔ اس لیے کہ ایسی عورت کے حق میں ایک مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہے۔" حاصلِ کلام یہ کہ طلاق دینے کےاوپر ذکر کیئے گئے طریقے بدعت اور ممنوع ہیں، اگر کسی نے اس طرح طلاق دی تو وہ شخص سخت گنہگار ہوگا ،لہذااسلامی تعلیمات کے مطابق جب شرعی ضرورت پیش آئے تو طلاق کے معاملے میں سنت طریقے کو اپنانا چاہیے اور غیر سنت طریقوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر واضح ہے کہ اسلامی تعلیمات میں طلاق ایک مذموم فعل ہے اور بحالتِ ضرورت طلاق دی جا سکتی ہے۔نیز اسلام میں نکاح کے قیام و دوام کے لیے تفصیلی احکامات ہیں اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ طلاق سے باز رہنے پر زودیا گیا ہے ،پھر بوقت ضرورت بھی اسلامی تعلیمات میں طلاق نہ دینے کو بہتر سمجھا جاتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حقوق کی ادائیگی محال ہو یا معاملہ ظلم تک جاپہنچنے کا قوی امکان ہوتو طلاق دینے کو امر مستحسن قرار دیا گیا ہے۔جیسا کہ ارشادِ نبویﷺ ہے:

((ثلاثة يدعون الله فلا يستجاب لهم: رجل كانت تحته امرأة سيئة الخلق فلم يطلقها، ورجل كان له على رجل مال فلم يشهد عليه، ورجل آتى سفيها ماله وقد قال الله عز وجل {ولا تؤتوا السفهاء أموالكم}))[2]

(تین لوگ ایسے ہیں کہ جن کی دعاء اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا(۱)ایسا شخص جس کی زوجیت میں نہایت ہی بُرے اخلاق والی عورت ہو لیکن وہ اسے طلاق نہ دیتا ہو۔(۲)دوسرا وہ شخص جس کا کسی دوسری پر مال ہو لیکن

---

[1]۔ محمد بن محمد،**العنایۃ شرح الھدایۃ**)بیروت،دارالفکر،1427ھ)،3:474،475

(2) ابو عبداللہ حمد بن عبداللہ الحاکم ،**المستدرک علی الصحیحین**، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النساء(بیروت: دارالکتب، العلمیۃ، 1990ء)، حدیث نمبر: 3181،1:331

اس پر گواہ نہ بنائے۔(۳) تیسرا وہ شخص جو کسی بچے کو (ذہنی بلوغت سے پہلے ہی)اس کا مال دے دے جبکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں "اور مت دو (ذہنی اعتبار سے نابلد)بچوں کو اپنا مال)

لیکن موجودہ دور میں اس کی شرح میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔اور اس سے بڑی قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کا زیادہ رجحان پڑھے لکھے طبقے میں زیادہ ہے۔طلاق کی بنیادی وجہ عدم برداشت ہے۔طلاق کی شرح بڑھنےکا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ عورت زمانہ جاہلیت کی طرح دوبارہ غیر محفوظ ہوتی چلی جارہی ہے، دوسرابڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے خاندانی نظام کی بنیاد ہل کررہ گئی ہے۔نکاح ایک ایسا مشترک معاملہ ہے کہ معاشروں کے تغیر وتبدل سے جس کے قوانین میں بھی تغیر وتبدل آیاہے لیکن ہر معاشرے میں کسی نہ کسی صورت میں انسانی معاشرت کاجزو لاینفک کی حیثیت اختیار کیےہوئےہیں۔انسانی فطرت ہے کہ انسان جوڑنے کامحتاج ہوتا لیکن کبھی کبھار تعلق ختم کرنا یا تعلقات کو توڑنے پر بھی مجبور ہونا بھی اس کی ضرورت ہے۔لہٰذا یہ اتصال و انقطاع کا سلسلہ انسانی زندگی کا اہم حصّہ ہیں۔

عدت:

عدت سے مراد وہ دورانیہ ہے جو عورت کوشوہر سےخلع لینےیاطلاق واقع ہونےیا تنسیخ نکاح کےبعد خاص مدت کےلیے گزارنا ہوتا ہے۔عدت کے لیے خلوتِ صحیحہ کا ہونا شرط ہے۔ اگر خلوتِ صحیحہ کے بغیر کسی وجہ سےطلاق یا خلع یا تنسیخِ نکاح ہو جائے تو اس صورت میں عورت پر عدت گزارنا لازم نہیں ہوتا؛ لیکن بیوہ غیر مدخولہ پر عدت لازم ہوتی ہے۔

مدتِ عدت کی گنتی کا آغاز وقت طلاق یا وفات سے کیا جائے گا اور عدت تفریق، طلاق یا وفات کے وقت سے واجب ہوگی اگرچہ عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہیں ہوا اور عدت کی مدت گزر گئی تو عدت پوری سمجھی جائے گی۔

عورت کو اسی گھر میں عدت پوری کرنی چاہیے جس گھر میں عدت واجب ہوئی ہے یعنی جس گھر میں شوہر کی وفات کے وقت وہ موجود تھی مگر یہ کہ وہ مکان کسی دوسرے کا ہو، اسے وہاں رہنے نہ دیا جائے یا وہ مکان منہدم ہو جائے یا منہدم ہونے کا خطرہ ہو، یا اس گھر میں عورت کو اپنی جان و مال اور آبرو کے بارے میں خوف لاحق ہو یا ضروریات کا انتظام کرنے والا کوئی نہ ہو، ضروریاتِ زندگی آسانی سے پوری نہ ہوسکتی ہوں اور یہ بھی ممکن نہ ہو کہ کوئی بھائی یا دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے پاس رہ کر اس کی حفاظت کرسکیں تو اس صورت میں وہ اپنے ماں، باپ، بہن یا بھائی کے گھر میں رہ کر عدت پوری کرسکتی ہے۔

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ اگر عورت کو خطرہ لاحق ہو تو وہ کسی اور جگہ دوران عدت منتقل ہو سکتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ. فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَحَوَّلَ))[1]

([1]) ابن ماجہ،السنن،کتاب الطلاق، باب هل تخرج المرأة فی عدتها،2: 512،رقم:2033

فاطمہ بنت قیس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اس امر کا ڈر ہے کہ کوئی میرے مکان میں نہ گھس آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں جگہ تبدیل کرنے کا حکم فرمایا۔

اسی طرح اسلام میں حاملہ اور غیر حاملہ عورت کی عدت بھی مختلف ہے۔مثلاجس عورت کا خاوند وفات پا جائے اور وہ حاملہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہو جاتی ہے۔ خواہ خاوند کی وفات کے چند لمحوں بعد ہی بچہ پیدا ہوا ہو یعنی بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی عورت عدت سے فارغ ہو جائے گی۔ اس کے لیے کسی اور سے بھی شادی کرنا حلال ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾[1]

(اور حاملہ عورتیں (تو) ان کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔)

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((إِنَّ أَبَاهُ كَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ الزُّهْرِيِّ، يَأْمُرُهُ أَنْ يَدْخُلَ عَلَى سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ الْأَسْلَمِيَّةِ، فَيَسْأَلَهَا عَنْ حَدِيثِهَا وَعَمَّا قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، حِينَ اسْتَفْتَتْهُ. فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ يُخْبِرُهُ؛ أَنَّ سُبَيْعَةَ أَخْبَرَتْهُ؛ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ. وَهُوَ فِي بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ. وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا. فَتُوُفِّيَ عَنْهَا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهِيَ حَامِلٌ. فَلَمْ تَنْشَبْ أَنْ وَضَعَتْ حَمْلَهَا بَعْدَ وَفَاتِهِ. فَلَمَّا تَعَلَّتْ مِنْ نِفَاسِهَا تَجَمَّلَتْ لِلْخُطَّابِ. فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ، فَقَالَ لَهَا: مَا لِي أَرَاكِ مُتَجَمِّلَةً؟ لَعَلَّكِ تَرْجِينَ النِّكَاحَ. إِنَّكِ، وَاللهِ! مَا أَنْتِ بِنَاكِحٍ حَتَّى تَمُرَّ عَلَيْكِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ. قَالَتْ سُبَيْعَةُ: فَلَمَّا قَالَ لِي ذٰلِكَ، جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي حِينَ أَمْسَيْتُ. فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلْتُه عَنْ ذٰلِكَ؟ فَأَفْتَانِي بِأَنِّي قَدْ حَلَلْتُ حِينَ وَضَعْتُ حَمْلِي. وَأَمَرَنِي بِالتَّزَوُّجِ إِنْ بَدَا لِي. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَلَا أَرَى بَأْسًا أَنْ تَتَزَوَّجَ حِينَ وَضَعَتْ. وَإِنْ كَانَتْ فِي دَمِهَا. غَيْرَ أَنْ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَطْهُرَ.)[2]

ان کے والد نے عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ حضرت سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کیا تھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عمر بن عبد اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عتبہ کو لکھا کہ میں نے حضرت سبیعہ سے جا کر دریافت کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کا نکاح حضرت سعد بن خولہ عامری سے

([1]) الطلاق ۶۵/۴

([2]) مسلم، الصحیح، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدۃ المتوفی عنہا زوجہا، وغیرہا بوضع الحمل، 2: 1122، رقم:1484

ہوا تھا جو بنو عامر بن لوی سے تھے، حضرت سعد جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور حجۃ الوداع میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں اور ان کی وفات کے چند دنوں بعد ہی وضع حمل ہوگیا۔ نفاس سے پاک ہونے کے بعد انہوں نے منگنی کرنے والوں کے لیے بنائو سنگھار کیا، اسی اثناء میں ان کے پاس بنو عبدالدار کے قبیلہ سے ابو السنابل بن بعکک نامی ایک شخص آیا اور کہنے لگا: تم نے بنائو سنگھار کیوں کیا ہے؟ شاید تم نکاح کرنے کا ارادہ کر رہی ہو! قسم بخدا! تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ تمہارے چار ماہ اور دس دن پورے نہ ہو جائیں۔ سبیعہ کہتی ہیں جب حضرت ابو السنابل نے یہ کہا تو میں اپنے کپڑے سنبھال کر شام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے ہی میرا حمل وضع ہوا میری عدت پوری ہو گئی اور فرمایا اگر میں چاہوں تو دوسرا نکاح کر سکتی ہوں۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت وضع حمل ہوتے ہی دوسرا نکاح کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ اس وقت اس کا خون جاری ہو، البتہ اس کا شوہر پاک ہونے سے پہلے اس سے مقاربت نہیں کر سکتا۔

جواب: بیوہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس صورت میں مدتِ عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[1]

(اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مؤاخذہ نہیں۔)

جب شوہر اپنی بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دے یا دونوں میں طلاق کے علاوہ کسی دوسری صورت سے تفریق ہوجائے اور اس عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض مقرر ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ﴾[2]

(اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں)

([1]) البقرۃ:۲/۲۳۴

([2]) البقرۃ:۲/۲۲۸

حضرت ابراہیم سے مروی ہے:

(تعتدُّ المستحاضةُ إذا طلقت بأيامِ أقرائها، فإذا فرغت حلّت للرجالِ)[1]

(مستحاضہ عورت کو جب طلاق دی جائے تو وہ اپنے حیض کے دنوں کے حساب سے عدت گزارے۔ جب فارغ ہو جائے تو مردوں کے لیے حلال ہو جائے گی)

نیز ایسی عورت جس کا خاوند مفقود الخبر (لا پتہ) ہو وہ مالکی مسلک کے مطابق چار سال تک انتظار کر کے کسی اور جگہ اپنی مرضی سے عقدِ نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں:

(إذا مضى أربع سنين يفرّق القاضي بينه وبين امرأته وتعتدّ عدّة الوفاة، ثم تتزوج من شائت)[2]

جب (کوئی شخص لا پتہ ہو جائے اس کے بعد) چار سال گزر جائیں تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرے گا اور عورت عدتِ وفات گزار کر حسبِ منشاء شادی کرے۔

امام مالک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول سے استدلال کرتے ہیں:

((أَيُّمَاامْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَافَلَمْ تَدْرِأَيْنَ هُوَ؟فَإِنَّهَاتَنْتَظِرُأَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّتَعْتَدُّأَرْبَعَةَأَشْهُرٍوَعَشْرًاثُمَّ تَحِلُّ.))[3]

(جس عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ عورت چار سال انتظار کرے، اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزارے تو عقد ثانی کے لیے حلال ہو جائے گی)

اَحناف کا فتویٰ بھی آج کل اسی قول پر ہے۔ لہٰذا مفقود الخبرخاوند کی بیوی مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہو کر اپنے خاوند کے مفقود الخبر ہونے کا ثبوت دے کر دوسری شادی کا اِجازت نامہ حاصل کر سکتی ہے۔ بعد ازاں اگر مفقود الخبر شخص واپس آجائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا کیونکہ تمام کارروائی عدالتی اَحکامات کے مطابق ہوئی ہے اور شرعی مسئلہ کو حکومتی تحفظ حاصل ہوگا۔ یہ عورت دوسرے خاوند کی ہی بیوی رہے گی، پہلے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ البتہ حق مہر یا چار سال کا خرچہ سابقہ شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا، عورت چاہے تو بذریعہ عدالت وصول کرے اور چاہے تو معاف کر دے۔عورت دورانِ عدت کسی خوشی یاغمی میں

([1]) محمد الشیبانی، کتاب الآثار، ح،۴۷۹، ۴۳۹/۲

([2]) مرغینانی،الہدایہ، ۱۸۱/۲

([3]) مالک،الموطا،2: 575،رقم:52

شریک نہیں ہوسکتی۔دورانِ عدت عورت کابلا ضرورت گھرسےنکلنادرست نہیں ہے۔بامر مجبوری کسی قریبی رشتہ دارکی وفات کی صورت میں عورت گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن رات واپس اپنے گھر آکر گزارے گی۔[1]

لہٰذا مجبوری کی حالت میں عورت عدت کے دوران گھر سے نکلے اور قریبی عزیز کی وفات کی ضورت میں غمی میں شامل ہو جائے، ورنہ گھر میں ہی رہے۔

دورانِ عدت معاشرتی معاملات کے لیے دینی اور فقہی اَحکامات درج ذیل ہیں:

1۔ بیوہ عورت عدت کے دوران زیب و زینت نہ کرے۔

2۔ بیوہ شوہر کے گھر سے بلا ضرورت باہر نہ نکلے۔

3۔ بیوہ کی عدت بغرض آسان معنی استبراء رحم اور شوہر کے سوگ کے لیے ضروری ہے۔

4۔ بیوہ عورت کو گھر کے کام کاج کے لیے باہرنکلنے کی اجازت ہے لیکن رات گھر میں قیام کرے۔

5۔ بیوہ عدت کے دوران نکاح کا پیغام وصول نہ کرے۔

6۔ بیوہ یا طلاق والی عورت عدت کے دوران دوسرا نکاح نہ کرے۔

7۔ عدت کے فوراً بعد نکاح ثانی کے لیے عجلت کرے اور عارضی سہاروں کے ساتھ سمجھوتہ نہ کرے۔

اسلام کا قانون وراثت:

بعثت اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں عربوں کےہاں وراثت کاجوطرز عمل جاری تھا،اس میں بھی کئی طرح کی ناانصافیوں کورواج دیاگیاتھا۔ایک طرف توانسانی تذلیل کےکئی مناظردیکھائی دیتے ہیں جن میں انسان کوغلام بنانےاوران پر تشدد کرنےکےواقعات ہیں،دوسری طرف لڑکیوں کی پیدائش کو معیوب سمجھنا اوریہاں تک نفرت کااظہارکرنا کہ انھیں پیداہوتےہی زندہ درگورکرنےکی روایات ملتی ہیں۔تیسری طرف یتیموں کے اموال کو ناحق اپنے تصرف میں لانے کا رجحان بھی دکھائی دیتا ہے۔چوتھی طرف عورتوں کے ساتھ نازیبا طرز عمل کئی غیر اخلاقی صورتیں اختیار کرگیاتھا۔ حتیٰ کہ ان کی خریدوفروخت تک کو جائز تصور کرلیاگیاتھا۔قانون وراثت میں ترکہ صرف ان مردوں میں تقسیم ہوتاتھاجومکمل جوان اورمیدان جنگ میں لڑنےکے قابل ہوتےتھےعورتیں بچے اور بوڑھےمیراث سےکلیتاً محروم رہتےتھے۔غلاموں بیواوں اور یتیموں کیلئےدادرسی کاکوئی قانون موجودنہیں تھا۔وراثت کےاعتبارسےیہ وہ حالات تھےجسمیں شریعت اسلامیہ نے ایک ہمہ گیراورآفاقی ضابطہ وراثت عطا کیا۔

([1]) حصکفی،درمختار،1: 260

اسلام کا قانون وراثت بتدریج نافذ ہوا۔

اسلامی وراثت کے یہ اصول بھی اسلام کے بہت سے دوسرے ضوابط اور قوانین کی طرح ایک اصول تدریج سے گزرے ہیں اور ان میں بھی ناسخ منسوخ کی ایک جزوی کیفیت موجود ہے۔ابتدائے اسلام میں وصیت کا اصول کارفرمارہا۔ہر شخص اپنی زندگی میں وصیت کے ذریعے اپنے وارثوں کے حصے اور حقوق متعین کردیتاتھا۔لیکن اس میں اس کی انفرادی پسند وناپسند شامل ہوتی تھی۔۔۔قرآن مجیدمیں وراثت کا یہ ابتدائی ضابطہ یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[1]

(تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کرجائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اورثابت ہے اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا، واقعی اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کردینے سے ڈرے پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کرادے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے")

سورہ بقرہ کے اس ابتدائی قاعدہ وصیت کے بعد سورہ نساء میں ایک مستقل ضابطہ وراثت پیش کیا گیا۔جس کے مطابق مورث کو پابند کیاگیا کہ وہ ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کرسکتا جب کہ باقی ماندہ ترکے کے لیے مستقل اصول اور ضوابط مقرر کردیے گئے۔یوں عہد جاہلیت کی زیادتیوں کا خاتمہ بھی کردیاگیا۔نیز و صیت میں ایک تہائی کی قیدلگاکر صلہ رحمی کے جذبات کو بھی فروغ دیا گیا۔مگر ایک تہائی جائیداد یا ترکے میں وصیت کی یہ گنجائش وارثوں کے علاوہ دوسرے اعزاء واقرباء اور یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کے لیے پیدا کی گئی جن کے حصص ذوی الفروض یا مقررہ حصہ داں کے ذیل میں نہیں آتے ہیں۔اہل سنت اسی ضابطہ وراثت پر عمل پیرا ہیں مگر اہل تشیع کےہاں ایک تہائی وصیت کے اس ضابطے میں ذو الفروض یا مقررہ حصہ داروں کو بھی شامل تصور کیا گیاہے ۔وصیت کے ابتدائی احکام کے سلسلے میں سورۃ البقرۃ کے ایک دوسرے مقام پر

([1])البقرۃ:۲/۱۸۰۔۱۸۲

بھی ایک تعلیم ملتی ہے مگر یہ تلقین بھی مستقل ضابطہ وراثت کے احکامات سے قبل کی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[1]

(جو لوگ تم میں سے فوت ہوجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے، ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں، اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔)

قانون وراثت کے چند ضابطے:۔

سورۃ البقرہ میں وصیت کے یہ ابتدائی احکامات اس ظلم وزیادتی کے فوری مداوا کے لئے تھے جن کا رواج جاہلیت میں ایک عمومی حیثیت اختیار کرچکا تھا مگر مستقل ضابطہ وراثت کی وضاحت کے بعد وصیت کے اس حکم کو کئی ایک شرائط کے ساتھ پابند کردیاگیا۔جس کی تفصیلات ہمیں ذخیرہ حدیث اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں۔

اولاً یہ کہ وصیت تحریری شکل میں ہونی چاہیے۔اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ :

"جو شخص وصیت کرنا چاہتاہے تو اسے دوراتیں بھی اس حالت میں نہیں گزارنی چاہیں کہ اس کے پاس لکھی ہوئی وصیت موجود نہ ہو"[2]

ثانیاً یہ کہ وصیت کی حد ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ مال میں نہیں ہوسکتی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائےتو انہوں نے اپنے سارے مال کی وصیت کرنے کاعندیہ ظاہر کیا توطویل گفتگو کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک تہائی مال کی حد تک وصیت کرنے کی تلقین کی۔ایک دوسرے روایت میں ان سے یہ کہاگیا کہ" ایک تہائی کی وصیت کرو اور یہ بھی بہت ہے۔"[3]

([1])البقرۃ:۲/۲۴۰

([2]) صحیح مسلم:کتاب الوصیۃ

([3]) سنن ترمذی،کتاب الوصایا

ثالثاً یہ کہ متوفٰی(فوت شدہ شخص) کے ذمہ اگر کوئی اللہ کا حق واجب ہو جیسے حج،کفارہ،منت اور نذروغیرہ جس کی وہ کسی شرعی عذر کے باعث وصیت نہ کرسکا ہو تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔کیونکہ مرنے والے پر یہ اللہ تعالٰی کا قرض ہے۔اللہ تعالٰی اس بات کا زیادہ حقدار ہے۔کہ اس کے حق ادا کئے جائیں۔یہ بات ورثا کے لئے روح تقویٰ سے بہت قریب تر ہے۔مسلم شریف میں کتاب الوصیہ میں روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا اور وہ وصیت نہ کرسکی۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ بات کرتی تو ضرور صدقہ کرتی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے ثواب ملے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"ہاں"۔۔۔

رابعاً یہ کہ وصیت ذوی الفروض یاشرعی حقداروں اور وارثوں کے حق میں نہیں کی جاسکتی۔اس ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر رہنا چاہیے جو آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایاکہ :

"اللہ تعالٰی بزرگ وبرترہے ،اس نے ہر صاحب حق کا حق مقرر کردیا ہے لہذا اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں،البتہ متوفی کی حیات کے بعدوارث باہمی رضا مندی سے ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

خامساً،وصیت کی حدود بہت وسیع ہیں۔یہ غیر وارثوں ،دور کے ر شتہ داروں جو ذوی الفروض میں شامل نہیں ہیں۔ یتیم پوتوں،مسکینوں ،رفاہی اداروں،دینی مدارس اور اعلائے کلمۃ الحق ک کسی کام کے بارے میں کی جاسکتی ہے۔البتہ حرام مال کی وصیت یاکسی حرام کام کے لیے وصیت کوئی شرعی یا اخلاقی وجوب نہیں رکھتی۔نیز ایسی وصیت کرنا جس سے کسی د وسرے کو تکلیف یانقصان پہنچانے کااحتمال ہو شرعا حرام ہے۔وصیت کا عمل بقائمی ہوش وحواس ہونا چاہیے۔پاگل پن،بدحواسی یا بے حوشی کے عالم میں کی جانے والی وصیت شریعت میں معتبر نہیں ہے۔وصیت کے احکامات کی مناسب تفصیلات کتب حدیث کے وصایا کے باب میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

وصیت کے احکامات کے ان تدریجی امور کے بعدشریعت نے وراثت کا ایک مستقل ضابطہ پیش کردیا جسے بہت محکم انداز میں پیش کیا گیاہے۔قرآن مجید میں اسی ضابطے کی تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾[1]

(ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو مال ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے (7) اور جب تقسیم کے

([1])النساء:۴/۷۔۸

وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو")

ان دو مختصر آیات میں چھ وراثتی احکامات دیئے گئے ہیں:

1۔میراث میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں۔

2۔کم سے کم ترکہ کی صورت میں بھی میراث کو تقسیم ہونا چاہیے۔

3۔قانون وراثت منقولہ وغیر منقولہ ہر نوع کی جائیداد اورترکے پرلاگو ہوگا۔

4۔مورث کے مال میں سے تجہیز وتکفین ،قرض کی ادائیگی اور وصیت کی تکمیل کے بعد اگر کچھ بچے تو ورثا کے لئے حق وراثت پیداہوگا۔

5۔قریب ترین رشتہ دار یعنی ذوی الفروض کے وراثتی حصوں کی ادائیگی کے بعد جوترکہ بچے،اسے دو رکے رشتہ داروں یعنی عصبات اور پھر ذوی الارحام میں بصورت گنجائش تقسیم کیا جائے گا۔

6۔میراث کی تقسیم کےموقع پرکنبہ یا خاندان کے محروم افراد بالخصوص یتیموں اور مساکین کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

قانون وراثت کے اس ابتدائی اور تمہیدی ضابطے کے بعداس کی بعد کی آیات میں ذوی الفروض یعنی قریبی رشتہ داروں کے واضح حصص کو ان الفاظ میں متعین کردیاگیا ہے۔یہ قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ احکام میراث کے اہم ترین تمدنی ضوابط کو صرف چارپانچ آیات میں سمودیاگیا ہے جن کی تفاصیل کے لیے دفاتردرکار ہیں:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾[1]

([1])النساء:۴/۱۱۔۱۲

"اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے۔ اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لئے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا، اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو۔ اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں، اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو یہ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بردبار "

سورہ نساء کی مذکورہ آیات میں ذوی الفروض کے تمام حصوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔اسی سورہ میں آگے چل کر ان قاعدوں کی توثیق اور جاہلیت کے دوسرے طریقوں کی تردید کی گئی ہے:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾(1)

(اورہم نےہراس ترکہ کےحقدارمقررکردیےہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔اب رہے وہ لوگ جن سےتمہارےعہدوپیمان ہوں توان کا حصہ اُنھیں دو۔یقیناً اللہ ہرچیزپر نگران ہے۔)

---

(1) النساء:۳۳/۴

آیت مذکورہ میں جاہلیت کےاس قاعدہ میراث کی تنسیخ کی گئی ہے جس کے مطابق لوگوں میں بھائی چارے کے تعلقات قائم ہونے پر انہیں میراث کا حقدار تصور کیاجاتاتھا۔اسی طرح منہ بولے بیٹے اور منہ بولے باپ کی وراثت کا تصور بھی ختم کردیا۔اب زندگی میں تو وقف بیع یا ہبہ کے تحت کوئی جائیداد غیر وارث کودی جاسکتی ہے۔مگر موت کے بعد ترکے میں حقیقی وارثوں کے علاوہ کوئی دوسرا دعوے دار نہیں ہوسکتا۔سورہ مائدہ کی آیت106 اور 108 میں وصیت کرنے والے کے لیے شہادت کا ایک معیار مقرر کیا گیا جس کے مطابق مسلمانوں کی جماعت میں سے دو صاحب عدل گواہ بنائے جائیں۔البتہ حالت سفر میں وصیت کے طور پر اگردو گواہ مسلمان موجود نہ ہوں تو غیر مسلموں سے دو گواہ لینے کی اجازت دی گئی ۔احکام میراث کی یہ قرآنی تعلیمات 9ہجری میں سورہ نساء کی آیت 176 کے ساتھ ختم ہوجاتی ہیں۔جس میں کلالہ کے مسئلے پروحی کے ذریعہ پوری ہدایت دی گئی:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[1]

(لوگ تم سے کلالہ کے متعلق فتوی پوچھتے ہیں۔کہواللہ تمھیں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا ۔اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوگی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا۔اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کر تاہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتاہے۔)

واضح رہے کہ میراث کی اصطلاح میں کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جو ایک طرف لاولد ہو اور دوسری طرف اس کے باپ دادا بھی زندہ نہ ہوں۔

اسلامی قانون وراثت کی چند خصوصیات:۔

ابھی تک احکام میراث کے سلسلے میں ہم نے قرآن مجید کے جن احکامات کی تفصیل پیش کی ہے ان کے تجزیے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے تمدنی استحکام اور عائلی اور خاندانی نظام کی نشوونما کے لیے یہ ایسے ابدی اور فطری احکام میراث پیش کر دیے ہیں۔جن میں ان تمام ناانصافیوں کا ازالہ کردیاگیا ہے جو اس سے قبل انسانی معاشرے میں پائے جاتے تھے۔وراثت کا یہ علم اس

([1]) النساء:۱۷۶/۴

قدر اہمیت اور فضیلت رکھتاہے کہ شریعت میں اسے علم الفرائض کا ایک مستقل نام دیا گیاہے۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کو سیکھنے اور سکھانے کی تلقین کی ہے اور اسے نصف علم کے برابر قرار دیاگیاہے۔۔۔۔۔

سنن ابی داود کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"علم تین ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زلئد ہے:ان میں پہلا آیات محکمات کا علم ہے،دوسرا سنت قائمہ کا اور تیسرا انصاف کے ساتھ میراث کی تقسیم کا ہے۔"

اسلامی ریاست کے لئے میراث کے ان قواعد اور احکام پر عمل درآمد کرانا بہت ضروری ہے۔خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 18 ہجری میں شام کا ایک سفر اس غرض سے اختیار کیا کہ وہاں پر طاعون عمواس میں جو لوگ وفات پاگئے ہیں۔ان کے ترکے کومیراث شرعی کے طور پر تقسیم کیا جاسکے،ہمارے محدثین اور فقہاء نے اس علم پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔اور اس ضمن میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں ،ان پر فتاویٰ اور اجتہاد کی صورت میں ایک عدیم المثال علم کی بنیاد رکھی ہے۔ان اُمور سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے اور اسلامی تمدن کی نشو نما کے لئے احکام میراث کا علم اور اس پر عمل ایک ناگزیر صورت ہے ۔اسلامی قانون وراثت کی بہت سی خصوصیات اور امتیازات ہیں جن کا واضح نقشہ اس سے پہلے تاریخ عالم میں دیکھائی نہیں دیتا۔ہم ان امتیازات کا بھی مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں:

بعثت اسلام سے قبل مختلف تہذیبوں اور اور معاشرے میں عورت کے وجود کو ناپاک اور کم تر تصور کیاجاتاتھا۔میراث میں اس کا حصہ تو کجا بعض معاشروں میں وہ خود ترکہ کی ایک شے تصور کی جاتی تھی۔بزرگوں کے انتقال کے وقت خاندانی عورتوں کو بھی تقسیم کر لیاجاتا تھا اور اسے وہ تہذیب یاتمدن کے لئے کوئی معیوب امر تصور نہیں کرتے تھے۔اسلام نے نہ صرف عورت کو ہر حالت میں ترکے کا حقدار ٹھہرایا ہے۔بلکہ ایک امتیاز یہ بھی عطا کیا کہ احکام میراث میں اس کے حصے کاتعین کرکے پھر دوسروں کے حصص کی بات کی گئی ہے۔البتہ عورتوں کی مختلف معاشرتی حیثیتوں کے اعتبار سے ترکے میں ان کی نسبت مختلف رکھی گئی ہے جس میں حکمت اسلامی کی معاشرتی تعلیم کا ایک حسن نمایاں ہوتاہے۔

اسلام سے قبل مرنےو الےکے ترکےجائیداد میں غیر مستحقین کو بھی وارث تصور کیاجاتا تھا جس سے حقیقی ورثا محروم ہوجاتے تھے اسلام نے غیر وارثوں کے لیے ایک تہائی کی وصیت کو تو برقرار رکھا ہےمگر بقیہ جائیداد کے لئے کڑے شرعی قواعد مقرر کردیے ہیں جن کاذکرہم پہلےکرچکے ہیں۔اس طرح سےمتبنیٰ اولاد اور احباب کےلیےوصیت اورہبہ کی شکل تو قائم کی گئی ہے مگر انہیں مستقل میراث کے حقدار نہیں ٹھہرایا گیاہے۔

بعض معاشروں،ممالک اور قوموں میں اولاد میں سے بڑے بیٹے کاحق تو تسلیم کیا گیاہے مگر دوسرے اعزاء کو اس کےرحم وکرم

پر چھوڑدیاجاتاہے۔اس سے خانگی اور عائلی زندگی میں کئی نوعیت کی قباحتیں پیداہوتی ہیں۔اسلام نے تو رحم مادر میں موجود بچے کے ورثے کا حق بھی محفوظ کردیاہے۔اس سے احترام آدم کی بہترین پیدا کی گئی ہے۔قواعد میراث میں چھوٹے بڑے مرد و عورت حتیٰ کہ مفقود الخبر،ولد الزنا،ولد الملاعنہ اور خنثیٰ کی میراث کی بھی وضاحت کردی گئی ہے۔

احکام میراث کے اس عمل سے صدیوں سے اسلامی معاشرہ ایک مستحکم خاندانی نظام میں پرویا ہواد کھائی دیتاہے اس سے کسی معاشرے اور ریاست میں معاشی حسن بھی پیدا ہوتاہے۔کیونکہ احکام میراث سے جاگیرداری نظام کے خاتمے میں مدد ملتی ہے۔نیز ارتکاز دولت کے رجحانات بھی کمزور پڑتے ہیں۔وراثت اور ترکے کی تقسیم سے چھوٹے یونٹ وجود میں آتے ہیں جس سے پیدائش کے عمل میں افزائش اور تیزی پیدا ہوتی ہے۔یہ قواعد گردش ودولت کو وجود میں لاتے ہیں جس سے قوم اور ملک کے مجموعی معاشی عمل میں قوت اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

اسلامی میراث کے ذریعے معاشرتی استحکام اور تہذیبی اور تمدنی عروج بھی نصیب ہوتاہے۔اس سلسلے میں شریعت نے موانع میراث کی جو تفصیل پیش کی ہے۔اس سے اس ضابطے کے مزید حکیمانہ پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔شریعت نے جہاں حقداروں کے حصوں کاتعین کردیا وہاں پر غلاموں، ناحق قتل عمد اور شبہ عمد کاارتکاب کرنے والوں ،اختلاف مذہب،اختلاف مملکت ،ارتداد اور اشتباہ وارث ومورث کی صورت میں جائز حصہ داروں کو بھی وراثت سے محروم کردیاہے۔

اسلام کے ان احکام میراث کا علم ایک مسلمان اور اسلامی ریاست کے ذمہ داران کے لیے ناگزیر ہے بعض اوقات اپنی لاعلمی کے باعث ہم میراث کے شرعی حقداروں کو محروم کردیتے ہیں۔نافرمان اولاد کو عاق تو کیا جاسکتا ہے مگر متوفی کے ترکے سےانہیں محروم نہیں کیا جاسکتا۔مختلف بیویوں سے اولاد کی کمی بیشی کی صورت میں بھی قواعد میراث میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ہمارے ہاں عموماً عورتوں کی وفات پر ان کے ترکے کو تقسیم کرنے کامزاج اور رواج نہیں ہے۔نیز ہم ترکے میں کسی متوفی سے متعلقہ تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ گھریلو سازوسامان کو پیش نظر رکھتے ہیں۔یتیم پوتے کی وراثت کے موضوع پر ہم شریعت کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہوتے حالانکہ دادایا دادی ان کے لیے ہبہ یا وصیت کا پورا پورا استحقاق رکھتے ہیں۔بعض قوموں میں نسلی تعصب کے باعث بیٹا یا بیٹی اکثر کسی دوسری قوم میں شادی کرلے تو ہم اس کو ترکے سے محروم رکھتے ہیں۔حالانکہ اس کا کوئی شرعی جواز موجود نہیں۔

تربیت اولاد:

خاندان میں مرد و عورت کے باہمی تعلق اورتعاون کے بعد سب سے اہم جوپہلو ہے وہ بچوں کی تربیت اور بزرگوں کاادب واحترام اور حفاظت ونگہبانی ہےاس لیے ان کا خاص خیال رکھنا خاندان کی بنیادی ذمہ داریوں میں شمارہوتاہے۔کسی بھی خاندان کی عزت کادارومداراولاد کی افزائش

پر منحصر ہوتا ہے ۔اگرچہ زمانہ جاہلیت کےدوران بعض معاشروں میں بیٹیوں کوپسند نہیں کیا جاتا تھااورعرب کے چند جاہل قبیلوں کے لوگ بیٹیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیاکرتے تھے،دین اسلام نےناصرف اس فعل شنیع کی مخالفت کی بلکہ اس کی روک تھام کاسامان مہیاکیا اور اس طرح بچوں اوربچیوں کی تربیت کو عبادت اور احسان سے تعبیر کرتےہوئے دخول جنت کا سبب قرار دیا۔اسی ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاسے مروی ہے :

((مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ, كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنْ النَّارِ)) [1]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا !جس شخص کا بیٹیوں کی پرورش کےذریعے امتحان لیاگیا اور اس نے اس پر صبر کیا تو وہ بچیاں قیامت کےدن اپنے باپ اور آگ کے درمیان ڈھال بن جائیں گی۔)

تربیت اولاد کا طریقہ کار بھی معاشرتی ارتقاء کے ساتھ بدلتا رہا۔تربیت اولادمیں زرعی تعلیم ،پیشہ ورانہ ہنرمندی ،فوجی تربیت اور مذہبی تعلیم شامل رہی ہے۔جوں جوں معاشرتی طور طریقے بدلتے گئے اور وسیع ہوتےگئے اس کے ساتھ تربیت اولاد کے گوشے بھی بدلتے گئے ۔تاہم ہر معاشرے کے اپنے مخصوص اخلاقی اُصول تربیت کیلئے ضروری قرار دیئے جاتے رہے۔موجودہ دور کی صنعتی معاشرت کی بدولت زندگی زیادہ پیچیدہ اور وسیع ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے تربیتِ اولاد بھی ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہےبلکہ بچوں کی طرف معاشی عدم تعاون کی وجہ سے بچوں کوبوجھ سمجھا جانے لگاہے۔موجودہ دورمیں مصنوعی کوششوں کےذریعے نسل انسانی کی بڑھوتری کو روکنے کی ہر ممکنہ کوشش روا رکھی جارہی ہے۔

نگہداشت خاندان:

بزرگوں کاخیال رکھنا اور ان کا ادب واحترام بھی خاندان کا لازمی عنصر ہےجس کےبغیر کوئی خاندان صحیح معنوں ترقی حاصل نہیں کرسکتا۔بوڑھے والدین خاندان کی تنظیمی بنیاد ہیں۔ والدین بجا طور پر بڑھاپے میں خصوصی حسن سلوک اور مضبوط کے سہارے کے مستحق ٹھہرتے ہیں اوراس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بھی اپنی زندگی کا بہترین حصہ اپنی اولاد کے لیے صرف کیا ہوا ہوتاہے۔ابتدائی معاشروں میں والدین کوخاندان کا لازمی جزو سمجھتے ہوئے ان کا خیال رکھنا اور خدمت کرنا اخلاقی فرض جاناجاتا تھا۔موجودہ وقت میں چونکہ خاندانی نظام بھی کافی حد ٹوٹ پھوٹ کا شاکرہوچکا ہے،ہر فرد آزادانہ سوچ و فکر کا حامی ہوچکاہےنیز معاشی طورپر خود مختار ہوے کی وجہ سے بزرگوں کی نگہداشتکا انداز بدل گیاہے۔دورحاضر میں لوگ بزرگوں کے ساتھ مختلف قسم کا سلوک روارکھتے ہیں۔بعض امیر لوگ اپنے والدین کی نگہداشت کے لیے کسی نوکر کا انتظام کردیتے تھے اور والدین کی ساری ذمہ داری نوکرکو دےدیتے ہیں اور انکی ضروریات نیز نوکر تنخواہ کا انتظام کردیتے ہیں اور خود ان ذمہ داریوں سے ازاد ہواجاتے ہیں۔اورپھر جو غریب طبقہ ہے وہ یا تو معاشی حالات سے تنگ آکر والدین کو گھر سے نکال دیتے ہیں یا گھر میں ساتھ رکھنے کے

([1]) ترمذی، سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب النفقۃ علی البنات والاخوات، ح،1913ء،319/4

باوجود ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے جس سے تنگ آکر بوڑھے والدین اپنا بندوبست خود کرنے کا سوچتے ہیں اور دربدر کی ٹھوکریں کھاتے کھاتے مرجاتے ہیں۔اسلام نے تربیت اولاد اور نگہداشت بزرگان کا جامع عملی منصوبہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾([1])

(اور تمھارے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی (کرتے رہو)۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ ہی انھیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔)

گھر کے اندر پختہ تعلقات:

اسلام میں تمام خاندانی تعلقات کی بنیاد خدا پرستی اور تقوی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ([2])

(اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کُنبے قبیلے بنا دیے تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں با عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے ۔یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔)

معاشرہ کی ترقی خاندان کی مرہون منت ہے لہذا معاشرہ خاندان کی اہمیت کو جتنا اجاگر کرے گا،لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندانوں کو بنانے،سنوارنے اور بر قرار رکھنے کی کوشش کریں گے جس سے معاشرہ پھلتا پھولتا رہے گا۔اگر معاشرہ خود بے راہ روی،بدامنی ،بے چینی اور انتشار کا شکار ہو تو یہ کہنا بے جا ہو نہ گا کہ کوئی شخص بھی خاندانی زندگی کے متقاضی کی ذمہ داریوں کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر ڈالنا قبول کرے گا۔

دینِ اسلام نے دیگر ادیان کے مقابلے میں خاندان کو بہتر طریقے سے باقی رکھا ہے اور اس کے استحکام کے لیے قوانین وضع کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیمات پر بھی زور دیا ہے۔ اسلام میں مرد وزن کے جائز تعلق کے لیے نکاح کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح جنسی تسکین کے حصول میں کھلی چھوٹ بھی نہیں دی گئی بلکہ جنسی تسکین کے حصول کے لیے گواہوں کی موجودگی میں عقدِ نکاح شرط قرار دیا گیا ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق نکاح کے ذریعے ایک مضبوط خاندان وجود میں آتا ہے،جس کے تمام افراد کو جداگانہ ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے غفلت سے اجتناب کرنے کی بھرپور تاکید کی گئی ہے۔

([1])الاسراء:23

([2])النساء:۴/۱

فصل دوم:میاں بیوی کے حقوق وفرائض

ایک خاندان جن عناصر سے مرکب ہوتا ہے وہ درج ذیل افراد ہیں:

(1) شوہر(2) بیوی(3) اولاد(4) والدین(5) دیگر رشتہ دار۔

اسلام نے ان تمام کے حقوق بیان کرتے ہوئے ادائیگی کی تاکید کے ساتھ ان کی پامالی سے اجتناب کرنے کا درس دیا ہے۔

اسلام میں خاندان سے متعلق تمام افراد کے ناصرف حقوق بیان کیے گئے ہیں بلکہ اسکے ساتھ ساتھ ان کے فرائض کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔ حقوق و فرائض کا آپس میں چولی دامن سا تعلق ہے۔ ایک کے حقوق دوسرے کے حق میں فرائض ہیں اور دوسرے کے فرائض پہلے کے حق میں حقوق ہیں۔ہر فردکا صحیح طریقے سے اپنے فرائض کی انجام دہی اس لیے ضروری ہےتاکہ کسی صاحبِ حق کے حقوق کی پامالی نہ ہو۔مثلاً میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہونے کے بعد شوہر کے جو حقوق ہیں ان کا پوراکرنا بیوی کے لیے فرائض کادرجہ رکھتاہے۔اوربیوی کے حقوق شوہر کے فرائض میں شمار کیےجاتے ہیں۔ اسی ضمن میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[1]

(عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔)

یعنی جس طرح مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی دین اسلام نے عورتوں کے حقوق بھی متعارف کروائے ہیں۔

اسی طرح والدین کے حقوق پوراکرنا اولاد کے حق میں فرائض کادرجہ رکھتےہیں جبکہ اولاد کے حقوق پورے کرناوالدین کی ذمہ داری ہے جوکہ فرائض کی حیثیت رکھتی ہے۔ذیل میں افرادِ خاندان کے حقوق بیان کیے جاتے ہیں:

شوہر کے حقوق:

شوہر کے بیوی پر عائد حقوق کودرج ذیل دواہم حصوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے:

(1) اطاعت وفرمانبرداری:

بیوی کا اپنےشوہر کی اطاعت کرنا،شوہر کا حق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾[2]

(پس نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مردوں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔)

([1]) البقرۃ:۲۲۸/۲

([2]) النساء:۳۴/۴

اس آیت میں ایک لفظ 'قانتات' آیاہے۔ اس کی تفسیر میں علماء نے لکھاہے کہ اس میں اللہ کی اطاعت اور شوہر کی اطاعت دونوں مفہوماً شامل ہیں۔اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے ہوتی ہے:

"{قَانِتَاتٌ} قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ: يَعْنِي مُطِيعَاتٌ لِأَزْوَاجِهِنَّ"[1]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک قانتات سے مراد شوہروں کی فرمانبردار بیویاں ہیں۔)

اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہترین عورت کے متعلق دریافت کیا گیاتو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ قَالَ الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))[2]

(وہ عورت جس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہوجائے، وہ اسے جس چیز کا حکم دے تو اس پر عمل کرے اور اپنی ذات کے بارے میں یا اس مال کے بارے میں جو اس کی حفاظت میں ہو، شوہر کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔)

اسی ضمن میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاسے بھی ایک روایت مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((أيما امرأة ماتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة))[3]

(جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا،وہ جنت میں داخل ہوگی۔)

(2) حفظِ غیب

سورۂ نساء کی درج مذکورہ آیت میں نیک عورتوں کا دوسرا وصف 'غیب کی حفاظت' بیان کیا گیا ہے۔جوکہ حقیقتاًعورت پر شوہر کا دوسرا حق ہےاور اسکو نبھانے عورت کے فرائض میں سے ہے۔ حفظ غیب سے مراد یہ ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے نسب ،عزت، مال کی حفاظت ،بچوں کی پرورش و پرداخت اور رازوں وغیرہ کی حفاظت کرنا بیوی پر فرض ہے جوکہ شوہر کا حق ہے۔

بیوی کے حقوق:

بیوی کے حقوق دراصل شوہر کے فرائض ہیں جن کا پورا کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے۔اسلام نے نظام خاندان میں بیوی کے حقوق کی تائید کرتے ہوئےعورت کے حقوق کو تحفظ فراہم کیاہے ، تاکہ شوہر کو اپنے اختیارات سے ناجائزفائدہ اٹھا کر اس پر بے جا ظلم کرنے سے

([1])تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، أبوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي البصري، دار طیبة للنشر والتوزیع، ط، ثانی، ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹، ص: ۲/ ۲۹۳

([2])سنن نسائی، أبوعبدالرحمن أحمد بن شعیب النسائي، دار المعرفة، بیروت، ط، خامس ۱۴۲۰ھ، باب ای النساء خیر، ح، ۳۲۳۱، ۶/ ۷۷ ۳

([3])ترمذی، محمد بن عیسی أبوعیسی الترمذي السلمي، سنن ترمذی، دار إحیاء التراث العربي—بیروت، کتاب الرضاع، باب حق الزوج علی المراة، حدیث نمبر، ۱۱۶۱ ص: ۳/ ۴۶۶

روکاجاسکےنیزاس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نظامِ معاشرت میں اپنی فطری صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے بروئے کار لاتےہوئے خاندان کا بہتر سہارہ بننے کاکردار اداکرے۔ بیوی کے حقوق کو بھی درج ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1) معاشی حقوق (2) تمدنی حقوق

(1)معاشی حقوق

دین اسلام مکمل ضابطہ حیات کا حامل دین ہے۔اوریہ ایک ایسادین ہےجس کےمطابق مختلف طریقوں سے عورت کی معاشی حیثیت کومستحکم کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے بیوی کو حاصل ہونے والے تین حقوق اہم ہیں:

(الف) مہر: یہ عورت کا بنیادی حق ہےجورشتہ ازدواج میں منسلک ہونےکےساتھ مربوط کیاگیاہے۔ اس سے اسے کسی صورت میں محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نکاح بغیر مہر طے کیے ہوئے کرلیا جائے تو بیوی مہر مثل کی مستحق ہوتی ہے۔تاہم موجودہ دور میں اس کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی اور لڑکی بھی شرماتی رہتی ہے اب میں اپنے شوہر سے رقم کا مطالبہ کیسے کروں؟اوردوسری طرف شوہر کا ذہن بنادیاگیاہے کہ بس لوگوں کے دکھلاوے کےلیےبوقت نکاح حق مہر کی رقم زیادہ سے زیادہ سے لکھواوبعد میں لڑکی نے کونسی لینی ہے یاہم کونسا لڑکی کو خرید کر لےجارہےہیں جو اس کو اتنی بڑی رقم دی جائے؟ دورحاضر میں لڑکی شرماتی ہوئی حق مہر کا مطالبہ نہیں کرتی اور لڑکا بھی خاموشی میں نجات سمجھتے ہوئے وقت گزری کرتے رہتے ہیں لیکن جب طلاق کی نوبت آتی ہے تو اس وقت لڑکی والوں کی طرف سے سب سے پہلے حق مہر کی رقم کا ہوتاہے۔حالانکہ حق مہر طلاق کے ساتھ نہیں بلکہ نکاح کےساتھ معلق کیاگیاہے۔یہی وجہ ہے کہ مہر کی ادائیگی سے پہلے شوہر کو جنسی تعلقات قائم سے روکنے کا حق بھی شریعت نے بیوی کو دیاہے

(ب) نفقہ: اسی طرح شوہرکےفرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنی بیوی کےنان ونفقہ کا بندوبست اورروزمرہ کی ضروریات کا اہتمام کرےجوکہ بیوی کا حق ہے ۔

(ج) وراثت: زرعیت اسلامیہ میں شوہر کے مال و جائیداد میں بیوی کا حصہ متعین ہےجس کی تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے۔یہ بھی ایک ایسا حق ہے جس سے عورت کوزمانہ جاہلیت میں محروم رکھاجاتاتھا لیکن دین اسلام نے اس کو اسکا حق واپس لوٹایاجس سے عورت کوکسی صورت میں محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(2)تمدنی حقوق

اس سے مراد زوجین کے مابین پیش آمدہ معاملات ہیں۔ ان حقوق کےمطابق شوہرکےلیے لازمی ہے وہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئےاور اسکے حقوق کو بجالائے۔قرآن و حدیث میں اس کے واضح احکام موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ عَاشِرُوْهنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[1]

(ان کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارو۔)

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((إن أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وألطفهم بأهله))[2]

(اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے بہتر ہو اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہوں۔)

حدیث کے مطابق سب سے بہترین اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جس کے اخلاق اپنی کے ساتھ اچھے ہوں،اسی اچھے اخلاق میں اپنی بیوی کے ساتھ گھریلو کام میں ہاتھ بٹانا بھی شامل ہے۔اب سوال یہ ہے کیا ہمارے اسلامی معاشرے میں لوگ اپنی بیوی کے ساتھ ہاتھ بٹاتے ہیں اور کیا ایسے مردوں کو معاشرے میں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ نہیں؟تو جواب ملے گا ہمارے موجودہ معاشرے میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھا جاتا بلکہ کام میں تعاون کرنے والے مرد کو رن مرید ہونے کے طعنے دیئے جاتے ہیں جو کہ اسلامی تعلیمات کے بالک برخلاف ہے۔اس سے ہمیں بچنا چاہیے۔

اسلام ایسا مذہب ہے جس نے باقاعدہ عورتوں کے حقوق متعارف کروائے۔اسی ضمن میں حدیث نبوی ہے:

((أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا))[3]

(خبردار عورتوں پر جیسے تمہارے حقوق ہیں ویسے ہی تم مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔)

نا صرف اسلام نے مرد کے حقوق متعارف کروائے بلکہ عورت کے حقوق بھی مرد پر لازم قرار دیئے۔ اسلام نے ہی عورت کی رائے کا احترام کرنا سکھایا۔ ازدواجی معاملات میں عورت کو بہت سے حقوق سے نوازا گیا ہے۔ اسے شوہر کے انتخاب کا حق حاصل ہے۔ کسی بالغ لڑکی کا نکاح کرنے سے اسکی اجازت ضروری ہے اس کی مرضی کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔ بچپن میں ولی کی طرف سے کیا گیا نکاح بلوغت کے بعد فسخ کرنے کا اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شوہر کے مظالم سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی غرض سے حکمین یا عدالت کے ذریعے فسخ نکاح کا حق دیا گیا۔ مطلقہ یا بیوہ ہنے کی صورت میں عدت اپنے شوہر کے گھر گزارنے کے بعد اسے نکاح ثانی کا اختیار دیا گیا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق اس کی جان، مال اور عزت و آبرو کو مرد کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔

([1])النساء:۱۹/۴

([2])سنن ترمذی، کتاب الایمان، استکمال الإیمان وزیادتہ ونقصانہ، ح،2612،:9/5

([3]) ترمذی، کتاب الرضاعۃ، باب حق المرأۃ علی زوجھا، ح،3،467/1163

عزت وسربلندی کا معیار:

قرآن میں انسان کی فلاح و کامیابی اور سکون کواس کے عمل کے ساتھ وابستہ کیاگیاہے۔وہ ایسے تصورات کو جوعورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل تصور کر کے انسانیت کی بلند ترین سطح سے گرا کر مرد کو محض اس لیے عرشِ بریں کا حق دار خیال کرتے ہیں کہ وہ مرد ہے جاہلانہ نظریات قرار دیتا ہے اور یہ بتایا ہے کہ عزت و سربلندی کا معیار تقویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[1]

(جس مرد و عورت نے بھی اچھا کام کیا اگر وہ مؤمن ہے تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہتر اعمال کا جنہیں وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔)

غرضیکہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کی تعلیم دی گئی ہے جب کہ دیگر مذاہب میں عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی مثالیں نہیں ملتیں اور اسلام سے قبل خطہء عرب میں بھی عورتوں پر ظلم و زیادتی برپا تھی یہاں تک کہ بیوہ کو بغیر نکاح کے اور یتیم بچوں کو بغیر حق مہر ادائیگیء زوجیت میں لے لیا جاتا تھا۔اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا۔خود نبی کریم ﷺ کے اسوہء حسنہ سے مثالیں موجود ہیں۔آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ انتہائی خوش خلقی اور محبت سے پیش آتے تھے جو امتِ مسلمہ کے لیے ایک درس ہے۔

اورخاندان کے ہرفرد کواس کا ایک اہم کردار دیا ماں باپ کے ذمہ اولاد کی تربیت اوراولاد کے ذمہ والدین کی سمع و اطاعت ، کرنے کا حکم دیا ۔اوروالدین کے حقوق کو محبت و تعظیم کے ساتھ محفوظ کیا اوراس کی سب سے بڑی دلیل وہ خاندانی تماسک اور میل جول ہے جس کی شہادت ہر ایک حتی کہ دشمن بھی دیتے ہیں۔

([1])النحل:۹۷/۱۶

فصل سوم: والدین،اولاد اوردیگر افراد کے حقوق

انسان کا اپنے رشتہ داروں میں سب سے قریبی تعلق والدین سے ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اس دنیا میں اس کے وجود کا ذریعہ بنتے ہیں، بلکہ پیدائش کے بعد اسے پال پوس کر بڑا کرتے اور مکروہاتِ زمانہ سے بچاتے ہوئے زندگی کی دوڑ دھوپ میں شامل ہونے کے قابل بناتے ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں والدین کا تذکرہ رشتہ داروں سے قبل کیا گیا ہے اور ان کی خصوصی اہمیت کی وجہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم علیٰحدہ سے دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى﴾[1]

(اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ)

قرآن کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل سے جب مکمل اطاعت کا عہد لیا گیا تھا تو انھیں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ﴾[2]

(یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہدلیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔۔۔)

مذکورہ بالا دونوں آیات مقدسہ میں سب سے پہلے اللہ واحد کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور سماج کے دیگر افراد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو کہا گیا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں یہی بات زیادہ زوردار انداز میں کہی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[3]

(تیرےرب نے فیصلہ کردیا ہےکہ تم کسی کی عبادت نہ کرومگر صرف اس کی،اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔)

قرآن کریم میں دیگرمقامات پر بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ جیساکہ سورۂ لقمان میں ہے:

([1]) البقرۃ:۲/۳۶

([2])البقرۃ:۲/۸۳

([3])الاسراء:۱۷/۲۳

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ [1]

(اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاکر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔)

نیز سورۂ الاحقاف کی آیت نمبر ۱۵ بھی اسی مضمون میں آئی ہے۔

ان آیات میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، جس میں ماں باپ دونوں شامل ہیں، اگرچہ ماں کی تکلیفوں اور مشقتوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ وہ دورانِ حمل بھی مشقت جھیلتی ہے، وضع حمل کے دوران بھی شدید اذیت سے دوچار ہوتی ہے اور پھر پیدائش کے بعد عرصہ تک دودھ پلاتی ہے۔ اسی لیے بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ)) [2]

(ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: تمھاری ماں۔ یہ سوال انھوں نے تین بار دہرایا۔ آپؐ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ یہی سوال انھوں نے چوتھی بار کیا تو آپؐ نے فرمایا، پھر تمہارا باپ)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ حکم عام ہے۔ لیکن بڑھاپے کی حالت میں ان کے حقوق ادا کرنے، دیکھ بھال کرنے اور اچھی طرح پیش آنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ احادیث میں بوڑھے والدین کی خدمت کا درجہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر قرار دیا گیا ہے۔اسی ضمن میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ أَبْتَغِي الأَجْرَ مِنَ اللَّهِ. قَالَ « فَهَلْ مِنْ وَالِدَيْكَ أَحَدٌ حَيٌّ ». قَالَ نَعَمْ بَلْ كِلاَهُمَا. قَالَ « فَتَبْتَغِي الأَجْرَ مِنَ اللَّهِ ». قَالَ نَعَمْ. قَالَ « فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا))) [3]

(ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی طلب میں آپ کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں

([1]) لقمان: ۳۱/۱۴

([2]) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب، بَاب مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، ح۱۵، ۵۹۷۱/۱۳۰

([3]) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الادب، باب بِرِّ الْوَالِدَيْنِ وَأَنَّهُمَا أَحَقُّ بِهِ، ح۵، ۶۶۷۱/۳۷۵

دونوں زندہ ہیں؟ آپؐ نے اس شخص سے پھر سوال کیا: کیا تم اللہ سے اجر کے طالب ہو؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اوران کی اچھی طرح خدمت کرو۔)

جس شخص کو اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کی توفیق ملی ہو اسے جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جس شخص نے انھیں بڑھاپے میں پایا ہو، پھر بھی ان کی خدمت نہ کی ہو، اسے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم–« رَغِمَ أَنْفُهُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ ». قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ « مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ»))[1]

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا: اس شخص کی ناک غبار آلود ہوئی، یعنی وہ ناکام و نامراد ہوا۔ حاضرین نے دریافت کیا: کون؟ اے اللہ کے رسول ﷺ۔ آپؐ نے جواب دیا:جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوسکا۔)

بوڑھے والدین کے ساتھ جس طرح کا رویّہ مطلوب ہے اور ان کے ساتھ جس طرح پیش آنا چاہیے، اس کی بڑی موثر تفصیل قرآن کریم میں ایک جگہ ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (23) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[2]

(اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یادونوں، بوڑھے ہوکر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ”پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔)

حقوقِ والدین کے سلسلہ میں قرآن و حدیث میں جو تعلیمات مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کا ہر حکم بجالایا جائے اور کسی معاملہ میں ان کی مرضی کے خلاف کام نہ کیا جائے، خواہ ان کا حکم طبیعت پر کتنا ہی گراں ہو اور ان کی مرضی کا کام کرنے میں کتنا ہی نقصان دکھائی دیتا ہو۔

ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں ان سے فرمایا:

((أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ))[3]

---

(1) مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الادب، باب رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ، ح،۶۶۷۵،۵، ۳۸۱/

(2) الاسراء:۱۷/۲۴۔۲۳

(3) مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الدیات، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَمَنْ أَحْيَاهَا} قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَنْ حَرَّمَ قَتْلَهَا إِلَّا بِحَقٍّ، ح،۱۷، ۶۸۷۱/ ۲۵۱

کیا میں تمھیں 'اکبر الکبائر' (سب سے بڑے گناہوں) کے بارے میں نہ بتاؤں؟ پھر آپؐ نے جو چیزیں گنوائیں ان میں سے ایک 'والدین کی نافرمانی' تھی۔

والدین کا کہنا نہ ماننے کی صرف اسی صورت میں اجازت ہے جب وہ کسی ایسے کام کا حکم دیں جو دینی وشرعی اعتبار سے ناجائز ہو۔ ان کی وہ بات تو نہیں مانی جائے گی، لیکن دیگر معاملات میں ان کے ساتھ حسب سابق خوش گوار تعلق رکھنا اوراچھا برتاؤ کرنا لازمی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (1)

(لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہر گز نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔)

والدین کے حقوق کی ادائی اوران کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی مالی ضروریات پوری کی جائیں اور انھیں محتاجی کی حالت میں نہ چھوڑ دیا جائے۔ عہد نبوی میں لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا خرچ کریں اور کس حد تک خرچ کریں؟ اس کے جواب میں مقدار متعین کرنے کے بجائے مدّاتِ صرف کا تذکرہ کردیا گیا اور ان میں سرِ فہرست والدین کو رکھا گیا:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (2)

(لوگ پوچھتے ہیں:ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں،مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے، اللہ اس سے باخبر ہوگا۔)

عموماً آدمی بیوی بچوں کی کفالت میں مصروف رہتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ والدین پر خرچ کرنے سے اس کا مال کم او رہاتھ تنگ ہوجائے گا، اس لیے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی کفالت کرنے والے کی روزی میں کشادگی کی خوش خبری دی گئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی شکایت کی:

((یا رسول اللہ إن لي مالا وولدا . وإن أبي يريد أن يجتاح مالي .فقال: أنت ومالك لأبيك)) (3)

(میرے پاس کچھ مال ہے، لیکن میرے بچے بھی ہیں، میرا باپ میرا مال خرچ کرنا چاہتا ہے۔ میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا:تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے۔)

---

(1) لقمان:۱۵/۳۱

(2) البقرۃ:۲۱۵/۲

(3) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ماللرجل من مال ولدہ، ح، ۲۲۹۱،۲/۷۶۹

ایک دوسری حدیث ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ ان سے کسی نے دریافت کیا: میری کفالت میں ایک بچہ ہے، کیا میرے لیے اس کے مال میں سے کھانا جائز ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ مِنْ أَطْيَبِ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَوَلَدُهُ مِنْ كَسْبِهِ))(1)

(آدمی کاسب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو وہ اپنی کمائی میں سے کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہے)

والدین کے معاملہ میں صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کردی جائے اور ان کے مادی تقاضے پورے کردیے جائیں۔ یوں بھی عمررسیدہ افراد کی مالی اور مادی ضروریات بہت محدود ہوجاتی ہیں۔ ان کی تو بس یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ان کے پاس کچھ وقت گزارے، ان سے باتیں کرے اوران کی باتیں سنے، ان سے ہمدردی، اپنائیت اور محبت کااظہار کرے،ان کی تکلیفوں کا ازالہ کرے اور انھیں آرام پہنچائے۔ اسلام کی مجموعی تعلیمات سے اس پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اولاد کے حقوق:

اسلام میں جہاں والدین کے حقوق اداکرنے کی تلقین اور تاکید کی گئی ہے وہیں اس کے ساتھ اولاد کے حقوق پر بھی زور دیا گیا ہے۔والدین اگر خاندان کی بنیادواساس ہیں تو اولاد اس بنیادواساس کا نتیجہ ہوتی ہے۔جس سےاسکی اہمیت کا لازندازہ لگایا جاسکتاہے۔خاندان کاارتقاء اولاد کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا گویاکہ سماج کا ارتقاء اولاد پر منحصر ہوتاہے۔ آج جو اولاد ہے کل کو وہی ایک مخصوص مرحلے گزرنے کے بعد والدین ہوں گے۔ اس لیے اگر ان کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت کامظاہرہ کیاگیا اور درست سمت میں ان کی پرورش اور تربیت نہیں کی گئی تو مستقبل کے سماج کا ارتقا صحیح بنیادوں پراستوار نہیں ہوسکتا اور اس میں بے اعتدالی اور عدمِ توازن نمایاں ہوگا۔

اولاد والدین کے لیے ایک مخصوص نوعیت کی حامل ہوتی ہےجس کےمطابق قدرت کا بہترین تحفہ، ان کا سرمایۂ حیات، آنکھ کی ٹھنڈک اور دکھ درد کا سہارا ہوتی ہے۔ وہ ان کے لیے دنیا میں فخر وعارکا باعث اور آخرت میں کامیابی وناکامی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق جہاں اولاد کو اللہ کی نعمت قرار دیا گیا ہےوہاں ساتھ اولاد کو آزمائش بھی قراردیاگیاہے۔ چوں کہ اولاد سے انسان کی فطرت اور اس کی اپنی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے اور اسے ذاتی سکون فراہم ہوتا ہے اس لیے وہ دلی طور پر اس کی خواہش رکھتا ہے۔جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ﴾ (2)

(انسانوں کےلیے عورتوں اور بچوں کی خواہش رکھی گئی ہے۔)

---

(1) ابوداود، سنن ابی داود، کتاب الاجارۃ، باب ماللرجل من مال ولدہ، ج۳، ۳۵۳۰، ۳۱۲/۳

(2)آل عمران: ۱۹/۳

اسی طرح قرآن مجید میں مختلف انبیاء ،بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام اورحضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد کے لیے دعا مذکور ہے۔نیزاہل ایمان کی خواہش اولاد کو بھی سورۃ الاحقاف اور سورۃ الفرقان میں دعائیہ شکل میں بیان کیا گیا ہے ۔

اولاد سے انسان کو فطری طور پر محبت ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس جذبہ کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیاہے۔

اسی ضمن میں صحیح بخاری کی حدیث ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ))[1]

(ایک بدّو نبی کریم صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اورکہنے لگا: آپ لوگ بچوں کوچومتے ہیں، ہم تو نہیں چومتے۔ اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر اللہ نے تمھارے دل سے رحم دلی نکال دی ہو تو میں کیا کرسکتا ہوں۔")

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ))[2]

(جو دوسروں پررحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔)

اولاد کے، والدین پر درج ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں:

(1) زندگی

اولاد کا اولین حق یہ ہے کہ اسے بوجھ نہ سمجھا جائےبلکہ اپنے جگر کاٹکڑا سمجھتے ہوئے اسے اپنایاجائےچاہے وہ بیٹا ہویابیٹی۔اس سےاس کی زندگی نہ چھینی جائے بلکہ اس کو زندہ رہنے کاپورا حق دیاجائے۔ اس دنیا میں ہرپیدا ہونے والا بچہ اپنی روزی لے کر آتا ہے۔ اس لیے محض فقر و فاقہ کے ڈر سے ان کا قتل کر دینا یا زندہ درگور کردیناشیطانی عمل ہےاس سے اجتناب کیاجائے۔ اسی حوالے سےاللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[3]

(یقیناًخسارے میں پڑگئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بناپر قتل کیا۔)

([1]) صحیح بخاری، کتاب العلم، بَاب رَحْمَةِ الوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ، حدیث نمبر،۵۹۹۸، ص:۱۵/۱۷۲

([2]) صحیح بخاری، کتاب العلم، بَاب رَحْمَةِ النَّاسِ وَالبَهَائِمِ، حدیث نمبر،۶۰۱۳، ص:۱۵/۱۹۶

([3]) سورۃآل عمران:۶/۱۴۰

بعض اوقات امیر لوگ نسل انسانی کی بڑھوتری کا منصوبہ ہی ترک کردیتے ہیں جس کے لیے مضرترین ادویات کااستعمال کرتے ہیں اور بعض لوگ فقر وفاقے کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد کا قتل کردیتے ہیں اور بعض اوقات کوڑے کے ڈھیر پر پھینک کرچلے جاتے ہیں جیساکہ اکثر ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ خسارے پانے والے قرار دیاہے۔

﴿وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ﴾[1]

(اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوش نما بنا دیا ہے، تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنادیں۔)

زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنی اولاد کو قتل کردیتے تھے۔نذروں کی بھینٹ چڑھادیاکرتے تھے، بتوں کے آستانوں پر ان کی قربانی پیش کرتے تھے، خاص طور سے بعض قبیلوں میں لڑکیوں کو زندہ درگور کردینے کی رسم پائی جاتی تھی۔ قرآن نے اس کی مذمت کی اور اس سے روکا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾ [2]

(اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔)

جنسی تسکین کے معاملے میں اسلام کارویہ معتدل و متوازن کو ہے۔ اس نے نہ تو جنسی جذبہ کو دبانے اور کچلنے کا فارمولہ دیا ہے اور نہ کھلی اجازت دے دی ہے کہ اس حصول کے لیے جو طریقہ دل میں آئےچاہے اختیار کرلیا جائے۔ بہ الفاظ دیگراسلام نہ تو رہبانیت کا قائل ہے اور نہ اباحیت کا، بلکہ اس نے جنسی تسکین کے لیے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔

(2) پرورش

اولاد کی اچھی تربیت کرنا واکدین کے فرائض میں شامل ہے اوریہ اولاد کا دوسرا حق ہے کہ اس کی اچھی طرح پرورش کی جائے،پیدا ہونےکے بعدساتویں دن اس کا اچھا سا نام رکھا جائے، اس کی عمر کے مطابق غذااور لباس کا انتظام کیا جائے، اس کی دیگر تمام ضروریات کاخیال کیاجائے، اوربالغ ہونے پر اس کا نکاح کسی اچھی جگہ پر کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[3]

(جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدتِ رضاعت تک دودھ پیے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو دستورکے مطابق انہیں کھاناورلباس دینا ہوگا۔)

([1])آل عمران:۶/۱۳۷

([2])الاسراء:۱۷/۳۱

([3])البقرۃ:۲/۲۳۳

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(جس کے یہاں کوئی اولاد ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا سا نام رکھے، اسے ادب سکھائے پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے۔)[1]

زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ اپنے بیش تر حقوق سے محروم رہتی تھیں۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے خاص طور سے ان کی پرورش و پرداخت اور خبر گیری پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنْ النَّارِ))[2]

(جو شخص ان بیٹیوں کی وجہ سے کسی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ ہوں گی۔)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس شخص کے یہاں بیٹی پیدا ہو، وہ نہ اسے زندہ درگور کرے، نہ اسے رسوا کرے اور نہ اپنے بیٹوں کو اس پر ترجیح دے، اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"[3]

والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ضروریات کا بقدر استطاعت خیال رکھیں، ان سے کسی حال میں غفلت نہ برتیں اور انھیں بے ید و مددگار نہ چھوڑیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کی بربادی کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کردے جن کے اخراجات کا ذمہ دار ہو۔"[4]

(3) تربیت

اولاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ ان کی اچھی طرح تربیت کی جائے۔ ان کی ظاہری اور جسمانی نشو و نما پر دھیان دینے کے ساتھ ان کے اخلاقی وروحانی ارتقا پر بھی توجہ دی جائے، انھیں دین کے راستے پر چلایا جائے اور غلط راہوں پر جا پڑنے سے روکا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾[5]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے۔)

([1]) بیہقی فی شعب الایمان

([2]) بخاری، صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب بَاب اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَالْقَلِيلِ مِنَ الصَّدَقَةِ، ح، ۳، ۱۴۱۸/۴۳۱

([3]) ابوداؤد: 5146

([4]) ابوداؤد: 1692

([5]) البقرۃ: ۲/۶۶

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ))[1]

(مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اس کی نگرانی میں رہنے والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا)

اس حدیث میں 'راعی' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنیٰ چرواہا کے آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کی بکریوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے، ان کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے او رانھیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا ،اسی طرح گھر کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت تمام افراد کی دیکھ بھال رکھے۔

والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں میں اعلیٰ اوصاف اور بلند انسانی اخلاق پیدا کریں۔اسلام میں تربیت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ اخلاقی تربیت، فنّی اور تکنیکی تربیت، دینی تربیت سب کو محیط ہے۔ والدین کو اپنے بچوں کی ہمہ جہت تربیت کی فکر کرنی چاہیے۔

([1])بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب العتق، بَاب كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ، ح،٦، ٢٥٥٤/٤١٤

باب ششم:

الہامی مذاہب کی روشنی میں خاندانی نظام کا تقابلی مطالعہ(عصری تناظر میں)

فصل اول: الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کے مشترکات ومختلفات

فصل دوم:عصری خاندانی نظام کےالہامی خاندانی نظام پراثرات اوران کا حل

فصل اول: الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کے مشترکات ومختلفات

مشترکات ومختلفات:

یہودیت اوراسلام دو الہامی مذاہب ہیں جن کی تعلیمات وحی الٰہی کی صورت میں نبیوں کےذریعےعام انسانوں تک پہنچیں،اگرچہ وقت کے گزرنے کےساتھ ساتھ یہودی مذہبی میں بہت ساری تبدیلیاں بھی رونما ہوچکی ہیں ،جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسلام کےمقابلےمیں یہودی ایک قدیم مذہب ہے۔اس کےباوجود یہودیت اور اسلام میں بہت سے ایسے معاملات واحکام ہیں جومشترک ہیں۔اسی وجہ سےیہ کہاجاسکتاہےکہ ان دونوں میں بہت سارے معاملات واحکام میں یکسانیت اور یگانگی پائی جاتی ہے۔ذیل میں انہی مشترکات کاایک جامع خاکہ پیش کیاجاتاہے:

یہودیت اور اسلام دونوں الہامی مذاہب ہیں۔فرق صرف اتنا ہےکہ یہودیت اسلام سے پہلےدنیائے عالم میں متعارف کروایا گیا۔نیز یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے متعارف کروائی گئی جبکہ اسلام کو متعارف کروانے کےلیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی آخرالزمان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیاء والمرسلین بناکر مبعوث فرمایا۔

مقدس کتب:

یہودیت: یہودیت کی سب سے اہم ترین کتاب تورات ہے جو کئی دفعہ جلائی جاچکی ہے جس میں خود علماء یہود کے مطابق نہ جانے کتنے تغیرات ہوچکے ہیں۔ اصل تورات تو کہیں نہیں ملتی صرف اس کی مختلف زبانوں میں تراجم ملتے ہیں جو تقریباً سبھی الگ الگ ہیں۔

اسلام کی بنیادی اور سب سے عظیم کتاب قرآن کریم ہے۔جو ہر طرح کی تحریف اور کمی و بیشی سے محفوظ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود لیا۔اسی حفاظت قرآن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[1]

مذکورہ فرمان الٰہی کی روشنی میں قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے اور جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ خود لے اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل ممکن نہیں۔اسی لیے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قرآن مجید ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ مسیحیت اور اسلام میں پہلی مشترکہ بات یہ ہے کہ یہ دونوں الہامی مذاہب ہیں دونوں کی تعلیمات الہامی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ مسیحیت کی مقدس کتاب انجیل میں موجودہ وقت میں کافی تحریف ہوچکی ہے جبکہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجیدمیں نہ

([1]) الحجر: ۹/۱

آج تک کوئی کسی قسم کی تحرید کرسکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کسی کو اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کرنے کی ہمت نہیں ہوسکتی۔اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مقدس لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں حفظ کی صورت محفوظ ہے۔

یہودیت: ہر یہودی پر توراۃ کی تلاوت لازم ہے۔

اسلام: ہر مسلمان پر قرآن مجید کی تلاوت و تعلیم لازم ہے۔

چونکہ تورات وقرآن دونوں الہامی کتابیں ہیں لہذا دونوں کی تلاوت کارثواب ہے۔تاہم آغاز اسلام اور نزول قرآن کے بعد اب دیگر الہامی کتابوں کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے۔کیونکہ اس سے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح موجودہے کہ دین اسلام کے بعد کوئی دوسرا قابل قبول نہیں ہوگا۔ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ [1]

(جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرےتو اس سے وہ قبول نہیں کیاجائے گا)

گویا کہ دین اسلام کی آمدکےبعدپوری انسانیت سے یہ مطالبہ کیاگیا ہے کہ جو کوئی بھی دنیا کے کسی بھی کونے میں رہنے والا ہے اگر دنیا و آخرت میں کامیاب ہوناچاہتا ہے تو اس کو سب سے پہلے دین اسلام کو بطور دین قبول کرنا ہوگا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔جو کوئی دین اسلام کو چھوڑ کرکسی دین کی پیروی کرتا رہے گا وہ ہر گز کامیاب نہیں و پائے گا۔

پردہ:

یہودیت: عورتوں پرپردہ لازم ہے۔

اسلام: عورتوں پر پردہ لازم ہے۔

دونوں مذاہب میں پردہ ایک ایسی مشترک چیز ہے جس کے ذریعے فتنہ وفسادکادروازہ کھلنے سے پہلے ہی بند کیاجاسکتاہے۔یہی وجہ ہے دونوں مذاہب میں پردے کو بنیادی اور اولین احکامات میں رکھا گیاہے۔

روایتی یہودی لباس میں پردے کی اقسام:

1.متسیہ (Mitpachat) یاٹخیل (Tichel) –ایک اسکارف جوشادی شدہ یہودی خواتین سر پر پہنتی ہیں۔

2. شیٹل (Sheitel) –شادی شدہ خواتین کے لیےوِگ(wig)پہننےکارواج،تاکہ اُن کے اصلی بال نظرنہ آئیں۔

3.پردہ دار لباس—خاص طورپر قدامت پسند فرقے، جیسے حریدی (Haredi)اور یروشلم کے بعض گروہ،خواتین کو مکمل ڈھیلااور غیر نمایاں لباس پہننے کی تلقین کرتے ہیں۔مثلا:

([1]) آل عمران:۸۵/۳

اس میں بیان ہے کہ شادی شدہ خواتین کو اپنے بالوں کو ڈھانپنا چاہیے،اور اگر کوئی عورت ایسا نہ کرے تو یہ بے حیائی کے زُمرے میں آتا ہے۔[1]

یہودیت میں پردے کا تصور مختلف فرقوں میں مختلف شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔قدامت پسند اور ربیائی یہودیت میں اس پر سختی کی جاتی ہے،جب کہ اصلاحی (Reform)اور جدید (Modern) یہودیت میں اس پر زیادہ نرمی اختیار کی گئی ہے۔

قتل وزنا:

یہودیت: قتل ،زنااور چوری کی ممانعت ہے۔

یہودیت میں ناصرف قتل وغارت کی ممانعت ہے بلکہ اس کی روک تھام کے لیےایسی حرکت کرنے پر باقاعدہ سزابھی مقرر کی گئی ہے۔اسی ضمن میں تنویر بخاری اپنی کتاب "شریعت موسوی "میں لکھتے ہیں:

"یہودی قانون میں میں انسان کا قتل محض ایک جرم ہی نہیں بلکہ خدا کی بے حرمتی بھی ہے۔خدا نے ابردائے آفرینش میں صرف ایک انسان تخلیق کیا تھا اس طرح بنی نوع انسان کو سکھایا گیا تھا کہ جس کسی نے ایک انسان کو قتل کیا اس کو اس طرح کی سزا ملے گی جیسا کہ اس نے پوری دنیا کو تباہ کر دیا ہے"۔ [2]

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ یہودی قانون کے مطابق قتل ایک سنگین جرم ہے جس کے ارتکاب پر گویا خداتعالیٰ کی بے حرمتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے ایک انسان کو تخلیق کیا اور اسےاپنی ہم جنس مخلوق کو قتل کرنے سے منع کیا تھااور اس کے ارتکاب پر سزا کی وعید سنائی تھی۔ایک انسان کا قتل ایسے ہے جیسے ساری انسانیت کو قتل کر دینا،اس لئے اس جرم سے اجتناب کرناچاہیے۔"اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالےوہ ضرور جان سے مارا جائے"۔([3])

اس بیان سے قتل کی ممانعت بڑے واضح انداز میں بیان ہورہی ہے۔کیونکہ اگر قاتل کو چھوڑ دیا جائے تووہ اپنے جرم پر مزید دلیر ہوگا جس سے برائی کا راستہ بند ہونے کی بجائے مزید کھلے گا۔اس لئے ظلم کا بدلہ اگر بروقت لے لیا جائے تووہ بدلہ ظلم کی روک تھام میں ممد معاون ضرور ثابت ہوگا۔اس کی مذید وضاحت تفسیر الکتاب میں بیان یوں ہوئی ہے:

([1]) کیتوبوت 72 a، تلمودیہودی مذہبی تفسیری کتابیں

([2]) شریعت موسوی ۔تنویر بخاری۔ص۲۲۳۔مکتبہ عناویم پاکستان۔جی ٹی روڈ سادوھو کے،ضلع گوجرنوالہ

([3]) کتاب مقدس

"عبرانی زبان میں ساتھ لفظ ہیں جن کا تعلق جان سے "مارڈالنا" سے ہے. لیکن جو لفظ اس آیت میں استعمال ہوا ہے وہ تقریباً ہمیشہ اپنے ذاتی دشمن کو مار ڈالنے کے لئے استعمال ہو تا ہے۔اس میں ہمیشہ دیدہ دانستہ اور پہلے سے ارادہ اور منصوبہ بنا کر قتل کرنے کا مفہوم اور تصور ہوتا ہے۔خدا نے خون یا قتل کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ صرف وہی انسانی زندگی کا خالق اور سر چشمہ ہے اور صرف اسی کو ختم کرنے کا حق ہے۔اس لئے کسی انسان کو حق نہیں کہ کسی دوسرے انسان کی زندگی ختم کردے انسانی زندگی خدا نے پیدا کی ہے اور مہذب معاشرے کا فرض ہے کہ اس قدر و قیمت اور تقدس کی تائید و حمایت کرے اور اس کی حفاظت کرے"۔[1]

نیز قاموس الکتاب کے مطابق حضرت موسیٰ کے احکام عشرہ میں سے چھٹا حکم قتل وغارت کی ممانعت سے متعلق ہے۔

"احکام عشرہ کا چھٹا حکم بھی یہی ہے تو خون نہ کرنا۔خدا کو نفرت ہے بے گناہ کا خون بہانے والے ہاتھوں سے،پہلی مثال ہابیل کا خون جو قابیل نے بہایا ہمارے سامنے ہے ۔دنیا نے یسوع مسیح کو جو بے گناہ قتل کیا تھا ۔ بے شرع لوگوں کے حوالے کیا اور اس کا خون بہایا گیا ۔ایسا خون بہانے والے زندگی کو نہ دیکھیں گے لیکن توبہ کر کے ہم سے معافی حاصل کر سکتے ہیں"۔[2]

اسی طرح زنا کی ممانعت بھی یہودیت میں موجود ہے۔ اور اس کے متعلق احکام کتاب مقدس میں ابھی تک موجود ہیں باوجودیکہ کتاب مقدس میں بوقت ضرورت ہر دور میں تغیر و تبدل تبدیل بھی کیا گیا ہے مگر اس تغیر و تبدل باوجود ان سزاؤں کا تذکرہ کتاب مقدس میں موجود ہے۔

جبکہ موجودہ یورپی قانون کے مطابق زنا ایک جائز عمل ہے۔یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب کی نظر میں کسی عاقل و بالغ غیر شادی شدہ عورت کا باہمی رضا مندی سے زنا کرنا جرم نہیں ہے بلکہ یہ ایک نفسانی خواہش کی تسکین کا ذریعہ ہے جس میں کسی شخص یا حکومت کو رکاوٹ بننے کی اجازت نہیں ہے ۔

مغربی مفکرین اسلام کی متعین کردہ سزاوں کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے زنا کو برائی ہی نہیں گردانتے بلکہ وہ لوگ اس کا جواز ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں ۔ان مفکرین میں سے ایک لیپ مین ہے جو بدکاری کے مرتکب کو دی جانے والی سزا پر اعتراض کرتے ہوئے یہ دلیل بیان کرتا ہے:

> The punishments inflicted for huded crimes-flogging,stoning,and amputation are retrogressive not only for islam,but the entire humanity(Ogbu,2005:170-182).The punishment of stoning to death for adultery

---

([1]) تفسیر الکتاب، جلد اول پیتھیوہیزی کا منٹری کا ترجمہ۔ناشر۔چرچ فانڈیشن سیمینارز۔پوسٹ بکس نمبر ۳۱۹۲ ۔لاہور اشاعت ۲۰۰۲۔ص ٦٧

([2]) قاموس الوعظ۔جلد اول۔پادری اسلم برکت۔ایم۔اے۔ایم۔ڈیو۔نارووال ۔سن اشاعت ۲۰۱۷ ص ۸۰۸

is not provided for in the Quran,and it is a gross violation of fundamental human rights of people.Various human rights instruments prohibit torture and other forms of cruel,barbaric and degrading punishment. Huded punishments should not be prescribed for offenses such as fornication,drinking of alcohol and apostasy.(1)

(حدود جرائم۔کوڑے مارنے،سنگسار کرنے اور سزائے موت دینے کے لئے دی جانے والی سزائیں نہ صرف اسلام بلکہ پوری انسانیت کے لئے سر کشی کا باعث ہیں ۔زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کی سزا قرآن مجید میں فراہم نہیں کی گئی ہے،بلکہ یہ لوگوں کے بنیادی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔حقوق انسانی کے متعدد آلات اذیت اور وحشی ،وحشانہ اور ہتک آمیز سزا کی دیگر اقسام سے منع کرتے ہیں۔حرام کاری،شراب پینا اور ارتداد جیسے جرائم کے لئے حدود کی سزا کا حکم نہیں دیا جانا چاہیے۔)

لیپ مین کے بقول بدکاری کے مرتکب کو سنگسار کرنے کی سزا قرآن مجید میں موجود نہیں ہے اسلئے اس کا نفاذ غیر قانونی ہے کیونکہ اس سزا کے نفاذ سے انسانی حقوق کی پامالی ہوتی ہے نیز ایسی سزا انسانیت کی ہلاکت کا سبب ہے۔

اسلام: قتل زنا،چوری، جھوٹی گواہی کی سزا بطور حد مقرر ہے۔

قربانی:

یہودیت: جانور کی قربانی جائز ہے۔

یہودی ادب میں قربانی کے لیے عبرانی زبان کا لفظ " قربن" مستعمل ہے جو کہ قربانی ہی کی اصطلاح کو بیان کرتا ہے۔ان کے ہاں زیادہ تر قربانی جانوروں کی دی جاتی ہے۔یہودی روایات کے مطابق عموما حلال جانور کو قربان کیا جاتا تھا جیسے بیل،گائے،بھیڑ،بکری یا فاختہ۔بسا اوقات جنس کی شکل میں بھی قربانی ادا کی جاتی تھی مثلاً اناج، کھانے، سرکہ اور خوشبو وغیرہ۔(2) قربانی کا گوشت اکثر پکایا جاتا جس کا زیادہ حصہ خود قربانی کرنے والا کھاتا،کچھ حصہ کاہنوں کو دیا جاتا اور تھوڑا سا حصہ بیت المقدس کی قربان گاہ پر جلایا جاتا تھا۔

اسلام: جانور کی قربانی مذہبی فریضہ ہے۔

جانور کی قربانی مذہبی فریضہ ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق قربانی میں جانور کا گوشت مقصود نہیں ہوتا بلکہ انسان کی نیت میں خلوص مقصود ہوتا ہے۔جس کی نیت میں جس قدر خلوص و للّٰہیت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کو اجر وثواب ملے گا۔قربانی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ﴾(3)

---

(1) Ref:Lippman,Mathew."Islamic Criminal law and Procedure: Religious Fundamentalism v Modern Law",12 B.C.Int'1& Comp.L.Rev.29.

(2) same as

(3) الحج:۲۲/۳۷

(اللہ تعالیٰ کو جانوروں کو گوشت اور خون ہر گز نہیں پہنچتا ہاں اللہ تعالیٰ کو تمہارا تقویٰ ضرور پہنچتا ہے)

نماز روزہ:

یہودیت:

یہودی ادب میں روزہ کو"تعنیت" کہاجاتاہے۔موجودہ یہودی تعلیمات کے مطابق احکامات کا اطلاق لڑکے کی عمر 13سال اور لڑکی کی عمر 12سال سے ہوتا ہے۔ان کے ہاں روزہ مغرب سے مغرب تک پوراکیاجاتاہے۔ روزہ رکھنے سے پہلے سحری بھی کی جاتی ہے لیکن اس کا وقت صبح فجر کی بجائے مغرب کے بعد کا ہے۔سحری کو بھی اہمیت دی جاتی ہے اگرچہ ایک لقمہ ہی کھالیاجائے۔یہود ادب کے مطابق چند ایام میں روزہ رکھنا ممنوع ہے مثلا:یوم سبت یعنی ہفتہ کے دن،کسی تہوار کے دن،چھٹی کے دن اور موسم بہار کے مہینے"نسان"میں بھی روزہ رکھنا ممنوع ہے۔صرف "یوم غفران"ایک ایسا تہوار ہے جب تمام یہودی روزہ رکھتے ہیں۔اور بعض افراد کو روزہ چھوڑنے کی رخصت بھی دی گئی ہے مثلا ایسے مریض جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں،ضعیف،حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورتوں کو روزہ سے استثناء حاصل ہے۔یہودیت کے عصری تصورات میں بطور اجتہاد وابستگی مفاد عامہ کی بنیاد پر بھی استثناء دیاگیا ہے مثلا ربی،مدرس یا پہرے پر موجود لوگوں کو استثناء دیاگیا ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن و خوبی سرانجام کر سکیں۔یہودیوں میں انفرادی روزے کی اصطلاح بھی مروج ہے جس کو نفلی روزہ سے تعبیر کیاجاتاہے۔انفرادی/نفلی گناہوں کی معافی،توبہ تائب ہونےاور حصول رضائے الٰہی کی غرض سے رکھا جاتاہے اس لیے اس کادوسروں سے چھپانا ضروری ہوتاہے۔یہودیوں کے ہاں روزے کی حالت میں ناصرف کھانا پینا اور جنسی افعال سے اجتناب ضروری ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ چمڑے کی جوتی پہننا،خوشبویاخوشبودار تیل لگانااور غسل کرنا سے اجتناب بھی ضروری ہے۔

اسلام: نماز روزہ فرض ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق نماز اور روزہ فرائض کی حیثیت رکھتے ہیں جو ہر مسلمان عاقل اور بالغ پر فرض ہے۔چھوڑنے والا گنہگار ہے۔شریعت اسلامیہ کے مطابق نماز ایک دن میں پانچ بار فرض کی گئی ہے۔جبکہ سال میں ایک مہینے رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔روزہ اور نماز ایسی عبادات ہیں جن کے لیے وقت کی تعیین کی گئی ہے جو کہ وقت سے پہلے مطلوب نہیں۔پورے سال میں سوائے ایام تشریق اور عیدین کے کسی بھی دن ھی نفلی روزہ رکھا جاسکتاہے۔ فرضی اور نفلی روزوں میں ایک چیز مشترک ہے وہ یہ کہ دونوں کا دورانیہ مشترک ہے جس میں سحری کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔روزے کا دورانیہ صبح فجر سے مغرب تک ہے۔اس کے علاوہ اوقات میں کھانا پینااور دیگر ممنوع امور کی ادائیگی میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

شادی:

یہودیت: شادی مذہبی فریضہ ہے۔

اسلام:اسلامی تعلیمات کے مطابق شادی سنت رسول ﷺ ہے۔متعدد احادیث میں شادی کی تاکید کی گئی ہے۔بلکہ شادی کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیاگیاہے۔شادی کی تاکید کے متعلق فرمان رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ((النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) [1]

(نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ مجھ سے نہیں)

والدین کی اہمیت:

یہودیت: والدین کے طے کردہ رشتوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اسلام: والدین کے طے کردہ رشتے فوقیت رکھتے ہیں۔

دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے ہاں والدین کے طے کردہ رشتوں کو اہمیت دی جاتی ہےتاہم والدین کی مرضی کے ساتھ بچوں کی مرضی کا بھی خیال کیا جاتاہے۔

نکاح:

یہودیت: یہودیت کسی بھی عورت کا نکاح کسی مرد سے صرف اس حالت میں قبول کرتی ہے جب وہ اپنا قدیم دین چھوڑ کر یہودیت اختیار کرلے۔

اسلام: اسلام کی نظرمیں یہودی سے مشروط طورپر نکاح جائزہےجس کے تحت اصلی حقیقی یہودیت کا پیروکار ہونا ضروری ہے۔جیساکہ قرآن مجیدمیں کتابیوں سے نکاح کی حلیت سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [2]

(وہ پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی)

شادی کی عمر:

یہودیت:شادی کی عمر اٹھارہ سال مقرر ہے۔

اسلام:شادی کی عمرشرعی طورپر بلوغت ہے جبکہ اٹھارہ سال قانونا ہے۔

رہبانیت:

یہودیت:اس مذہب میں رہبانیت کا تصور نہیں ہے۔

---

(1) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاءَ فی فضل النکاح، ح،۱۸۴۶: ۵۹۲/۱

(2) الحج: ۳۷/۲۲

اسلام: رہبانیت کا مخالف ہے۔

تعلیم

اسلام: اسلام کی تعلیم یونیورسل بین الاقوامی ہے۔ مرد و عورت دونوں کے لیے لازمی جیسا کہ سورہ اقرأ اور حدیث "طلب العلم فریضۃ" سے ثابت ہے۔

یہودیت: یہودیت کی تعلیم خاص طور پر بنی اسرائیل تک محدود ہے اور بنی اسرائیل میں بھی مذہب کی تعلیم تو صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے دینی تعلیم کو پسند نہیں کیا جاتا کیوں کہ تورات کا یہ حکم ہے اپنے لڑکوں کو تعلیم دو۔ (کتاب تلمود۔ کتاب استثناء: باب : ۱۱، آیت:۱۹

تعلیم اور عورتیں عام اصول

اسلام: آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دے، دینی اور دنیوی دونوں تعلیم، تعلیم میں شامل ہیں۔ اسی وجہ سے مندرجہ ذیل عورتیں اسلامی تاریخ میں منظر عام پر آئیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ) زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) (۲) حضرت ام ہانی، (۳) ام کلثوم، (۴) حضرت فاطمہ، (۵) مریم و فاطمہ جو .... یونیورسٹی مسجدہ کی موسسہ تھیں، (۶) مولانا آزاد ہندی کی والدہ، (۷) جمیلہ جو یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئیں، ان کا بھی تعلیمی میدان میں بڑا نام ہے۔

یہودیت: ۱- پہلا قول یہ ہے کہ آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو تورات کی تعلیم دے۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ جو بھی شخص اپنی بیٹی کو تورات کی تعلیم دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اپنی بچی کو گندی چیزوں کو سکھائے۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ عورت کو تورات کی تعلیم دینے کی بجائے تورات ہی کو جلادینا بہتر ہے۔

۴- چوتھا قول یہ ہے کہ جب ایک ربی سے کسی عورت نے سونے کے بچھڑے کے متعلق پوچھا تو اسے ڈانٹتے ہوئے کہا گیا کہ عورت کو تعلیم سے کوئی سرورکار نہیں، صرف اس کا کام اسپنڈل کا استعمال ہے۔

۵- یہودی علماء نے مشترکہ تعلیم کو اس واسطے عورتوں کو دلانے سے منع کیا کہ اس کی وجہ سے یونان اور روم میں عورتوں کے اندر اخلاقی گراوٹ یہاں تک آئی کہ ناقابل برداشت ہوگئی۔

مندرجہ بالا وجوہات کی وجہ سے یہودی عورتوں میں زیادہ مشہور و معروف تعلیم یافتہ عورتیں نہیں گزری ہیں۔

منگنی:

یہودیت: منگنی ایک مذہبی فریضہ ہے۔

اسلام: اسلام کی نظر میں منگنی ایک رسم ہے۔

شادی کی حیثیت:

یہودیت: شادی ایک تحریری معاہدے کا نام ہے۔

اسلام: شادی ایک تحریری معاہدے کا نام ہے۔

نکاح:

یہودیت: نکاح ایک مذہبی مفریضہ اورلازمی تقاضا ہے۔

اسلام: نکاح مذہبی فریضہ اور لازمی تقاضا ہے۔جس کی رغبت رسول اللہ نے خوددلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ یَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَیْسَ مِنِّی))"[1]

(نکاح میری سنّت ہے اور جس نے میری سنّت پہ عمل نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔)

نکاح خواں:

یہودیت: نکاح ربی(مذہبی پیشوا)کا پڑھانا ہی لازمی امر ہے کسی اور کے لیے نکاح پڑھانا غیر شرعی ہے۔

اسلام: عموما نکاح خواں نکاح پڑھاتاہے ویسے کوئی بھی شخص جو عائلی مسائل سے واقف ہو وہ نکاح پڑھانے کا اہل سمجھاجاتاہے۔

نکاح نامہ پر کرنا:

یہودیت: شادی کے لیے نکاح نامہ پر کرنا شرعی مذہبی تقاضا سمجھاجاتاہے۔

اسلام: نکاح نامہ پر کرنا شرعی تقاضا نہیں ہے بلکہ صرف قانونی تقاضا ہے۔

نکاح کے گواہ:

یہودیت: نکاح کے گواہ لازمی ومذہبی تقاضا ہے۔

اسلام: نکاح کے لیے گواہ شرط ہیں ان کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

نکاح کااعلان:

یہودیت: اعلان نکاح و مجلس نکاح مذہبی فریضہ ہے۔

اسلام: اعلان نکاح و مجلس نکاح شرعی تقاضا ہے۔

([1]) ابن ماجہ، محمد بن یزید أبو عبداللہ القزوینی.سنن ابن ماجہ،(دارالفکر بیروت)کتاب ا لنکاح، باب ماجاءفي فضل ا لنکاح،ح نمبر،۱۸۴۶

دولہے کی خریداری:

یہودیت: لڑکی والوں کا لڑکے کو شادی کی خریداری کے لیے رقم فراہم کرنا مذہبی ذمہ داری ہے۔

اسلام: یہ ایک رسم ہے مذہبی یا قانونی تقاضہ نہیں ہے۔

لڑکی کی رضامندی:

یہودیت: شادی کے لیے لڑکی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسلام: شادی کے لیے لڑکی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جبری شادی:

یہودیت: جبری شادی کی نفی ہے۔

اسلام: جبری شادی کی کوئی گنجائش نہیں۔

شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنا:

یہودیت: شادی سے قبل لڑکی کو دیکھنے کی اجازت ہے۔

اسلام: شادی سے قبل لڑکی کو دیکھنے کی اجازت ہے۔

عورت کی تعظیم:

یہودیت: عورتوں کی تکریم، بیویوں کی عزت کی تعلیم لازمی جزہے۔

اسلام: عورتوں کی تعظیم مذہبی تعلیم کا حصہ ہے۔

نان نفقہ:

یہودیت: نان نفقہ شرعی طور پر شوہر کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

اسلام: نان نفقہ شرعی طور پر شوہر کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

جنسی ملاپ:

یہودیت: باہمی رضا مندی سے بیوی سے جنسی تلذذ حاصل کیا جاسکتاہے۔

اسلام: باہمی اشتراک سے جنسی طور پر لطف اندوز ہونے کا حکم ہے۔

حیض ونفاس میں جماع:

یہودیت: ناپاکی کی حالت میں عورت سے جماع منع ہے۔

اسلام: ناپاکی (حیض ونفاس) کی صورت میں عورت سے جماع جائز نہیں۔اسی سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾[1]

(لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ یہ ایک تکلیف ہے لہذا حیض کے دنوں میں عورتوں سے دور رہو)

طلاق:

یہودیت: طلاق شرعی طور پر معیوب ہے لیکن منع نہیں۔

اسلام: جائز کاموں میں سب سے زیادہ قبیح عمل ہے۔اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

((أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ))[2]

(حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔)

حق طلاق:

یہودیت: طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

اسلام: طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

عدت:

یہودیت: طلاق کے بعد بیوی کے لیے 90 دن عدت گزارنا مذہبی فریضہ ہے۔

اسلام: طلاق کے بعد 3 ماہواری تک عدت گزارنا شرعی تقاضا ہے۔

حق مہر:

یہودیت: حق مہر شرعی ومذہبی فریضہ ہے۔

اسلام: حق مہر سنت رسول ﷺ، لازمی جز اور شرعی حکم ہے۔

یہودیت: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اس کی وراثت سے حق مہر وصول کرسکتی ہے۔

ادائیگی مہر:

([1]) البقرۃ: ۲۲۲/۲

([2]) ابن ماجہ، محمد بن یزید أبو عبد اللہ القزوینی، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب حدثنا سوید بن سعید، حدیث نمبر ۲۰۱۸ ص: ۶۵۰/۱

اسلام: بعد ازوصال بھی شوہر کے مال سے حق مہر ادا کیاجائے گا۔تاہم شوہر اگراپنی زندگی میں ادا کردے توزیادہ بہتر ہے۔ناصرف یہ بلکہ حق مہر کی ادائیگی سے قبل عورت اگرچاہے توشوہر کواپنے آپ سے دور رکھنے کا بھی اختیار رکھتی ہے۔

یہودیت: شرعی طورپر محرمات سے شادی ممنوع ہے۔[1]

محرمات:

اسلام: شرعی طور پر محرمات سے شادی حرام ہے۔جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[2]

(تم پر تمھاری مائیں،بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں،خالائیں، بھتیجیاں،بھانجیاں اوروہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا(رضاعی مائیں)،رضاعی بہنیں اورساسیں حرام کردی گئی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تم جنسی تعلقات قائم کرچکے ہو،ان کی بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو(وہ بھی حرام ہیں)ہاں اگران کے ساتھ تم نے جنسی تعلقات قائم نہ کیے ہوں تو(ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرلینے میں)تم پر کچھ حرج نہیں،تمہارے سگے بیٹوں کی بیویاں بھی اوراسی طرح دو بہنوں کوایک ہی نکاح میں اکٹھا کرنا بھی(حرام ہے)مگرجو ہوچکا(سووہ گزرچکا)بے شک خدابخشنے والا (اور)رحم والاہے۔)

وراثت:

یہودیت: وراثت میں اولاد کاحصہ شرعی حق ہے۔تاہم بڑے بیٹے کو دیگر اولاد کی نسبت زیادہ دیا جاتا ہے۔[3]

اسلام: وراثت شرعی طورپر اداکی جائے گی۔جس کی تفصیل قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔جس کے مطابق بعض جن کے حصے قرآن وسنت یا اجماع سے ثابت ہیں ان کو اصحاب فرائض کہا جاتا ہے جن کی کل تعداد 12 ہے۔ان میں آٹھ عورتیں اور4 مرد شامل ہیں۔بیٹے کا حصہ مقرر نہیں ہے تاہم وہ وہ بطور عصبہ جائیداد کا مستحق گردانا جاتا ہے۔عصبہ سے مرادایسے افراد ہیں جوتمام حصے داروں میں مال تقسیم ہونے کے بعد بچ جانے والے مال کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

سورۃالنساء میں مذکورحصے پوری تفصیل کے ساتھ موجودہیں۔جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

([1]) احبار:۱۸:۸،۷

([2]) النساء :۴/۲۳

([3]) استثناء۱۷،۱۵:۲۱

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾[1]

"اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔ تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے۔ اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لئے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا، اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو۔ اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں، اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو یہ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بردبار"

تعلیم:

یہودیت: ۱- پہلا قول یہ ہے کہ آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو تورات کی تعلیم دے۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ جو بھی شخص اپنی بیٹی کو تورات کی تعلیم دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اپنی بچی کو گندی چیزوں کو سکھائے۔

([1]) النساء: ۴/۱۱-۱۲

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ عورت کو تورات کی تعلیم دینے کی بجائے تورات ہی کو جلادینا بہتر ہے۔

۴- چوتھا قول یہ ہے کہ جب ایک ربی سے کسی عورت نے سونے کے بچھڑے کے متعلق پوچھا تو اسے ڈانٹتے ہوئے کہا گیا کہ عورت کو تعلیم سے کوئی سروکار نہیں، صرف اس کا کام اسپنڈل کا استعمال ہے۔

۵- یہودی علماء نے مشترکہ تعلیم کو اس واسطے عورتوں کو دلانے سے منع کیا کہ اس کی وجہ سے یونان اور روم میں عورتوں کے اندر اخلاقی گراوٹ یہاں تک آئی کہ ناقابل برداشت ہوگئی۔

اسلام: آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دے،دینی اور دنیوی دونوں تعلیم، تعلیم میں شامل ہیں۔

عورت کا مقام

یہودیت: عورت پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اسی نے حضرت آدم کو بہکاکر شجر ممنوعہ کا پھل کھلوایا۔ اس لیے سب سے پہلے گناہ کی مرتکب وہی ہوئی، یعنی گناہ کی شروعات کا الزام عورت کے اوپر ہے۔ جس کی سزا کے طور پر مرد کو اس کے اوپر حاکم بنایاگیا ہے۔اور اس کو حمل کے جننے وغیرہ کی سزائیں دی گئی ہیں۔

اسلام: اسلام عورت کو اس کا جائز مقام دیتا ہے صرف ساخت کی وجہ سے مرد کے مقابلے میں اختیارات کچھ کم ہیں۔ورنہ بہتری کامعیار تقویٰ کوقرار دیاگیاہے۔

عورتوں کا سفر

اسلام: اسلام میں کوئی بھی عورت لمبےسفرپربلامحرم کے نہیں جاسکتی چاہےحج کاسفر ہی کیوں نہ ہو۔چھوٹے اور تھوڑے سفرکے لیے بھی محرم کاہونا اچھا ہے۔[1]

یہودیت :عورت بلامحرم کے بھی سفرکرسکتی ہےاوریہ بات مانی جاتی ہے کہ وہ خودلپنی حفاظت کر لے گی۔

کثرت ازواج

یہودیت: یہودیت کے مطابق پہلا قول تو یہ ہے کہ ازواج کی کثرت کی کوئی تحدید نہیں۔ دوسرا قول صرف چار تک کا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی کو طلاق دینا ضروری ہے۔ چوتھا قول زمانہ ہذا میں یورپ اور امریکہ سے متاثر ہوکر یہودیوں نے ظاہری طورپر کثرت ازواج کے سلسلہ کو بند کردیا ہے۔

اسلام: اسلامی تعلیمات کے مطابق نبی اکرم ﷺ کےعلاوہ عام مسلمانوں کے لیے صرف چار عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔اسی ضمن میں ارشادباری تعالیٰ ہے:

([1]) اسلامی فقہ: باب الحج

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾ [1]

(اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں نکاح کر دیا کرو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے۔)

مرد اور عورت کا ساتھ

یہودیت: یہودیت میں ایام حیض کے علاوہ مزید سات روز تک وہ اپنی بیوی کے ساتھ بستر میں شرکت نہیں کر سکتا۔

اسلام: مرد اپنی عورت کے ساتھ ایام حیض و نفاس کے علاوہ کسی وقت بھی اسکے بستر پر جاسکتا ہے۔

جنسی معاملات

یہودیت: یہودیت میں جنسی معاملات کا تذکرہ کرنا جائز نہیں۔

اسلام: اسلام میں مرد اپنی عورت کے ساتھ جنسی معاملات کا تذکرہ کر سکتا ہے۔

ختنہ

اسلام: اسلامی تعلیمات کے مطابق ختنہ ایک ایسا سنت عمل ہے، جس کو ملت ابراہیمی سے ملت اسلامیہ میں قبول کرتے ہوئے سنت کا درجہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ کتاب تخلیق کے مطابق ۹۹ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔

یہودیت: یہودیت میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ صدیوں بعد تک ختنہ رائج تھی؛ لیکن عیسائیت کے اثر و رسوخ بڑھنے کی وجہ سے سینٹ پال کے بعد ختنہ پر پابندی لگادی گئی، اس لیے آج یہود میں بھی یہ سنت ابراہیمی مفقود ہوگئی ہے۔(رسولوں کے اعمال، عہدنامہ جدید)

([1])النساء:۳/۴

مسیحی اور اسلامی تعلیمات میں خاندانی نظام کے مشترکات ومختلفات

مسیحیت بھی یہودیت کی طرح ایک الہامی مذہب ہےجس کی بنیاد وحی الٰہی پر رکھی گئی ہے۔نیز مسیحیت ،یہودیت ہی کی تکمیل ہے۔اسکےباوجود تحریفات کی وجہ سےبعض معاملات میں اختلاف موجود پایاجاتاہے۔ مسیحیت بھی چونکہ بنیادی طورپر ایک الہامی مذہب ہے اس لیے اس میں بہت سارے ایسے معاملات واحکام موجود ہیں جن میں اسلامی تعلیمات واحکام کےساتھ مماثلت اور یگانگت پائی جاتی ہے۔ذیل میں اسی مماثلت ویگانگت کو مشترکات کی مد میں پیش کیاجاتاہے:

مذہب:

مسیحیت:الہامی مذہب

اسلام:الہامی مذہب

مقدس کتب:

مسیحیت: مسیحیت کی سب سے مقدس ترین کتاب انجیل ہے جس میں کئی بار تحریف ہوچکی ہے۔اس تحریف کا اعتراف خود مسیحی علماءبارہا کرچکےہیں۔موجودہ دنیا میں انجیل کا اصل نسخہ تو کہیں نہیں ملتا ،اسوقت صرف اس کے مختلف زبانوں میں تراجم ملتے ہیں جن میں کافی حدتک مخالفت موجودہے۔

اسلام: اسلام کی سب سے اوّل اور سب سے عظیم کتاب یعنی قرآن کریم ہر طرح کی تحریف اور کمی و بیشی سے محفوظ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود لیا۔اسی حفاظت قرآن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[1]

مذکورہ فرمان الٰہی کی روشنی میں قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے اور جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ خود لے اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل ممکن نہیں۔اسی لیے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قرآن مجید ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ مسیحیت اور اسلام میں پہلی مشترکہ بات یہ ہے کہ یہ دونوں الہامی مذاہب ہیں دونوں کی تعلیمات الہامی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ مسیحیت کی مقدس کتاب انجیل میں موجودہ وقت میں کافی تحریف ہوچکی ہے جبکہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجیدمیں نہ آج تک کوئی کسی قسم کی تحریف کرسکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کسی کو اس میں تحریف اور تغیر وتبدل کرنے کی ہمت نہیں ہوسکتی۔اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مقدس لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں حفظ کی صورت محفوظ ہے۔

([1]) الحجر: ۹/۱

تلاوت:

مسیحیت: ہر مسیح پر انجیل کی تلاوت لازم ہے۔

اسلام: ہر مسلمان پر قرآن مجید کی تلاوت وتعلیم لازم ہے۔

چونکہ انجیل وقرآن دونوں الہامی کتابیں ہیں لہذا دونوں کی تلاوت کارثواب ہے۔تاہم آغاز اسلام اور نزول قرآن کے بعداب تورات کی طرح انجیل مقدس کی تلاوت اور اس پر عمل کرنا منسوخ ہوچکا ہے۔موجودہ وقت میں کامیابی کی ضمانت صرف اور صرف دین اسلام کی پیروی کرنے میں ہے۔

پردہ:

مسیحیت: عورتوں پرپردہ لازم ہے۔

مسیحیت میں پردے(حجاب)کاتصوراسلام کی طرح سختی سے لازم نہیں،لیکن بائبل میں خواتین کے لباس اور شرم وحیاکے اصولوں پرزوردیاگیاہے۔پردے کامعاملہ مختلف مسیحی فرقوں اور ثقافتوں میں مختلف طریقوں سے دیکھاجاتاہے۔تاہم بائبل میں پردے کاذکر موجودہے۔مثلا:

عورت کودعایاعبادت کے دوران اپناسر ڈھانپناچاہیے،کیونکہ اگروہ ایسانہ کرے تویہ اس کے لیے بے حرمتی کے مترادف ہوگا۔[1]

ابتدائی عیسائی خواتین رومی اور یہودی ثقافتوں کے زیر اثر زیادہ تر اپنے سروں کو ڈھانپتی تھیں۔قرون وسطیٰ میں یورپ میں بھی خواتین حجاب یاسر پر اسکارف لیناعام تھا، خاص طور پر نَنز(راہبائیں)کے لیے۔

اسلام: عورتوں پر پردہ لازم ہے۔

دونوں مذاہب میں پردہ ایک ایسی مشترک چیز ہے جس کے ذریعے فتنہ وفساد کا دروازہ کھلنے سے پہلے ہی بند کیاجاسکتاہے۔یہی وجہ ہے دونوں مذاہب میں پردے کو بنیادی اور اولین احکامات میں رکھا گیاہے۔

مسیحیت:کتاب مقدس کی اصلی تعلیمات کے مطابق مسیحیت میں بھی قتل ،زناورچوری کی ممانعت موجودہے۔اور ان جرائم پر باقاعدہ سزائیں بھی متعین کی گئیں اگرچہ آج کی مسیحی برادری ان سزاؤں کا انکار کرتی ہے۔مثلاقتل کے بدلے قتل کی سزا تھی جو حقیقی تعلیمات کے مطابق رائج بھی تھی۔

نیز بائبل مقدس میں ہے:"اگر کوئی شخص کسی کو مار دے اور وہ مر جائے تو قاتل کو قتل کر دینا چاہیے"۔[2]

([1])کرنتھیوں:۱۱:۶،۵

([2]) گنتی باب ۲۵

کتاب گنتی کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مقدس میں بھی قصاص کا تصور موجود ہے۔جو شخص کسی کو جان بوجھ کے قتل کر دے اس کو قتل کرنے کا ہی حکم ملتا ہے۔مسیحیت کی حقیقی تعلیمات میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسانی جان ایک قیمتی چیز ہے اس کوضائع ہونے سے بچایا جائے اور اس کے لیے ہر ممکن طریقہ بروئے کارلایاجاناچاہیے۔

"یسوع مسیح نے تو یہاں تک کہا ہے کہ "اگلوں سے کہا گیا تھا کہ تو خون نہ کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر برا ارادہ بھی کر لیا تو یہ خون کرنا ہے۔سو ایسا کرنا خدا کو نفرت دلاتا ہے"۔[1]

تاہم موجودہ دورمیں یورپی قانون کے مطابق قصاص کو ایک قسم کا جرم قرقردیاگیاہےجس کی وجہ سے سزائے موت پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔جیساکہدرج ذیل بیان سے بالکل واضح ہے:"موجودہ عیسائی عقیدے کے مطابق انسان جتنے چاہے گناہ کرتاپھرے،اس کے ازالے کےلیےاگر وہ پادری کے سامنے گر جامیں جا کر گناہ کااعتراف کر لےتواس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی لوگ دن رات خوب گناہ کرتے ہیں اور ہر اتوار کو پادری کو چند پونڈ نذرانے کے طور پر دے کر گناہ کا اعتراف کر لیتے ہیں۔پادری انھیں انجیل پر ہاتھ رکھ کر یہ یقین دلاتا ہے کہ ان کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے لہذا وہ چرچ سے واپس آ کر نئے سرے سے گناہ شروع کر دیتے ہیں"۔ (2)

موجودہ اور قدیمی قانون کا یہی تضاد ہمارے اس دعوے کی تائید کرتاہے کہ اسلام کے علاوہ دیگر ادیان الہیہ میں تحریف واقع ہوچکی ہے۔

اسلام: قتل، زناورچوری کی سزابطورحد مقرر ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ان تمام جرائم کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور ان جرائم کو قاضی یا عدالت کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ ان کے لیے ان سزاؤں کا تعین کیا گیا ہے جو حدود اللہ کہلاتی ہیں،جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی ۔مثلا اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہےجیساکہ ارشاد بدی تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ [3](چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹو)

اسی طرح دین اسلام میں قتل وغارت کی روک تھام کے لیے قصاص کاتصور پیش کیاگیاہے۔جس کو قرآن مجیدمیں بیان کیاہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾[4]

([1]) قاموس الوعظ۔جلد اول۔پادری اسلم برکت۔ایم۔اے۔ایم۔ڈیو۔نارووال۔سن اشاعت ۲۰۱۷ء،ص: ۸۰۸

([2]) حدود کی حکمت،نفاذ اور تقاضے،ام عبد منیب، ۲۵،مشربہ علم وحکمت،ندیم ٹاون،ڈاکخانہ،اعوان ٹاون لاہور

([3]) المائدۃ::۳۸/۵

([4]) البقرۃ::۱۷۸/۲

(اے ایمان والو! قتل کے متعلق تم پر قصاص فرض کیا گیا)

نیز انسانی جان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْفَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾[1]

(جس شخص نے ناحق یا زمین میں فساد برپا کرنے کی غرض سے کسی ایک جانکو قتل کیا گویا اس نے تمام انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی ایک جان کو بچایا گویا س نے تمام انسانیت کو بچایا)

اسی طرح شریعت اسلامیہ کے مطابق زنا کی سزا ۱۰۰ کوڑے مقرر کی گئی ہے۔جیساکہ سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾[2]

(زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنےوالی عورت کو ۱۰۰ کوڑے لگائے جائیں۔)

قربانی:

مسیحیت: جانور کی قربانی جائزہے۔لیکن ان کے ہاں اس کے جواز کی عجیب منطق پائی جاتی ہےجوکہ یہ ہے کہ "خدا گناہوں کی عارضی اور غیر مستقل معافی مہیا کرنے کے لیے اور یسوع مسیح کی کامل اور مکمل قربانی کی تصویر کشی کےلیے جانوروں

کی قربانیوں کا مطالبہ کرتا تھا۔"[3]

مسیحی عقائد کے مطابق گنہگار کے گناہ کی تلافی کی مد میں جانور کی قربانی کی جاتی تھی جوکہ ایک عارضی عوض تھا۔ یسوع مسیح کی قربانی کے ساتھ ہی تمام جانوروں کی قربانیوں کا سلسلہ ختم چکا ہے ۔ یسوع مسیح ایک ہی بار ہمیشہ کے لیے کامل عوضی بنا اور اِس لیے وہ خدا اور بنی نو ع انسان کے بیچ واحد درمیانی ہے۔[4]

اس عقیدے کے مطابق جانور کی قربانی مذہبی فریضے کی بجائے گنہگار کے گناہ کی تلافی کی مد میں دی جاتی تھی جو کہ ایک عارضی عوض تھا۔لیکن بعد میں جب یسوع مسیح کی قربانی تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بن گئی تو اب اسکی ضرورت باقی نہیں رہی۔جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق قربانی باقاعدہ طور پر ایک مذہبی فرئضہ ہے جوحضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کے طور پر قیامت تک سرانجام دیاجاتا رہے گا۔

([1]) المائدۃ::۳۲/۵

([2]) البقرۃ::۱۷۸/۲

([3]) احبار:۳۵/۴

([4]) ا۔تیمتھیس:۵/۲

اسلام:اسلامی تعلیمات کے مطابق قربانی ایک مذہبی فرئضہ ہے جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہاالسلام کی یادگار کے طور پر منایاجاتاہے۔

نماز روزہ:

مسیحیت: نماز اورروزہ کاتصورموجود ہےلیکن لازم نہیں ہے۔مسیحی عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی پوری مسیحیت کے گناہوں کا کفارہ ہے اس لیے مسیحیت میں نماز اور روزہ کا تصور ہونے کا باوجود اس کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔

اسلام: اسلامی تعلیمات کی رروشنی میں نمازاور روزہ ہر مسلمان ،عاقل اور بالغ پر فرض ہے۔جس کی تاکید قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بادبار کی گئی ہے۔قرآن مجید میں نماز کا تاکیدی حکم سات سو سے زیادہ بارآیاہے۔

شادی:

مسیحیت: شادی ضروری نہیں ہتاہم شادی کرنےکی اجازت موجودہے۔بعض مسیح لوگ شادی کی بجائے رہبانیت کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کو بہتر سمجھتے ہیں۔رہبانیت سے مراد معاملات زندگی سے الگ تھلگ ہوکر عبادت الٰہی میں مشغول ہوجاناہے جو کہ مسیحیت میں ایک پسندیدہ عمل ہے۔

اسلام:اسلامی تعلیمات میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے۔اسی ضمن میں فرمان رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ))[1]

اسلام میں رہبانیت کی بجائے شادی کی تلقین کی گئی ہے اوراس عمل کو سنت نبوی قراردیا گیاہے۔کنیز شادی کوجنسی تسکین کا ذریعہ قراردیاگیاہے۔

نکاح:

مسیحیت: مردوعورت دونوں کا مسیح ہوناضروری ہے،غیر مسیح سے شادی جائز نہیں۔

اسلام: اسلامی تعلیمات کے مطابق مشروط طورپرمرد کےلیے کسی کتابی(عیسائی/یہودی) سےنکاح کرناجائزہے۔ اوروہ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے اصلی مذہب پر رہے۔

نکاح خواں:

مسیحیت:نکاح پادری(مذہبی پیشوا)کا پڑھانا ہی لازمی امر ہےکسی اور کے لیے نکاح پڑھانا جائزنہیں ہے۔

([1]) سیوطی،عبدالغنی،فخر الحسن دہلوی،شرح سنن ابن ماجہ،باب الجوامع من الدعاء إلى الجامعة لخير الدنيا والآخرة،ح،۱،۲۸۹/۴۰۱۰

اسلام: عموما نکاح خواں نکاح پڑھاتاہےویسے کوئی بھی شخص جو عائلی مسائل سے واقف ہو وہ نکاح پڑھانے کا اہل سمجھاجاتاہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی مذہبی پیشوا کا نکاح پڑھانا ضروری نہیں ہے۔

لڑکی کی رضامندی:

مسیحیت: شادی کے لیے لڑکی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسلام: شادی کے لیے لڑکی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔

جبری شادی:

مسیحیت: جبری شادی منع ہے۔

اسلام: جبری شادی کی کوئی گنجائش نہیں۔

گویاشادی میں باہمی رضامندی اورجبری شادی کی ممانعت مسیحیت اوراسلام دونوں میں مشترک ہے۔

شادی کی حیثیت:

مسیحیت: شادی ایک تحریری معاہدے کا نام ہے جس کومذہبی پیشوا سرانجام دیتاہے۔

اسلام: شادی ایک تحریری معاہدےکا نام ہے،جس کو کوئی بھی صاحب علم (جو عائلی معاملات سے باخبرہو)سرانجام دے سکتاہے۔

عورت کی تعظیم:

مسیحیت: عورتوں کی تکریم،بیویوں کی عزت کی تعلیم عیسوی شریعت کاجزہے۔

اسلام: اسلامی تعلیمات کے مطابق عورتوں کی تعظیم مذہبی تعلیم کا حصہ ہے۔

نان نفقہ:

مسیحیت: نان نفقہ کاذمہ دارمرد ہے۔

اسلام: نان نفقہ شرعی طورپرشوہر کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

حیض ونفاس میں جماع:

مسیحیت: ناپاکی کی حالت میں عورت سے جماع منع ہے۔زمانہ جاہلیت میں حیض و نفاس والی عورت کا کھانا پینا اور کھانے پینے کے برتن تک الگ کر دیئے جاتے ہیں۔

اسلام: ناپاکی(حیض ونفاس)کی حالت میں شرعاعورت سے ملنامنع ہے۔چونکہ حیض ونفاس ایک قسم کی بیماری ہے جس کےدوران عورت تکلیف میں ہوتی ہے۔نیز اس حالت میں عورت سے دوررہنے کا تاکیدی حکم قرآن مجید میں بھی موجود ہے:جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾[1]

(لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیض کے متعلق سوال کرتےہیں ،آپ فرمادیجئے کہ یہ ایک تکلیف ہے لہذا حیض کے دنوں میں عورتوں سے دور رہو)

ان ایام میں عورتوں سے دور رہنے کا حکم ضرور ہے تاہم ان سے بالکل ہی کنارہ کشی اختیار کرلینا،ان کے کھانے پینے کے برتن الگ کردینا دین اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔

طلاق:

مسیحیت:طلاق شرعی طورپر جائز ہے لیکن معیوب فعل ہے۔

اسلام:جائز کاموں میں سب سے زیادہ قبیح عمل ہے۔ارشاد نبوی ہے:

((مَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْئًا عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلاَقِ))[2]

(اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے قبیح کوئی چیز نہیں پیدا کی)

حق طلاق:

مسیحیت:طلاق کا اختیار مرد کے پاس ہے۔

اسلام: طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾[3]

حق مہر:

مسیحیت:حق مہر شرعی حکم ہے۔

اسلام:حق مہر سنت رسول ﷺ،لازمی جز اور شرعی حکم ہے۔حق مہر عورت کا حق ہے جوہرحالت میں ادا کرناہوتاہے۔اسکے بغیر عورت چاہے تومرد کو روک سکتی ہے۔

محرمات:

مسیحیت:محرمات سے شادی منع ہے۔

اسلام:شرعی طور پر محرمات سے شادی حرام ہے۔

([1]) البقرۃ:۲/۲۲۲

([2]) بیہقی،سنن کبری،کتاب الخلع والطلاق، باب الِاسْتِثْنَاءِ فِي الطَّلَاقِ وَالْعِتْقِ،ح:۱۵۵۱۷،۷/۳۶۱

([3]) البقرۃ:۲/۲۳۷

مرد کی حاکمیت:

مسیحیت: مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

اسلام: مرد عورتوں کے حاکم ہیں۔

عائلی نظام:

مسیحیت: عائلی نظام کا تصور موجود ہے لیکن کمزور تر۔

اسلام :ایک مضبوط عائلی نظام کا حامل دین ہے۔

میاں بیوی:

مسیحیت: میاں بیوی ایک دوسرے کا لازمی جز ہیں۔

اسلام: میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس کی مانند ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [1]

حقوق کا تعین:

مسیحیت: عیسائیت میں مرد وزن کے الگ الگ حقوق متعین ہیں۔

اسلام: اسلام میں مرد وزن کے حقوق الگ الگ متعین ہیں۔

بناؤ سنگھار:

مسیحیت: بناؤ سنگھار عورت کا شرعی حق ہے۔

اسلام: اسلامی تعلیمات کے مطابق عورتوں کو اپنے شوہروں کے لیے بناؤ سنگھار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور غیر مردوں کے سامنے بناؤ سنگار کرنے کی ممانعت بھی موجود ہے۔

([1]) البقرۃ:۲/۲۳۷

فصل دوم: الہامی تعلیمات کی روشنی میں خاندانی نظام کودرپیش مسائل کا حل

اصلاح کے میدان میں معاشرے کی تعمیر سے پہلے فرد کی تعمیر کا اہتمام کیاجانا اہم ترین ترجیحات میں سے ایک ہے ۔ دوسرے الفاظ میں نظام اور اداروں میں انقلاب سے پہلے فرد میں انقلاب لانا ضروری ہے۔اوریہ حقیقت قرآن میں بالکل واضح الفاظ میں بیان کردی گئی، جس نے فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ کسی بھی انقلاب کے لیے نفس کی تبدیلی ضروری ہے۔ ارشادربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾[1]

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی)

مذکورہ آیت ہر اصلاح، ہر تبدیلی اور ہر اجتماعی تعمیر کی بنیاد ہے۔ پوری عمارت میں فردکو بنیادکی سی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے آغاز یہیں سے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک اچھی اوربوسیدہ اور خراب اینٹوں سے کسی مضبوط عمارت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

معاشرے کی دیوار میں فرد سب سے پہلی اینٹ ہے۔ اس وجہ سے فرد کی اصلاح اور اس کی ایک حقیقی مسلمان کے طور پر کامل اسلامی تربیت کے لیے جو بھی کوششیں کی جائیں اس کو دوسری چیزوں پر ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ یہ ہر قسم کی اصلاح اور تعمیر کے لیے ایک ضروری تمہید ہے اور اسی کا مطلب نفس کی تبدیلی ہے۔

انسان کی ایک صالح فرد کے طور پر تعمیرمیں انبیاءکرام علیہم السلام نے اپنا کردار بخوبی اپنایا، ان کے بعد ان کے خلفاء اور وارثین بھی اسی ذمہ داری پر مامور ہیں۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عقلکی اصلاح کےذریعےسے انسان کی صحیح تربیت کے لیے سب سے پہلے اس کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے۔ یہ عقیدہ دنیا کے بارے میں اور خود انسان کے بارے میں اس کے نظریے کو درست کردیتا ہے، زندگی کے بارے میں اور اس کے رب کے بارے میں اس کے نظریے کی تصحیح کرتا ہے جو اس کا خالق ہے، جس نے اسے زندگی بخشی ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو اس کے آغاز اور انجام کے بارے میں خبردار کرتا ہے۔ یہ انہیں ان سوالات کا جواب دیتا ہے، جو بے دین لوگوں کو ہر وقت پریشان کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں کون ہوں؟ میں کہاں سے آیا؟ اور مجھے کہاں جانا ہے؟ میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ زندگی اور موت کیا ہیں؟ زندگی سے پہلے کیا تھا؟ اور موت کے بعد کیا ہوگا؟ زمین کے اس سیارے میں سمجھ بوجھ کی عمر سے لے کر مرنے تک میرا کیا پیغام ہے؟ان سب سوالوں کے جوابات گویا ایک مسلمان کوایمان مفصل اورایمان مجمل کی صورت میں گھٹی میں ہی سکھادیئےجاتے ہیں۔

([1]) الرعد:۱۱/۱۳

ایمان ایک ایسی کسوٹی ہے کہ جس کی بنیاد پرزندگی کا ایک ہدف، اس کی ایک قیمت اور ایک معنی متعین ہوجاتا ہے۔ اس ایمان کے بغیر انسان عالمِ وجود کا ایک حیران و پریشان ذرّہ یا ایک بے وقعت مادہ ہے۔ نہ حجم کے لحاظ سے یہ اس عظیم کائنات کے بڑے مجموعوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ عمر کے لحاظ سے، یہ جیالوجی کے لمبے لمبے زمانوں اور مستقبل کے کبھی نہ ختم ہونےوالے ادوار کے مقابلے میں کوئی وقعت رکھتا ہے۔ نہ اس کے پاس وہ قدرت ہے جس کے ذریعے وہ کائنات میں وقوع پذیر ہونےوالے حوادث کا مقابلہ کر سکے جو ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے درپیش آتے رہتے ہیں۔جیسے زلزلے، آسمانی بجلیاں، آندھی اور طوفان اور سیلاب جو ہر چیز کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور بہت سوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ مگر انسان اس کے سامنے عاجز ہو کرخاموش تماشائی بنا بیٹھا رہ جاتا ہے، باوجود یہ کہ اس وقت انسان کے پاس سائنس ہے، ارادہ ہے اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ہے۔

ایمان ہمیشہ نجات کے لیے طاقت و قدرت ثابت ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان کو اندر سے تبدیل کرتےہوئے اس کے باطن کی اصلاح ممکن ہو سکتی ہے۔ کیونکہ انسانوں کوجانوروں کی طرح نہیں چلایا جاسکتا۔ اسی طرح انسان کو اس انداز میں ڈھالا بھی نہیں جاسکتا جیسا کہ لوہے، تانبے یا چاندی وغیرہ سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

ایمان ایک ایسی کیفیت کانام ہے جوانسان کی عقل اور دل میں تحرک پیدا کر دیتی ہے۔ پھر جب اسے قانع کیا جاتا ہے تو وہ قانع ہوتا ہے اور جب اسے ہدایت دی جاتی ہے تو یہ ہدایت لیتا ہے۔ جب اسے ترغیب و ترہیب کی جاتی ہے تو اس پر ترغیب و ترہیب کا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ ایمان ہی ہے جو انسان میں حرکت پیدا کرتا ہے، اس کا رُخ سیدھا رکھتا ہے اور اس کے اندر عظیم صلاحیتیں پیدا کرتا ہے، جو اس کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں۔

بلکہ وہ اسے ایک نیا جنم دینےکےساتھ ساتھ اس کے اندر ایک نئی روح پھونک دیتا ہے۔ اسے نئی عقل، نیا عزم اور نیا فلسفہ دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام اور فرعون کے جادوگروں کا واقعہ موجودہے کہ جب وہ حضرت موسیٰ کا مقابلے نہ کرسکے توان کے رب پر ایمان لے آئے تو انہوں نے فرعون کے جبر و تکبر کو چیلنج کرتے ہوئے بڑی جرأت و شجاعت کے ساتھ اس سے کہا:

﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ [1]

(تو جو کچھ کرنا چاہے کرلے، تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے)

([1]) طٰہٰ:۲۰/۷۲

اسی طرح ہم نے نبی پاکؐ کے صحابہ میں بھی یہ شان دیکھی۔ ان کو ان کا ایمان جاہلیت سے اسلام کی طرف لایا۔ انہیں بتوں کی عبادت اور رِعَایَۃ الْغَنَمْ (بکریاں چَرانے) کے بجائے رِعَایَۃ الْاُمم (قوموں کی قیادت کرنے) کا مقام عطا کیا۔ وہ انسانیت کو اللہ کی ہدایت کی طرف دعوت دیتے رہے اور انہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالتے رہے۔

نبیﷺ نے مکہ میں ۱۳سال گزارے۔ اس دوران آپؐ کی ساری جدوجہد اسی بنیاد پر تھی اور دعوت و تبلیغ کا سارا دارومدار اسی پر تھا کہ پہلی مسلمان نسل کو ایمان کے ذریعے تربیت دی جائے۔

اس پورے مکی دور میں معاشرے کی اصلاح کے لیے کسی قسم کے قوانین نازل نہیں ہوئے، نیز لوگوں کے گھریلو اور معاشرتی تعلقات کو منضبط کرنے والے یا باغیوں کو راہ راست پر لانے والے قانون واحکام نازل نہیں ہوئے۔ اس عرصے میں قرآن اور رسول کے ذریعے صرف انسان کی تربیت کا اہتمام کیا گیا۔ اس تربیت اور تنظیم کا مقصد یہ تھا کہ اس کے بعد وہ پورے جہان کی تربیت اور تنظیم کرے۔

اس میں دارارقم بھی اپنی ذمہ داری انجام دے رہا تھا۔ اور قرآن پاک جو رسول اللہﷺ پر واقعات وحالات کے مطابق بتدریج نازل ہو رہا تھا.. تاکہ وہ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کے پڑھ کر سنائیں، اس پر ان کا دل بھی جما رہے اور ان لوگوں کا بھی جو اس پر ایمان لاچکے ہیں، اور اس کے ذریعے مشرکین کے ان سوالات کا جواب دیں اور ان کے خیالات پر تنقید کریں.. وہ بھی اس مومن جماعت کی تربیت اور اس کے حسن کردار اور پختگی رفتار میں اپنا عظیم کردار ادا کر رہا تھا۔اسی ضمن میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا﴾ [1]

•اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ہے، تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سنائو، اور اسے ہم نے (موقع موقع سے) بتدریج اُتارا ہے)

نیز سورۃ الفرقان میں ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً﴾[2]

''منکرین کہتے ہیں، اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اُتار دیا گیا؟''

([1]) الاسرا:۱۷/۱۰۶

([2]) الاسرا:۱۷/۳۲

ہاں، ایسا اس لیے کیا گیا کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے۔

اصلاح فرد کے تناظر میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کے مقاصد میں اگر غور اور فکر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے بعثت کا مقصد معاشرے کے افراد کی اخلاقی تربیت کرنا نیز معاملات کی خرابیوں کو دور کرنا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ اور تول میں کمی کرنے کی عادی تھی ،جس کے سدباب کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو خطاب کرکے فرمایا:

﴿يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلاَ تَنقُصُواْ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ﴾[1]

(یعنی اللہ اکیلے کی عبادت کرو جس کا کوئی مثل نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بے حیائی اور بدفعلی میں مبتلا تھی اور ان کو اس عمل بد سے نکالنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قرآن مجید نے حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو خطاب ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

﴿أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ﴾[2]

(کیا تم جہان والوں کے مردوں برائی کرتے ہو اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے جو عورتیں پیدا فرمائی ہیں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم تو حد سے تجاوز کرنے والے افراد میں ہو۔)

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر امتوں میں طے کردہ عبادت اور عقیدہ کو دین کہا گیا ہے لیکن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دین صرف ان پہلوں کو نہیں بلکہ زندگی کے تمام پہلو مثلا معاملات ،عبادات، معاشرت ،اخلاق ، آداب ، عقلئد وغیرہ سب کو شامل ہے۔اصلاح فرد اور اصلاح معاشرہ کی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید میں ان مذکورہ امور کے متعلق بدبار توجہ دلائی گئی ہے۔ ان میں سے سورۃ الحجرات ، سورت لقمان، سورت بنی اسرائیل سورت نساء ، سورۃ طلاق میں متعدد اخلاقی اور اجتماعی آداب اور اخلاق حسنہ سے مزین ہونے کی دعوت دیتےہوئےاصلاح فرد کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ بھی کی گئی ہے۔

مولانا محمد رابع ندوی "اصلاح معاشرہ "کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

([1]) ہود:۸/۱۱

([2]) الشعراء:۲۶/۱۶۶،۱۶۵

"اجتماعی زندگی اور انفرادی اخلاق اور اہل تعلق کے حقوق اور انسانی خصوصیات کا بہتر طریقہ اختیار کرنے سے جو معاشرہ وجود میں آتا ہے وہ بلند کردار انسانی معاشرہ بنتا ہے۔ جس میں سب کو راحت حاصل ہوتی ہے اور ہمدردی اور آپس کا تعاون اور اخلاقی برتاؤ اور خیر پسندی کی صفات عمل میں آتی ہیں۔"[1]

ہمارے معاشرے میں بھی یہ دو برائیاں یعنی ایک مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور دوسری بے حیائی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں۔ یہ دو بیماریاں دوسری ہزاروں برائیوں سود، جھوٹ ، رشوت ، وعدہ خلافی ، بد عہدی ، حلق تلفی ،قتل و غارت گری وغیرہ کا سبب ہیں۔قرآن مجید نے ان دونوں برائیوں کو پرزور انداز سے منع فرمایاہے،قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ﴾"[2]

(جولوگ ایمان والوں میں بدکاری کا پھیلاناپسند کرتےہیں ان کے لیےدردناک عذاب ہےدنیااورآخرت میں)

اس طرح اسلام مال کی محبت سے روکتا ہے اور اس میں غلو کرنے اور زیادہ مال جمع کرنے کی حرص کی مذمت فرماتا ہے ،البتہ ضرورت کے بقدر مال حاصل کرکے اس کے حقوق ادا کرنا اس سے مستثنی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[3]

(جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں نہیں خرچ کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ)

سماجی زندگی کی اصلاح میں آپ ﷺ کی تعلیمات:

اسلامی تعلیمات معاشرے کے ہر ایک فرد کو اپنے حقوق اور ذمہ داریاں ادا کرنے کا حکم دیتی ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته الإمام راع ومسئول عن رعيته والرجل راع في أهله وهو مسئول عن رعيته والمرأة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها والخادم راع في مال سيده ومسئول عن رعيته قال وحسبت أن قد قال والرجل راع في مال أبيه ومسئول عن رعيته وكلكم راع ومسئول عن رعيته))[1]

([1]) ندوی ،بلال عبدالحہ حسینی: اصلاح معاشرہ سورہ حجرات کی روشنی میں ، رائے بریلی سعید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات ، طبع اول 1430ھ، ص 9

([2]) النور:۲۴/۲۰

([3]) التوبۃ:۹/۳۴

([1]) بخاري، محمد بن إسماعيل : صحيح البخاری ،كتاب الجمعة،باب الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى وَالْمُدُنِ ،حدیث نمبر،ص:۲/۳۰۵

(مطلب کہ ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا امام سے رعیت کے بارے میں ، آدمی سے بیوی بچوں کے بارے میں، عورت سے گھر کے بارے میں ، خادم سے آقا کے مال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی)

اصلاح معاشرہ کے بارے مولانا شمشاد ندوی فرماتے ہیں:

"معاشرے میں جب ہرفرد، خاندان اپنی ذمہ داری احسن طریقہ سے پوری کریگا تو اس عمل سے پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئیگا، اس پاکیزہ معاشرہ میں نیکیوں کی رغبت، حوصلہ افزائی اور برائیوں،گناہوں سے نفرت وحوصلہ شکنی کا ماحول پایا جائے گا، پھر اچھی باتوں کی تلقین وترغیب اور بری باتوں سے نفرت اور دوری اس مثالی معاشرے کی پہچان بن جاتی ہے ۔"[1]

مولانا معین الدین ندوی فرماتے ہیں :

"مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے مسائل جن کو عائلی قوانین یا مسلم پرسنل لاء کہا جاتا ہے ، قرآن و حدیث میں دوسرے بہت سے احکامات کی طرح اس کو بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسے نکاح و طلاق کے متعلق احکام قرآن پاک کی پانچ سورتوں " بقرہ ، نساء، نور ،احزاب اور طلاق " وغیرہ کی متعدد آیات میں بیان کئے گئےہیں ، اور وہ احادیث صحیحہ جس میں مذکورہ احکام بتائے گئے ہیں ان کا شمار مشکل سے ہی ہو ، یہی حال وراثت کی تقسیم کا ہے ،افسوس کہ خود مسلمانوں ایک بڑا طبقہ ان مسائل سے ناواقف ہے۔"[2]

سماجی زندگی میں ایک کار گر اصول:

اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اہل ایمان کا شیوہ ہے لیکن بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ کس وقت یہ تبلیغ کرنا ضروری ہے اور کس وقت اس تبلیغ کرنے سے اصلاح کے بجائے فساد پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو برائی میں مبتلا دیکھے اور امید ہوکہ مخاطب بات کو مان لےگا اس وقت بات کہنا فرض ہے اور اگر اس کو اندیشہ ہو کہ مخاطب بات نہیں مانے گا بلکہ کہ وہ دین اور دین داروں کی مذاق اڑائیگا اس وقت امر بالمعروف فرض نہیں رہے گا۔مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں :

"جب بھی دوسرے سے دین کی بات کہنی ہو تو صحیح طریقے سے بات کہو ، پیار، محبت اور خیر خواہی سے بات کہو تاکہ اس کی دل شکنی کم سے کم ہو اوراس انداز سے کہو کہ اس کی سبکی نہ ہواور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو ۔شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ

([1]) ندوی، محمد شمشاد:اصلاح معاشرہ اوراسلام،ص۲۳

([2]) مدنی ،معین الدین اکرمی ندوی:اسلامی قانونِ معاشرت، بھٹکل کرناٹک مرکزی خلیفہ جماعت المسلمین،۱۴۲۵ھ،ص ۱۶

علیہ ایک جملہ فرمایا کرتے تھےجو میرے والد ماجدحضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار ہم نے سنا وہ یہ کہ حق بات حق طریقے اور حق نیت کے ساتھ جب بھی کہی جائے گی وہ کبھی نقصان دہ نہ ہوگی لہذا جب بھی تم دیکھو کہ بات کہنےکےنتیجے میں کہیں لڑائی جھگڑا ہوگیا یا نقصان ہو گیا یا فساد ہو گیا تو سمجھ لو کہ ان تین باتوں میں سے ضرور کوئی بات نہیں تھی،یا تو بات حق نہیں تھی اور خواہ مخواہ اس کو حق سمجھ لیا تھا یا بات تو حق تھی لیکن نیت درست نہیں تھی یا بات بھی حق تھی نیت بھی درست تھی لیکن طریقہ حق نہیں تھا۔"[1]

قرآن مجید میں دعوت کا عظیم اسلوب اورطریقہ کار بتایا گیا ہے ،چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[2]

(یعنی حکمت اور اچھی نصیحت کےساتھ انہیں اللہ کےراستےکی طرف بلاؤ اوران کو اچھے طریقے پر الزام دو)

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اورالزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو ۔

آیت مذکورہ کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

"ادع الی سبیل الخ سے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہئے، اس کے تین طریقے بتائے، حکمت، موعظتِ حسنہ، جدال بالتی ہی احسن ۔ حکمت سےمراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اٹل مضبوط دلائل وبراہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں، جن کو سن کر فہم وادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے ۔دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی ودماغی ترقیات وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ بھی تبدیل نہ کرسکیں۔موعظتِ حسنہ موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہوئی ہو۔اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے بسا اوقات پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں ۔ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جس کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے ، اس لیے "وجادلھم بالتی ھی احسن" فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی ،حق شناسائی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو ، اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔"[1]

([1]) ملتانی،محمداسحاق:معاشرتی حقوق وفرائض از افادات شیخ الاسلام حضرت مولانامفتی محمد تقی عثمانی،ملتان ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،محرم الحرام۱۴۲۶ھ،ص ۲۹۰

([2]) النحل:۱۲۵/۱۶

([1]) عثمانی، شبیر احمد :تفسیر عثمانی ، کراچی دارالاشاعت ، ص ۸۴۵،۸۴۴

آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اس طریقہ پر اپنی پوری زندگی عمل کیا اور امت کے لیے اپنے قول اور فعل سے اس کی وضاحت فرمائی۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی آدمی مسجد میں پیشاب کرنے لگے تو لوگ اس کی طرف دوڑے ، آپ ﷺ نےانلوگوں کو روکا اور ارشاد فرمایا "اِنما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین" یعنی تم آسانیاں پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو تنگی کرنے کے لیے نہیں۔ یعنی جو کام اس کو کرنا تھا وہ کر گذرا ، اس لیے اس کو چھوڑ دو۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو نہایت شفقت سے سمجھایا۔

اصلاح کی ابتدا کہاں سے ہو:

آج ہماری ایک کوتاہی یہ ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے ، جس کے لیے دوسروں کو ٹوکنے اور کوسنے کو ہی "اصلاح عظیم "سمجھا جاتاہے مگر اپنی ذات اور اپنے اخلاق سے غفلت ہوتی ہے۔ ہر ایک تحریر ،تقریر اور نصیحت دوسروں کے لیے ہوتی ہے ۔ ہر کسی کی خواہش ہوتی ہے کہ اصلاح کی ابتدا دوسرے کے گھر سے شروع ہو، رسم و رواج کے خلاف کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہو، حالانکہ اسلام اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم یہ ہے کہ اصلاح کی ابتدا اپنی ذات اور اپنے گھر سے ہو ۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

"یایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا"[1]

(اے ایمان والو خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔)

سورہ طہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾[2]

(اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو)

حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے حکم آیا:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾[3]

(اور ڈر سنادے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

([1]) سورۃ التحریم:٦٦/٦

([2]) سورۃ طہ،١٣٢/٢٠

([3]) سورۃ الشعراء:٢٢٤/٢٦

"خاندان کے لوگوں کی تخصیص کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں تبلیغ ودعوت کو آسان اورمؤثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا ہے،جس کے آثار دور رس ہیں قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو ان کی اخوت وامداد پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہےاور خاندانی جمعیت کے اعتبار سے بھی ان کی تائید پر مجبور ہوتے ہیں اور جب قریبی رشتہ داروں، عزیزوں کا ایک ماحول حق وصداقت کی بنیادوں پر تیار ہوگیا تو روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک کو دین کےاحکام پر عمل کرنےمیں بہت سہولت ہوجاتی ہے اورپھر ایک مختصر سی طاقت تیار ہوکر دوسروں کو دعوت وتبلیغ کرنے میں مدد دیتی ہے۔"[1]

ایک درست اسلامی معاشرہ کی ابتدا اور بنیا د کہاں سے شروع ہوتی ہے ، اور اس معاشرے کی کیا کیا خصوصیات ہیں اس کے بارے میں مولانا شمشاد ندوی صاحب فرماتے ہیں :

"جب عمدہ صفات ، اخلاق و کردار ، فکر و عقیدہ میں پاکیزگی اور درستگی آجائے اور بندہ کو عبادت اور ذکر سے لگاؤ وشغف پیدا ہو جائے تو اس کو "صالح فرد" کہا جائے گا اور ایسے صالح افراد سے متوازن و صالح خاندان و جود میں آتا ہے اور اس خاندان میں اسلامی تہذیب و تمدن ، بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت،عورتوں کے ساتھ حسن سلوک،اولاد اور خدام پر شفقت اور محبت اور ان کی صحیح تربیت سامنے آتی ہے۔ "[2]

اسلام میں خاندان کی ابتدا آسانی سے:

فضول خرچی کی وجہ سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور معاشی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے ۔وہ مال جو سماجی، رفاہی اور فلاحی کاموں میں استعمال ہونا ہوتا ہے وہ رشوت ، شادی برات اور جہیز وغیرہ کے نذر ہو جاتا ہے ۔ مشکوۃ شریف کی حدیث ہے:

((إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة))[3]

(سب سے بڑا نکاح برکت والا وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو)

علامہ سید ابو الحسن علی ندوی رح فرماتے ہیں :

"مسلمانوں میں اسراف کی جو وبا آئی ہوئی ہے، شادیوں اور دیگر تقریبات میں جس طرح اسراف و تبذیر جاری ہے، غیر اسلامی رسومات کی پابندی کی جارہی ہے وہ کسی بھی قوم و ملت کے لیے تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے ۔جس قوم کے لاکھوں لوگ جو کی روٹی کے محتاج ہوں

([1]) عثمانی ،محمد شفیع مفتی :معارف القرآن ،کراچی مکتبہ معارف القرآن ، ص۱۶۰/۶

([2]) ندوی ،محمد شمشاد بن محمد یونس ، ص ۲۲

([3]) التبريزي ،محمد بن عبد الله الخطيب: مشكاة المصابيح، بيروت المكتب الإسلامي، طبع ثالث،۱۴۰۵، ص۲۰۲/۲

اور ستر پوشی کے لباس سے عاری ہوں ، اہل ثروت اللہ کی عطا کردہ دولت کا بے جا استعمال کر رہے ہوں ، ایسی صورت میں اس قوم کا مستقبل کا کیا ہوگا؟"[1]

اس وقت ہرانسان کرنے کیانفرادی طورپرسب سے اہم اوربنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ ہرفرداپنی اصلاح کرےاور اس کے لیے ایک درست آغاز کرے۔ یہ اس طرح ممکن ہے فرد کی ناصرف ظاہری بلکہ حقیقی تعمیر کی جائے،اس کی عقل، روح، جسم اور اخلاق کی تعمیر۔ متوازن تعمیر، جس میں کمی بیشی نہ ہو۔ ایسی تعمیرعقلاً علم سے، روحاً عبادت سے، جسماً ورزش سے اور اخلاقاً فضائل سے ممکن بنائی جاسکتی ہے۔ نیزاسے عسکری طور پر سختی سے، معاشرتی طور پر میل جول سے اور سیاسی طور پر سمجھ داری کے ذریعے تربیت یافتہ بنایاجاسکتاہے۔ اس لیےاس کو بیک وقت دین اور دنیا دونوں کے لیے تیار کرناضروری ہوگا۔ وہ خود بھی نیک بنے اور دوسروں کی اصلاح بھی کرے، تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں نقصان سے بچے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ عصر میں فرماتا ہے:

﴿وَالْعَصْرِ۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[2]

(زمانے کی قسم! انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔)

اور یہ کام نظام کائنات کا ایک کُلّی تصور، زندگی کا ایک واضح فلسفہ، تہذیب و تمدن کا ایک مکمل منصوبہ پیش کیےجانےکےبغیر ممکن نہیں ہے، جس پر یہ امت ایمان رکھتی ہو اور ہمارے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس پر یقین کرنے، اس کی حکمتوں کے مطابق کام کرنے، اور اس کے منہج پر چلنے کی تربیت دیتی ہو۔ اور سارے ادارے: جامع مسجد اور یونیورسٹی، کتاب اور اخبار، ٹی وی اور ریڈیو اس پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ان میں سے ایک ادارہ مشرق کی طرف لے جائے اور دوسرا مغرب کی طرف اور ایک ادارہ کوئی ڈھانچہ بنائے اور دوسرا اسے منہدم کر دے۔ آجکل تو ہم پر کسی قدیم شاعر کی یہ بات صادق آتی ہے کہ:کیا وہ عمارت کبھی مکمل ہو سکے گی، جسے آپ تعمیر کرتے رہیں اور اور کوئی دوسرا اسے ڈھاتا رہے۔

خاندان کے استحکام کو زوال کا شکار کرنے والے عناصر :

اسلام میں خاندان کا استحکام اور اس کی بقاء کے لئے مکمل ہدایات فراہم کرتاہے،لیکن ان تمام ہدایات کے باوجودنظام کیوں کرغیر مستحکم ہوجاتاہے ؟

---

(1) ندوی ، محمد شمشادمولانا: اصلاح معاشرہ اور اسلام، ص ۳۴

(2) الاسرا:۱۔۱۰۳/۳

"زندگی کےاس شعبے میں جس قدر خرابیاں،نقائص اوربد مزگیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی وجہ اس کےسوا کچھ بھی نہیں کہ شادی کرنےوالا جوڑاپنے ازدواجی تعلقات ومعاملات میں حضرت محمدﷺ کےپیغام رحمت اور ان کے بتلائے ہوئے نقشوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو کر اپنی ماری تدی چلانے لگتا ہے جس کے نتائج دونوں یا ایک کی زندگی کے لئے تباہ کن اور وہ گھروں کی بربادی کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔"[1]

اسلام سے دوری کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہوا ہے کہ لوگوں نے اسلام کو محض چند عبادات تک ہی محدود کر لیا ہے باقی معاملات میں اسلام کو یکسر فراموش کر دیا ہے ، دوسرے معاملات کی طرح شادی بیاہ جیسے اہم معاملے میں بھی اسلام کی تفصیلی تعلیمات موجود ہیں جن کا نتیجہ ایک مضبوط خاندان کی صورت میں سامنے آتا ہے اور ان اسلامی تعلیمات سے اعراض کی صورت میں نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ خاندان کے بکھرنے میں عرصہ نہیں لگتا[2]۔

خاندان کی اہمیت اور مقام میں کمی :

باہم افراد کا مل جل کر رہنا ،ایک دوسرے کے دکھ درد میں خوشی میں شریک ہونا افراد کو سکون مہیا کرتا ہے ،آج دور جدید میں ماڈرن کہلانے کے چکر میں خاندان کے افراد کی ایک دوسرے سے دوری ،عدم توجہی کے رویے کی وجہ سے اس ادارے کو کمزور کردیا۔

مرد کا حاکمانہ رویہ :

ایسے خاندان جہاں پر میاں بیوی ،بچوں اور دیگر رشتوں کے اندر ربط تعلق ہم آہنگی اور خوشگواری کا فقدان ،خانگی فضاء سرگرمی ،جوش باہمی احترام ومحبت اور شفقت وپیار سے خالی ہے"ایسے گھرانے جہاں پر مرد کا آمرانہ رویہ ہے اور وہ اپنی رائے اور اپنے فیصلوں سے اختلاف کو سنگین جرم سمجھتا ہے اور ایسے مجرم کو خواہ وہ اس کی بیوی ہو یا بیٹی سخت سزا کا موجب گردانتا ہے یہ رجحان اسلامی اصولوں کے خلاف ہے ،اسلامی تعلیمات کے منافی اور خاندانی استحکام کو نقصان پہنچانے والا رویہ ہے۔

قوامیت کا ناجائز استعمال :

مرد کا بے جا رعب ودبدبہ بھی خاندان کے اندر دراڑیں ڈلنے کا سبب بنتا ہے۔

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾ [1]

([1])محمد عمر ،مسلمان خاوند اور مسلمان بیوی ،معارف اسلامیہ ،لاہور ،س ن، ص٦

([2]) شادیاں کیوں ناکام ہوتی ہیں ؟ماہنامہ بنات عائشہ کراچی ،نومبر د سمبر،٢٠٠٨ء،ص١٣٧

([1]) النساء:٣٤/٤

(وہ عورتیں جن سے تم کو نافرمانیا بغاوت کا اندیشہ ہو ان کو (پہلے) نصیحت کرو۔ اور(اگر نہ مانیں تو) ان کو بستروں میں تنہا چھوڑ دو۔ اور اگر (پھر بھی وہ نہ مانیں تو) ان کو ہلکی جسمانی سزا دو۔ پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو ان پر ظلم کرنے کے راستے مت تلاش کرو"بہت زیادہ سختی اوربے جا مار پیٹ سے منع کیا گیا ہے تاکہ گھریلو معاملات خراب نہ ہوں)

عورت کے بدلتے ہوئے کردار کی بنا پر خاندانی رشتوں کی شکست وریخت:

گھر عورت کے دم سے آباد ہے ،جب عورت نے گھر کی ذمہ داریوں سے فرار کی راہیں تلاش کی ہیں نہ صرف شوہر ،بچے اس کا پورا خاندان ہی تباہ نہیں ہوا بلکہ انسانی رشتے بھی اس کے بھینٹ چڑھ گئے ہیں:تحریک آزادی نسواں نے عورتوں کو مظلوم قرار دیتے ہوئے خاندان کی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ دکھائی ان عوامل کی بنا پر اب بچوں کی پرورش اور تربیت کے ادارے تباہکی طرف رواں دواں ہیں ،بچوں کا کوئی پرسان حال نہیں ،نئی نسلیں ماں باپ کے بغیر پل رہی ہیں قدیم اجتماعیتوں اور خاندانوں کا نظام ختم ہورہاہے۔[1]

عورت کی گھریلو ذمہ داریوں سے لا پرواہی :

خاندان کا استحکام عورت کے دم سے ہے کسب معاش کے نام پر جب عورت نے گھر کو چھوڑا تو شوہر ،بچے وہ خود ہی تباہ نہیں ہوئی بلکہ انسانی رشتے بھی اس ملازمت کی بھینٹ چڑ ھ گئے –عورت کو نام نہاد آزادی کے نام پر باہر نکالا گیا سویتیونین کے آخری صدر میخائل گورباچوف نے ایک کتاب :پروسٹرائیکا "لکھی ہے ،آج یہ کتاب ساری دنیا میں مشہور ہے اور شائع شدہ شکل میں موجود ہے اس کتاب میں گورباچوف نے عورتوں کے بارے میں (status of Women) کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے اس میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ :"مغرب سوسائٹی میں عورت کو گھر سے نکالا گیا اور اس کو باہرنکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کئے اور پیدا وار میں کچھ اضافہ تو ہو اہے لیکن خاندانی نظام تباہی سے دو چار ہو اہے ۔"[1]

زوجین کے انتخاب کا میعار :

زوجین میں سےہر کوئی ایک دوسرے کےاخلاق وکردارسےمتاثر ہوتا ہے اس لئےزوجین کے انتخاب میں دینداری اور تقویٰ کو

([1])ماہنامہ ا فکار معلم ، تنظیم منزل،لاہور جولائی،۲۰۰۷،ص۱۸

([1]) بحوالہ ماہنامہ محدث ،جے بلاک ماڈل ٹاؤن،لاہور،نومبر۲۰۰۴ء،ص۵۴

ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے نبی ﷺ نے حسب نسب ،مال وجمال اور دین میں سے دین کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔[1]

بے جوڑ رشتے اور جھوٹ ودھوکے پر مبنی رشتے خاندانی نظام کے ٹوٹنے کا باعث ہیں ،ڈاکٹر خالدہ ترین نے کہا کہ :اخلاق کردار اور اچھی شہرت کی بجائے دولت میعار بن گیا ہے جس کی وجہ سے مسائل کا سامنا ہے اور گھر ٹوٹنے لگے ہیں۔[2]بعض لوگ اپنی بیٹیوں کا رشتہ اس طرح کر دیتے ہیں جیسے بھیڑ بکریاں فروخت کی جا رہی ہوں اب بکری لینے والے کی مرضی ہے اسے گھاس کھلائے یا ذبح کردے ،کتنے ہی بے رحم اور ظالم ہوتے ہیں وہ ماں باپ جو اپنی بیٹی کا رشتہ نالائق اور بد فطرت انسان کے ساتھ صرف مالی لالچ اور مفادات کی خاطر کر دیتے ہیں ،پھر بیٹی کو دنیا میں ہی جہنم مل جاتی ہے ۔[3]

دیگر اقوام کے ساتھ معاشرت کے اثرات :

صدیوں سے ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بھی ہمارا خاندانی نظام اسلام نظام خاندان سے جدا طرز پر تشکیل پا گیا ہے۔غیر اسلامی تمدن کی وجہ سے مسلمانوں کے خاندانی معاملات میں نہ صرف بہت سے ایسے رسمیات اور واہمیات داخل ہوگئے ہیں جو اسلامی قانون ازدواج کے اصولوں اور اس کی روح کے خلاف ہیں بلکہ سرے سےاسلامی تصور خاندان محو ہو گیا ہے۔

یکساں ذات پر زور :

ایک مناسب رشتے کی تلاش کے وقت لوگ اکثر یکساں ذات کے شخص کو تلاش کرتے ہیں ،نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو شادی نہیں ہو پاتیا ہو جائے تو میاں بیوی باہم غیر موزوں جوڑا ہوتے ہیں اور نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے ۔

مادہ پرستی :

شادی کرتے وقت پیسہ اور مال ودولت کو میعار بنا یا جاتا ہے لڑکے والوں کی طرف سے بھی اور لڑکی والوں کی جانب سے بھی،دین اور مذہب کو کم ہی ترجیح دی جاتی ہے۔

بے جا توقعات:

ازدواج کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ بے جا توقعات ہیں جو کبھی والدین اپنی اولاد سے وابستہ کرلیتے ہیں اور کبھی خود بچے اپنی متوقع بیوبیا شوہر کے بارے میں فرض کرلیتے ہیں اور پھر انہی مفروضات کی بناء پر اپنے بچوں کے لئےیا اپنے لئے شوہر یا بیوی تلاش کرناچاہتے

([1]) ابو داؤد ،کتاب ا لنکاح ،باب مایو مربہ من تزویج ذات الدین

([2]) روزنامہ جھنگ،لاہور۱۳اگست،۲۰۰۱ء

([3])ابو یاسر ،شیخ ،ہماری شادیاں ناکام کیوں ہوتی ہیں،نعمانی کتب خانہ لاہور،۲۰۰۶ء ص۱۳

ہیں۔ہمیں اپنی طرف سے مفروضات قائم کرنے کے بجائے دینِ اسلام کے مقرّر کردہ معیارات کو ہی ترجیح دینی چاہیے اور خوابوں کی دنیا میں زندہ رہنے کے بجائے زمینی حقائق اور معاشرتی اقدار کو بھی مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔

والدین اور سرپرستوں کی عدمِ توجہ:

ازدواج کے راستے میں ایک اہم رکاوٹ والدین اور سرپرستوں کی بچّوں کے جنسی بلوغ اور روحانی و جسمانی ضروریات سے چشم پوشی اور عدم توجہ بھی ہے۔ اس چشم پوشی اور عدمِ توجہ کے اسباب چاہے کچھ بھی ہوں اس کے خطرناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں،جہاں ہماری زندگیوں کے طور طریقے بدلے ہیں وہاں شادی جیسا مقدس بندھن بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا بدلت حالات میں شادیاں تاخیر سے کرنے کا رواج ہو گیا ہے ۔[1]

غرور وتکبّر:

ازدواج نہ ہونے کی ایک وجہ غرور و تکبّر بھی ہے ممکن ہے پورے کا پورا خاندان ہی اس مرض میں مبتلا ہو یا خود لڑکا یالڑکی غرورو تکبّر کا شکار ہوتا ہے اسلام نے برابری اور کفایت کا معیار تقویٰ کوقرار دیا ہے۔

معاشی مسائل:

ایک اور مسئلہ جسے ازدواج کے سلسلے میں بہت اچھالا جاتاہے وہ معاشی مسئلہ ہے۔حضرت امام صادق کا ارشادِ مبارک ہے کہ غربت اور معاش کے خوف سے ازدواج نہ کرے وہ در حقیقت خدا سے ناامید ہو چکاہے۔ہمیں یہ یاد رہنا چاہیے کہ قرآن مجید نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہاگر کوئی فقیر ہو اور نکاح کرے تو خدا اسے اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

دنیاوی زرق و برق:

بہت سارے خاندان دوسرے خاندانوں کی دیکھادیکھی عقد کے لئے سخت ترین شرائط مقرّر کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حق مہر اورجہیز تجویز کرتے ہیں۔سی طرح ولیمے کے موقع پر غیر ضروری اخراجات اور غیراسلامی رسومات پر بھی بے دریغ روپیہ پیسہ صرف کیا جاتا ہے جوکہ اسلامی شریعت کے سراسر خلاف ہے۔

مغربی میڈیا کی یلغار :

مغربی افکار کی ترویج کرنے والے رسائل و جرائد نیز فلموں اور ڈراموں کے ذریعے نوجوانوں کوغیر محسوس انداز میں حرام محبت کی لذت سے آشنا کیا جاتاہے۔نامحرموں کے ساتھ تعلقات کو جدید معاشرے کے لوازمات کے طور پر پیش کیا جاتاہے۔

([1])تاخیر سے شادی فیشنیا مجبوری ،جنگ سنڈے میگزین ،۱۱مئی ۲۰۰۸ء

خاندانی نظام سے فرار کے نتائج سے عدمِ آگاہی: شادی شدہ زندگی میں انسان کے بہت سارے نفسیاتی،معاشرتی اور اخلاقی مسائل کا حل پوشیدہ ہے۔اس سے نہ صرف انسانی زندگی کی مشکلات حل ہوتی ہیں بلکہ انسان کی اجتماعی و مخفی صلا حیتوں کو بھی نکھرنے کا موقع ملتاہے ، ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر قرآن و سنّت کی تعلیمات کی روشنی میں نکاح کو عام کیا جائے تو منشیات کا استعمال، گھٹیا ڈائجسٹوں کی اشاعت،والدین کی نافرمانی،ہمسائیوں کی ایذاء رسانی،گندی فلموں کی بھرمار اور جرائم کی شرح میں ناقابلِ یقین حد تک کمی واقع ہوسکتی ہے۔

عصری خاندانی نظام کی صورتحال :

قرآن مجید نے والدین کو جن اسباب کی بنا پر یہ اعزاز بخشا ہے وہ اسباب اپنی جگہ پر قائم ودائم ہیں مگر مسلم والدین کی آنکھوں سے زمانہ کی چکا چوند نے انبیائی مشن کو اوجھل کردیا ہے اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں بھی اولاد کی تربیت ،تعلیم اور ترجیحات کا پورا نظام بدل گیا ہے ،مسلمان بھی طلب دنیا کی دوڑ میں اپنی اولاد کو آگے رکھنے کے لئے وہی کچھ کررہے ہیں جو باطل نظریات رکھنے والے کررہے ہیں ،خاندانوں کے اندر تربیتی نظام کمزور پڑ گیا ہے ۔

نظا م خاندان کو اس کے بیرونی خطرات سے بچانے کے ساتھ اسے اندرونی خطرات درپیش ہیں ان سے بھی بچایا جائے ،ان میں صحیح خطوط پر تربیت ،اسلامی اقدار کی خود شناسی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع ابلاغ اور مغربی تہذیب کیلئے کا دفاع ،مادہ پرستی سے نفرت ،مشترک برہمنی خاندانی نظام سے تحفظ ،جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے بروقت نکاح ،سماجی رسم ورواج کی جکڑ بندیوں سےآزادی اور حقوق وفرائض کی پرسوز تعلیم سے انحراف کی بنا پر خاندان عدم تحفظ کا شکار ہے۔

خاندانی انتشار میں سب سے مہلک کردار ذرائع ابلاغ کا ہے جس کے ہر نشریہ میں چاہے وہ ڈرامہ ہو، فلم ہو یا اشتہار کوئی پروگرام ایسا نہیں ہوتا جو خاندانی اقدار پر تیشہ چلانے والا نہ ہو اس پر مستزاد انٹرنیٹ (سوشل میڈیا) کی تباہ کاریاں ہیں ،ذرائع ابلاغ کے مہلک اثرات کے وجہ سے کورٹ میرج، ناجائز دوستیاں ،طلاق کی شرح میں اضافہ ،خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ کا سامنا ہے۔خاندانی ادارے کے زوال کا سبب والدین کی سوچ ،فکر اور ترجیحات میں تبدیلی بھی ایک اہم وجہ ہے۔

نیز استحکام خاندان میں زوجین کے کردار کے حوالہ سے اس بحث کا ملخص یہ ہے اسلام میں خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس میں خاندانی نظام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے دین اسلام فرد کی فکری تربیت کے حوالے سے اس حقیقت کو متعارف کراتا ہے کہ انسان معاشرت پسندی کے خمیر سے تخلیق کیا گیا۔خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادیونٹ ہے جو مرد اور عورت کے درمیا ن رشتہ ازدواج سے وجود میں آتا ہے ،معاشرے کی ترقی ونشونما کا انحصار جہاں خاندان پر ہے وہاں معاشرے کی تنزلی وانتشار کا انحصار بھی اسی خاندان پر ہے ،کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اساسی اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اسی سے معاشرے وجود میںآتے ہیں ،جس خاندان کی اکائی مضبوط اور مستحکم ہو گی اسی قدر

ہی معاشرہ اور ریاست مضبوط اور مستحکم ہوں گے ،خاندان کی اہمیت کا اندازہ ا س سے لگا یا جا سکتا ہے کہ خاندان کی بقاء اور تحفظ کو شریعت کے بنیادی مقاصد میں شمار کیا گیا ہے ،اور اسلامی تعلیمات کا ایک مکمل شعبہ جو مناکحات یا اسلام کے عائلی نظام سے موسوم ہے ،اس مقصد کے لئے وجود میں لایا گیا - اسلام میں خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس میں خاندانی نظام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے دین اسلام فرد کی فکری تربیت کے حوالے سے اس حقیقت کو متعارف کراتا ہے کہ انسان معاشرت پسندی کے خمیر سے تخلیق کیا گیا۔خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی یونٹ ہے جو مرد اور عورت کے درمیا ن رشتہ ازدواج سے وجود میں آتا ہے ، "آپﷺ نے خاندان کو انتشار سے بچانے کے لئے اور اسے استحکام بخشنے کے لئے باہمی حقوق وفرائض کا ایک سلسلہ قائم کردیا،جس پر عمل پیرا ہو کر انفرادیت پسندی ،عدم اعتماد،پریشانی اور انتشار جیسے معاشرتی امراض کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے ،اسلام فرد اور جماعت کے تعلق میں جس توازن واعتدال کا علمبردار ہے اس کا تقاضا ہے کہ خاندان کی حیثیت ایک اجتماعی اکائی کے طور پر قائم رہے تاکہ اجتماعی تربیت کا ابتدائی مرکز وسیع تر اجتماعی شعور اور فلاح کے لئے مؤثر کام کرے۔

حاصل کلام

چند افراد کا مجموعہ خاندان کہلاتاہے۔اس مجموعے میں مردوزن کے مخصوص تعلق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ خاندان کی بنیادی اکائی شادی کی حقیقت بھی اسی میں مضمرہے۔شادی مردوزن کے خاص تعلق سے موسوم ہے۔جس کے ذریعے مردوزن کا یہ جوڑا مخصوص طریقے سے الہامی تعلیمات کی روشنی میں جنس مخالف سے مخصوص تسکین حاصل کرنےکےساتھ ساتھ اولاد جیسی نعمت کا حصول بھی اسی باہمی ملاپ کے ذریعے ممکن کرپاتے ہیں۔شادی ایک ایسی تبدیلی کا نام ہے کہ جس کے نتیجےمیں دواجنبی افراد (مردوزن) رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہوئے میاں بیوی کے روپ میں ڈھل جاتے ہیں۔اور اولاد کے حصول پر وہی میاں بیوی ایک نئے رشتے میں ڈھلتے ہوئے ماں باپ کا روپ اختیار کرلیتے ہیں۔گویا کہ شادی ہی ایک نئے خاندان کا پیش خیمہ اوربنیادہے۔پھر شادی کے ہی ذریعے معاشرتی اور سماجی سطح پرنئےرشتے بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ پہلے میاں بیوی اور ان کے قریبی عزیز و اقارب/خونی رشتے دارہیں،جن میں والدین،ننھیالی اور دھدیالی رشتے داروں پر مشتمل ایک خاندان تشکیل پاتاہے۔پھر شادی کے بعد میاں بیوی اور ان کی اولاد کے علاوہ اولاد کے ننھیالی اور دھدیالی رشتے دار بھی اسی خاندان میں اضافی طور پر شامل ہوجاتے ہیں۔یوں افراد کا ایک مجموعہ ترتیب پاتاہےجن کی خوشی،غمی مشترکہ تصور کی جاتی ہے۔معاشرتی طور پر ان تمام افراد کے مجموعے پر خاندان کا اطلاق ہوتاہے۔

کسی بھی معاشرے کی اصلاح میں خاندان کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔گویا معاشرے کی اصلاح خاندان کی اصلاح میں مضمر ہے۔اور یہ اہم فرئضہ تبھی بطریق احسن نبھایا جاسکتا ہے جب خاندان کی تشکیل بہتر انداز میں کی جائے۔

خالق کائنات سے بڑھ کربہتر اصلاح کرنے کی کسی فرد یا قانون میں صلاحیت نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ خالقِ کائنات نے انسان کی تخلیق کے ساتھ اس کی اصلاح کے لیے خوداپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے بندوبست کیا۔اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات اور مختلف اقوام میں انبیاء کرام علیہم السلام اورکتب وصحائف سماویہ کے ذریعے اس مقدس فریضے کی تکمیل فرمائی۔اپنے اپنے ادوار میں الہامی مذاہب کے علمبرداروں نےدنیا میں رب العالمین کے متعین کردہ رحمانی نظام خاندان کو احسن طریقے کے ساتھ پروان چڑھا کر نسل انسانی کی ذہنی بلوغت کے ساتھ ساتھ باطنی تطہیر کے رحمانی منشور کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔لیکن ہر دور میں طاغوتی نظام مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے انسانیت کو خالص رحمانی خاندانی نظام سے دور کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔لیکن توحید کے علمبرداروں نے رحمان کے نظام کو ہر حال میں اگلی نسلوں تک منتقل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

یہاں تک کہ دنیا کو مادی وروحانی ظاہری و باطنی عقلی و نقلی اور قلوب واذہان کی مکمل تطہیر کے لیے ایک طرف صحیفہ انقلاب یعنی قرآن مجید کو الہامی کتابوں کا سرداراور خاتم الکتب بنا کر انسانیت کو مکمل منشور بناکر تحفے یں دے دیا گیااور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کررحمانی خاندانی نظام کو عملی طورپرمدینہ جیسی اسلامی ریاست میں نافذ کرکے احسن طریقے کے ساتھ دکھا دیا۔لہذا نزولِ قرآن کےبعد باقی تمام ادیان الٰہیہ کو ناقابل قبول قرار دیا گیا اوراللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح طورپراس بات کا اعلان کیا گیاکہ: ومن یبتغ غیر الاسلام فلن یقبل منہ

جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین لے کر آیا اس سے وہ قبول نہیں کاجائے گا۔

اسلام کی آمد کے بعد دیگر ادیان کی پیروی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔اسی حقیقت کو واضح انداز میں بیان فرماتےہوئےفرمایا:

ان الدین عند اللہ الاسلام

(اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف اسلام ہے۔)

تاہم اسلام ایک ایسا دین ہے جو ماقبل ادیان کی تکذیب کی بجائے تصدیق کا درس دیتاہے۔نہ صرف یہ بلکہ ان ادیان پر ایمان لانے کو اسلام کی تکمیل کا سبب قراردیتاہےاور اس کے بغیر اسلام کو نامکمل تصور کرتاہے۔

میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر،فرشتوں پر،آسمانی کتابوں پر،تمام رسولوں پر،یوم آخرت پر،اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھی اور بری تقدیرپر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر۔

گویا اسلام کا خاندانی نظام سابقہ الہامی مذاہب کا جدیدورژن ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامیاب متعارف کردہ خاندانی نظام کے علم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین،سلف صالحین،فرزندان توحید نے آج تک بلند رکھا۔ حتیٰ کہ شہزادہ چارلس کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں لیکچر دیتے ہوئے برطانیہ کو شیمریوں اور چرچ کی انتظامیہ کو یہ کہتا ہوں ہمیں ازدواجی معاملات میں اسلامی تعلیمات سے استفادہ کرنےکی ضرورت ہے کیونکہ دنیا عالم میں سب سے بہترین خاندانی نظام اسلام اور مسلمانوں کا ہے۔

خلاصہ کلام کے طور پر ہم یہ کہ سکتےہیں کہ الحاداورطاغوت کی فیکٹریوں میں پروان چڑھنے والے اذہان اگر اپنے قلوب کو طمانیت سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ہر قسم کےالحادی وطاغوتی خاندانی نظاموں کو خیر باد کہہ کر اسلام کے آفاقی خاندانی نظام کوہی اپنا ہوگا۔

نتائج بحث

زیرِ نظر موضوع "**الہامی مذاہب میں خاندانی نظام کا تصور (عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ)**" کے نتائج و سفارشات مندرجہ ذیل ہیں:

- معاشرتی استحکام کا قیام:
- الہامی مذاہب کے خاندانی نظام کا بنیادی مقصد معاشرتی استحکام پیدا کرنا ہے۔ یہ نظام فرد کی اخلاقی تربیت اور ایک متوازن شخصیت کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ عصری چیلنجز کے باوجود، یہ نظام افراد کو خاندان کے دائرے میں لاتے ہوئے باہمی احترام اور قربانی کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔
- بگڑتے خاندانی تعلقات کا سد باب:
- جدید دنیا میں طلاق کی شرح، خاندانی دوریاں اور انفرادیت کے بڑھتے رجحانات کو الہامی تعلیمات کے ذریعے روکا جا سکتا ہے۔ شادی کو ذمہ داری اور مقدس رشتہ قرار دینے سے خاندان میں محبت اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔
- اخلاقی زوال کا حل:
- الہامی مذاہب بچوں کی اخلاقی تربیت پر زور دیتے ہیں، جو ان کے کردار سازی میں اہم ہے۔ والدین کی عزت اور بچوں کے حقوق کی تعلیمات معاشرے میں اخلاقی اقدار کے احیاء کا سبب بن سکتی ہیں۔
- خاندانی وقت اور قربت کی بحالی:
- موجودہ دور میں ڈیجیٹل مصروفیات اور مغربی اثرات کی وجہ سے خاندان کے افراد کے درمیان قربت کم ہو گئی ہے۔ الہامی مذاہب خاندان کو ایک مرکزی اکائی کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو افراد کے درمیان رشتہ مضبوط کرنے اور خاندانی وقت کو فروغ دینے میں معاون ہے۔
- معاشی دباؤ کا توازن:
- عصری دنیا میں خاندانی نظام پر معاشی دباؤ بھی اثرانداز ہو رہا ہے۔ الہامی مذاہب سادگی، قناعت، اور وسائل کے مؤثر استعمال کی تعلیم دے کر خاندانی مالی دباؤ کو کم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔
- 6. خواتین کے حقوق اور مساوی مقام:
- الہامی مذاہب خاندانی نظام میں خواتین کے حقوق کی وضاحت کرتے ہیں، جس سے ان کی عزت اور اہمیت کا تعین ہوتا ہے۔ عصری چیلنجز کے تناظر میں خواتین کو مساوی مقام دینے کے لیے یہ تعلیمات اہم کردار ادا کرتی ہیں۔
- نسلوں کے درمیان رابطہ:

- الہامی مذاہب بزرگوں کی عزت اور ان کے تجربات سے سیکھنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ اس سے نسلوں کے درمیان خلا کم ہوتا ہے اور نوجوانوں کو خاندان سے جڑنے کی ترغیب ملتی ہے۔
- مذہب اور جدیدیت کا امتزاج:
- عصری دور کے مسائل کو الہامی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے خاندانی نظام کو ایک ایسا ماڈل بنایا جا سکتا ہے جو جدید تقاضوں کو پورا کرے اور مذہبی اقدار کو بھی برقرار رکھے۔
- عصری دور میں خاندانی نظام کو جو چیلنجز درپیش ہیں، ان کا حل الہامی مذاہب کی تعلیمات میں موجود ہے۔ ان مذاہب کی بنیاد پر محبت، قربانی، مشاورت اور ذمہ داری جیسے اصولوں کو اپنانے سے ایک مضبوط، پائیدار اور ہم آہنگ معاشرتی نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ خاندانی نظام کی بحالی اور ترقی کے لیے الہامی تعلیمات کو عصری ضرورتوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ اخلاقی، روحانی اور سماجی طور پر مستحکم ہو سکے
- معاشرہ خاندان کی اہمیت پر جتنا زیادہ زور دے گا،لوگ اتنا ہی زیادہ اپنے خاندانوں کو بنانےاور برقراررکھنے کی کوشش کریں گے۔اگرمعاشرہ بذات خودفاسدہے،جس میں جنسی راہ روی بڑی حد تک پھیلی ہوئی ہےتویہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ کوئی بھی شخص اپنے کندھوں پرایسی کسی بھی ذمہ داری کا بوجھ ڈالناپسند نہیں کرے گاجس کا تقاضا ایک خاندانی زندگی کرتی ہے۔
- مذاہب عالم میں قدیم ترین مذہب یہودیت ایک ایسا مذہب ہے جس میں عقائد ونظریات کے ساتھ ساتھ زندگی کے اہم اور ضروری مسائل پر بنیادی تعلیمات موجودہیں۔یہودیت میں دیگر تعلیمات کی طرح خاندان کی اصطلاح اوراس سے متعلقہ ذمہ داریوں کابیان بھی پیش ۔یہودیت میں لفظ خاندان ، گھرانہ اورکنبہ کا اطلاق افرادخانہ پر ہوتا ہے،جس میں عموما میاں بیو ی ،اولاد اور ماں باپ شامل ہیں۔
- یہودی معاشرے میں خاندان کااطلاق کبھی تو بالکل ہی محدود دائرہ میں ہوتا ہے جس میں صرف میاں بیوی اور نابالغ بچے شامل ہوتے ہیں اور کبھی اتنےوسیع دائرے میں ہوتاہے جس میں نا صرف میاں بیوی کے ساتھ پوری اولاد ،والدین اوربہن بھائی کےساتھ ساتھ ان کی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔
- تمام الہامی مذاہب میں خاندان کی بڑھوتری کا واحد ذریعہ نکاح کو قرار دیاگیاہے اگرچہ اس کا طریقہ کار ہرمذہب میں جداگانہ ہے ۔تاہم بطور حلال ذریعہ افزائش نسل نکاح ہی کو اختیار کیا گیاہے۔جس میں دیگر فوائد کےساتھ ساتھ نسب کی حفاظت بھی مضمر ہے۔

- ایک مدّت سے مسلمانوں میں اہلِ یہود سے متعلق فقط نفرت انگیز سوچ فروغ پا رہی ہے یہ ایک علیحدہ معاملہ ہے کہ شریر لوگوں کی شرانگیزیوں سے محتاط رہنا چاہیے لیکن یہ حقیقت بھی کسی سے پنہاں نہیں کہ ہمارے اکابر صحابہؓ ائمہ مفسرین اور مؤرخین نے اہل کتاب خاص کر یہودی و اسرائیلی روایات کو بطور تفسیر، ترغیب و ترہیب بیان کیا ہے۔ یہودی اور مسیحی الہامی تعلیمات کے مطابق اب بھی وحی اور سابقہ انبیاءؑ کی تعلیمات اوراحکامات پر مشتمل علم کا ایک وافر حصہ موجود ہے جسے اگر ہم غیر جانبدارانہ طور پر حاصل کر لیں تو ہمیں اسلامی تعلیمات کا تسلسل جو عہدِ رسالت مآبﷺ سے قبل چلی آئی تھیں ان سے واقفیت ہوگی۔ اور یہ بات بدرجہ اتم مفہوم ہوگی کہ اسلام دینِ حق ہے جو سیدنا آدمؑ سے شروع ہو کر مختلف ادوار سے گزر کر محمد ﷺ پر مکمل ہوا جیسا کہ طلاق کے معاملے میں ہم نے آگہی حاصل کی کہ طلاق کو جیسے ہم سمجھتے ہیں وہ قبل از اسلام بھی مستعمل تھی لیکن اس کی صورت اس زمانے اور حالات کے لحاظ سے مختلف تھی۔اگر یہودی و مسیحی مآخذ کی مؤثر تشہیر اور ان کے عقائد و نظریات نیز احکامات پر مبنی کتب کو حکومتی سطح پر کوشش کر کے مختلف لائبریریز اور خاص کر جامعات تک رسائی کو آسان بنایا جائے تو ان علوم سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

عہدنامہ قدیم کے مطابق عبرانی میں ہمارے موجودہ تصور کے مطابق خاندان کے لیے کوئی ایسالفظ نہیں جو اس مفہوم کو صحیح معنوں میں بیان کرسکے۔ہمارا تصور مغرب سے متاثر ہے جس کے مطابق ایک خاندان ماں باپ اور بچوں پر مشتمل ہوتاہے۔ہمارے ہاں زیادہ تر عبرانیوں کی طرز زندگی کے مطابق مشترک خاندانی طریقہ زندگی رائج رہاہے۔موجودہ مفہوم کے قریب بیت(گھر)ہے جو چندلوگوں کے اجتماع کو بیان کرتا تھا اور پھر ان کی رہائش گاہ کے معنوں میں تبدیل ہوگیا۔

- یہودیت میں مرد وزن کے باہمی اختلاط سے مربوط رشتہ شادی (نکاح)کےنام سے موسوم کیا جاتاہے۔
- مسیحی تعلیمات میں خاندان کومذہبی تعلیم اور ایمان کو دوسری نسل تک پہنچانے کا ذریعہ قرار دیاگیاہے۔اسی طرح مذہب سکھانے والے استادکو قطعی والدین کا درجہ دیا گیاہےجو کہ مذہب کو مجسم کرتےہیں۔
- مسیحی خاندان ایک چھوٹا کلیسا ہے۔ہر مسیحی خاندان کے لیے مسیحی ایمان کا اظہار کرنا ضروری ہے۔
- مسیحی خاندان ایک مکتب کی حیثیت رکھتا ہے جہاں ہر بچہ مذہبی اور اخلاقی اقدار اور آدابِ معاشرہ سیکھتاہے۔خاندان کے افراد میں باہمی محبت اور فکر مندی کا ہونا لازمی جزو ہے۔

- مسیح خاندان کا سربراہ خداہےاس لیے اسکی سربراہی کے بغیر اس کا قائم رہنا ناممکن ہے،چنانچہ افراد خاندان کے لیے لازم ہے کہ اپنے سربراہ کی مرضی جاننے اور اس کو پوراکرنے کی کوشش میں لگےرہیں۔جب کسی خاندان کےافراد خداکی مرضی کے برعکس عمل کرتےہیں توایسا خاندان تباہ وبربادہوجاتاہے۔
- یہودی خاندانی نظام کے مطابق ایک مرد اپنی بیوی کو کسی بھی وقت چھوٹی سی لغزش کی صورت میں طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے شادی کرسکتاہے جبکہ عیسائیت میں دوسری شادی کی اجازت ہرگزنہیں۔عیسائی عقیدے کے مطابق ایک سے زیادہ شادیاں جائز نہیں ۔یعنی ایک مردایک ہی بیوی سے جائز نکاح اور ایک عورت ایک ہی خاوند کی جائز بیوی بن سکتی ہے۔
- عیسائیت میں میراث کے قوانین الوہی نہیں ہیں۔ بلکہ عیسائیت کے اکثر قوانین یہودیت کےتابع ہیں ۔
- اسلام میں خاندان کا ایک بڑا مفہوم قبیلہ ہےجو کہ ایک دوسرے کی مدد وتعاون کی اساس پر قائم ہوتاہے۔دین اسلام نے تمام باطل قوانین کا خاتمہ اورعدل وانصاف کو پروان چڑھاتےہوئے ہر حقدار کواس کا حق دلوایا حتی کہ دودھ پیتے بچے کو بھی اس کا حق دلایا ۔ خاندان کوایک دوسرے کے ساتھ ملانے کی حفاظت کرتے ہوئے اس کے ہرفرد کواس کی زندگی میں اہم کردار بھی دیا جسے ادا کرکے ایک اچھا خاندان بن سکتا ہے۔
- خاندان کی بنیادی اکائی تنہا بقائے نوع انسانی کی ذمہ داری کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی اہل ہے اور اسلامی تعلیمات کے تناظر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نسلی پاکیزگی اور رشتوں کی حرمت اور تقدس کو اسلام کی عائلی حکمتوں سے زیادہ کسی نے تحفظ نہیں دیا، یہ تمام حکمتیں دین فطرت کے بنیادی قوانین کی ہم آہنگی کی وجہ سے پروان چڑھنے اور پایہ تکمیل تک پہنچنے میں کامیاب ہوتی ہے۔
- اسلامی تعلیمات کے مطابق خاندان کا اطلاق مردوزن کےحقوق و فرائض کے متوازن مجموعے پرہوتا ہے۔اسی سےبچے ہوتے ہیں، جن کی ، یہ مرد و عورت والدین کی حیثیت سے پرورش کرتے ہیں۔ یہ بچے جوان ہوتے ہیں تو ان سے ازدواجی رشتے وجود میں آتے ہیں۔ اس طرح کنبے اور قبیلے بنتے ہیں اور معاشرہ ارتقائی شکل اختیار کرتا ہے۔
- خاندان کانمایا ں جزودراصل مرداورعورت کاتعلق ہے۔یہی تعلق خاندان کی بنیادبنتاہے،اسی تعلق کےذریعے خاندان کی عددی قوت بڑھتی ہےنیزاسی سےخاندان کواستحکام پروان چڑھتاآیاہے۔یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین ہونےکےساتھ ساتھ اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی ہے۔

سفارشات وتجاویز

- خاندانی نظام سے متعلق مذہبی تعلیمات کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
- شادی سے قبل جوڑوں کی مشاورت اور تربیت کو عام کیا جائے۔
- بچوں میں والدین کی عزت، احترام، اور بزرگوں کی خدمت کے جذبات پیدا کیے جائیں۔
- والدین کو بچوں کے لیے رول ماڈل کے طور پر پیش کیا جائے۔
- حکومتیں ایسی پالیسیاں بنائیں جو خاندانی نظام کو سپورٹ کریں، جیسے کہ میٹرنٹی/پیٹرنٹی لیوز اور فیملی سینٹرز۔
- خاندانی معاملات میں مشاورت اور ثالثی کے ادارے قائم کیے جائیں۔
- ڈیجیٹل آلات کے استعمال کو محدود کرنے کے لیے خاندانی اوقات مقرر کیے جائیں۔
- خاندانی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے، جیسے مشترکہ کھانے، عبادات، اور تفریح۔
- کم آمدنی والے خاندانوں کو مالی امداد اور سپورٹ فراہم کی جائے۔
- خاندانی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے مقامی سطح پر معاون کمیونٹیز بنائی جائیں۔
- مذہبی اسکالرز اور کمیونٹیز خاندانی نظام پر مذاکرے، سیمینارز اور ورکشاپس منعقد کریں۔
- الہامی مذاہب کی تعلیمات کو جدید انداز میں پیش کر کے نوجوان نسل کو اس سے جوڑا جائے۔
- الہامی مذاہب کی تعلیمات عصری چیلنجز کے مقابلے میں نہایت اہم اور رہنما ہیں۔ ان مذاہب کی روشنی میں ایک ایسا خاندانی نظام قائم کیا جا سکتا ہے جو نہ صرف مضبوط ہو بلکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر سکون اور خوشحالی کا سبب بنے۔ ان تعلیمات پر عمل درآمد کے لیے اجتماعی کوششوں اور جدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حکمت عملی ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔
- خاندانی نظام کی بہتری کے لیے الہامی مذاہب کی تعلیمات سے آگاہی کی ضرورت کا شعور مختلف سیمینارزاور کانفرنسز کے ذریعے معاشرے میں پیدا کیا جائے۔
- ریسرچ اسکالرز کو چاہیے کہ جہاں وہ ہر جدید موضوع پر نظر رکھتے ہوئے علمی رائے پیش کرتے ہیں وہیں وہ خاندانی نظام کے حوالہ سے بھی علمی و تحقیقی کالمز،مضامین،جرائداور مقالہ جات کو زینتِ قرطاس کریں تاکہ ہر خاص و عام مستفید ہو سکیں۔

- خاندانی نظام سے متعلق افکار کو عام کیا جائے اس حوالہ سے عوامی اور علمی طبقوں میں نشستوں کا انعقاد کرایا جائے نیز افکار کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف شہروں میں سیمینار کے انعقاد کیے جائیں۔نیز سوشل میڈیاپرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر بھی گاہے بگاہے خاندانی نظام کے حوالہ سے پیغام رسانی کی جائے۔
- اس مقالہ کی ایک اہم ترین تجویز یہ کہ پاکستانی جامعات میں اساتذہ و محققین ایک مسلمان کی حیثیت سےیہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں نیز یہو د و نصاری کواسلامی تعلیمات سے روشناس کروائیں اور اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کریں۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست مصادر ومراجع

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	قرآنی آیات	سورہ	آیت نمبر
1	وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي،،	البقرة	30
2	وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَى تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ،،	البقرة	85
3	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي،،،	البقرة	178
4	هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ	البقرة	187
5	يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ،،	البقرة	215
6	وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ	البقرة	233
7	لْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ،،	آل عمران	31
8	قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ	آل عمران	140
9	يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ،،،	النساء	1
10	فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ	النساء	3
11	حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ،،	النساء	23
12	الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ	النساء	34
13	وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى	المائدة	2
14	مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ،،	الانفال	67
15	أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى	الانفال	70
16	وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ،،،	التوبہ	71
17	ذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ،،،	یوسف	69
18	إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِم	الرعد	11
19	إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ	الحجر	9
20	وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا،،،	النحل	58

21	وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ،،،	الاسراء	23
22	وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً	الاسراء	32
23	فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ،	طه	72
24	لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ،،	الحج	37
25	وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَ	الفرقان	74
26	إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ	العنكبوت	33
27	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَ	الاحزاب	11
28	فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا	الاحزاب	26
29	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا	الاحزاب	69
30	وَمِنْ اٰيٰتِه اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا	الروم	21
31	وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَ	الروم	30
32	يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى،،،	الحجرات	15
33	فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ،	الجمعة	10
34	وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا	التحريم	3
35	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا	التحريم	6
36	وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا،،،	الدهر	8
37	نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ	الدهر	28
38	وَالْعَصْرِ- إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ- إِلَّا الَّذِينَ آمَنُو	العصر	2-1

فہرست احادیث

نمبر شمار	متنِ حدیث	نام مصدر	صفحہ نمبر
1	أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً، وخياركم خياركم لنسائهم	ترمذی	189
2	إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة	مشکوۃ	162
3	إن لي مالا وولدا . وإن أبي يريد أن يجتاح مالي .فقال،،	ابن ماجہ	152
4	إِنَّ مِنْ أَطْيَبِ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَوَلَدُهُ مِنْ كَسْبِهِ	ابوداؤد	153
5	انما الدنيا متاع ،وليس من متاع الدنيا شيء	ابن ماجہ	118
6	تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا	بخاری	31
7	خير كم خير كم لاهلی ،وانا خير كم لاهلی	ترمذی	113
8	خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ	السنن للبیہقی	12
9	فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا	ابوداؤد	100
10	قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ ،،	بخاری	101
11	كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ،،	ابن ماجہ	196
12	لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ	مسلم	189
13	مَنْ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ, كُنَّ لَهُ حِجَابًا ،،	ترمذی	139
14	مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنْ النَّارِ	بخاری	148
15	النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي	ابن ماجہ	114
16	النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي	ابن ماجہ	171
17	نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُثْلَةِ	مسند احمد	188
18	يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ	مسلم	30

مصادر و مراجع: Bibliography

الہامی کتب:

- قرآن کریم
- کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انار کلی بازار لاہور، ۱۹۹۳ء
- ابراہیم انیس و عبد الحلیم منتصر، المعجم الوسیط (مجمع اللغۃ العربیۃ - مکتبۃ الشروق الدولیۃ، 2004ء)
- ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن معبد، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي، صحیح ابن حبان، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء
- ابن عابدین محمد امین، الدرر المختار شرح تنویر الابصار فی الفقہ الحنفی مع حاشیہ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۸۶ھ
- ابن عابدین، در مختار شرح تنویر الابصار فی الفقہ الحنفی مع حاشیہ ابن عابدین، محمد امین، دار الفکر بیروت، ط ثانی، ۱۳۸۶ھ
- ابن فارس، ابی الحسین احمد، معجم مقاییس اللغۃ، عبد السلام محمد ھارون (دار الفکر، بیروت)
- ابن فارس، ابوالحسن احمد ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر، بیروت
- ابن ماجہ، ابو عبداللہ بن یزید القزوینی: سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت، س،ن
- ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، السنن، مترجم مولانا عبد الحکیم اختر، سندھ ساگر سنٹر، لاہور
- ابن منظور، جمال الدین اصمعی محمد بن مکرم ابوالفضل، الافریقی المصری، لسان العرب، بذیل مادہ عول، بیروت دار صادر الطبعۃ السادسۃ، ۱۹۹۷ء
- ابن منظور الافریقی المصری، الامام ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب (احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۸)
- ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء
- ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور افریقی. مصری، لسان العرب، دار صادر، بیروت، س،ن
- ابن ھشام، عبد الملک بن ہشام الحمیری، السیرۃ النبویہ، مطبعہ مصطفی البابی مصر، س،ن
- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ط، مصطفی البابی، مصر، س،ن
- ابو حیان محمد بن یوسف بن علي بن یوسف بن حیان أثیر الدین الأندلسي، البحر المحیط في التفسیر البحر المحیط في، دار لفکر البیروت، ۱۴۲۰ھ
- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق، سنن ابی داؤد، الریاض، مکتبہ دار السلام، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۹ء
- ابو یاسر، شیخ، ہماری شادیاں ناکام کیوں ہوتی ہیں، نعمانی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۶ء
- اچھا چر واہا، پاک نکاح کا ساکرامنٹ اور خاندانی زندگی، شمارہ نمبر ۲، نومبر ۲۰۱۸ء
- احمد، ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، ط اولی، موسسۃ الرسالۃ
- الألوسي، شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، دار الكتب العلمية - بيروت ناطبعة: الأولى، 1415ھ
- ام عبد منیب، طرز رہائش مشترکہ یا الگ، مشربہ علم و حکمت، لاہور

- الھیثمی، نورالدین علیٰ بن ابی بکر: مجمع الزوائد و منبع الفوائد، تصویر دار لکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ
- ایف۔ایس، خیر اللہ، قاموس الکتاب (لغات بائبل) مسیحی اشاعت خانہ، فیروزپور روڈ لاہور، ۱۹۸۴ء
- آزاد، مولانا ابوالکلام، مسلمان عورت، مکتبہ جمال، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۸ء
- بحوالہ ماہنامہ محدث، جے بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور، نومبر ۲۰۰۴ء
- البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، الامام، الجامع الصحیح، الریاض: مکتبہ دار السلام، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۹
- بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، ط، اولیٰ، ۱۴۲۲ھ
- بلگرامی، سید علی، تمدن عرب، ظفر ٹریڈرز، سرگودھا، ۱۹۳۶ء
- بھاء الدین، احمد رضا بن ابراہیم العاملی، ابو العلاء، معجم متن اللغۃ، (دار مکتبہ الحیاۃ 1958 م)
- البیہقی، ابی کر احمد بن الحسین، امام، [مترجم: الجاروی، محمد اسماعیل، مولانا] دلائل النبوۃ، کراچی: دارالاشاعت، 2009
- بیہقی، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، السنن الكبرى، مجلس دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد، ط، اولیٰ ۱۳۴۴ھ
- بیہقی، أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي، شعب الإيمان، دار الكتب العلمية- بيروت، ط، اولی، ۱۴۱۰ء
- تاخیر سے شادی فیشنیا مجبوری، جنگ سنڈے میگزین، ۱۱ مئی ۲۰۰۸ء
- تالمود، اردو ترجمہ: سٹیفن بشیر (مکتبہ عناوین پاکستان۔ جی ٹی روڈ سادھو کے، ضلع گوجرانوالہ)
- تبريزي، محمد بن عبد الله الخطيب: مشكاة المصابيح، بيروت المكتب الإسلامي، طبع ثالث، ۱۴۰۵
- ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، دارالسلام، ریاض، ۱۹۹۹ء
- ترمذی، محمد بن عیسی أبو عیسی الترمذي السلمي، سنن ترمذی، دار احیاء التراث العربي— بیروت
- تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، أبوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي البصري، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، ط، ثانی، ۱۹۹۹ء
- تفسیر الکتاب ولیم میکڈونلڈ۔ مترجم: بشپ سموئیل ڈی چند۔ (مسیحی اشاعت خانہ ۳۶۔ فیروز پور روڈ۔ لاہور ۲۰۱۸
- تفسیر الکتاب (مترجم) میتھو ہنری کانٹ، لاہور چرچ، سیمینارز فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء
- تفسیر الکتاب، جلد اول میتھیو ہیزی کا منٹری کا ترجمہ۔ ناشر۔ چرچ فانڈیشن سیمینارز۔ لاہور اشاعت ۲۰۰۲ء
- جلال الدین عمری، سید، اسلام کا عائلی نظام، الفیصل ناشران کتب، س ن
- حدود کی حکمت، نفاذ اور تقاضے، ام عبد منیب، ۲۵، مشربہ علم وحکمت، ندیم ٹاون، ڈاکخانہ، اعوان ٹاون لاہور
- خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، ۱۹۹۸
- خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۵ء
- خالد رحمن، سلیم منصور، عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈی، اسلام آباد ۲۰۰۷ء
- خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، ۱۹۹۸ء

- الدعلوی،ڈاکٹر،انسان کامل،فیصل ناشران،لاہور ۱۹۹۵ء
- دحلان،احمد بن زینی،سید،علامہ،السیرۃ النبویہ،لاہور:ضیاءالقرآن پبلیکیشنز[مترجم:ذوالفقار علی،علامہ]2014
- الدمیاطی،المتجر الرابح فیجواب العمل الصالح،مکتبہ النہضہ الحدیثیہ مکۃ المکرمہ ۱۹۸۶ء
- ڈاکٹر خالد علوی،اسلام کا معاشرتی نظام،الفیصل ناشران وتاجران،اردو بازار،لاہور
- ڈاکٹر محمد رفیع الدین،روح اسلام،طوبیٰ ریسرچ لائبریری،آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس
- زبیدی ، محمد بن محمد بن عبد الرزاق حسینی ،تاج العروس من جواہر القاموس، (دار الہدایہ)
- زبیدی،محمد مرتضی،تاج العروس،دارالفکر،بیروت،۱۹۹۴
- زبیدی،محمّد بن محمّد بن عبدالرزّاق الحسینی، أبوالفیض ،تاج العروس،دارالفکر،بیروت،۱۹۹۴ء
- زبیدی،مرتضیٰ،محمّد بن محمّد بن عبدالرزّاق حسینی، أبوالفیض،تاج العروس من جواہر القاموس،الناشر:دارالھدایۃ
- سنن نسائی،أبوعبدالرحمن أحمد بن شعیب النسائي،دار المعرفۃ بیروت،ط،خامس 1420ھ
- سیدہ سعدیہ،ڈاکٹر،پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل،ادارہ اسلامیات،لاہور،2017
- سیدہ سعدیہ،ڈاکٹر،پاکستانی معاشرے میں خواتین کے سماجی و قانونی مسائل،ادارہ اسلامیات،لاہور،۲۰۱۷
- شادیاں کیوں ناکام ہوتی ہیں؟ماہنامہ بنات عائشہ کراچی،نومبر دسمبر،۲۰۰۸ء
- شاہ ولی اللہ،حجۃ اللہ البالغۃ،مرجم مولانا عبدالرحیم،الفیصل ناشران،لاہور ۲۰۰۳ء
- شبلی نعمانی،سیرۃ النبی ﷺ،مکتبہ تعمیر انسانیت،لاہور،۱۹۷۵ء
- شریعت موسوی ۔تنویر بخاری۔ص ۲۲۳۔مکتبہ عناویم پاکستان۔جی ٹی روڈ سادوھو کے،ضلع گوجرنوالہ
- شمس تبریز،خان،مسلم پرسنل لاءاور اسلام کا عائلی نظام،مجلس تحقیقات ونشریات اسلام،نامی پریس لکھنوئ
- شوکانی،محمد بن علی شوکانی،نیل الاوطار،دار الجیل،بیروت،۱۹۷۳ء
- صدام،عبدالصمد،مقالات صدام،حجازی پریس،لاہور،س،ن
- صدیقی،نعیم،عورت معرض کشمکش،لاہور:ادارہ معارف اسلامیہ،1993،
- طبرانی،ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی،المعجم الکبیر،،وزارۃ الاوقاف،عراق،۱۹۸۰ء
- طبری،ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی،الطبري جامع البیان عن تأویل آي القرآن (تفسیر طبری)،دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والإعلان، ۲۰۰۱ء
- طبری،محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی،أبو جعفر الطبري (المتوفی:۳۱۰ھ) جامع البیان في تأویل القرآن-ومؤسسۃ الرسالۃ الأولی،۱۴۲۰ھ ۲۰۰۰ء
- عثمانی،محمد شفیع مفتی:معارف القرآن،کراچی مکتبہ معارف القرآن،س،ن
- علوی،ڈاکٹر خالد،اسلام کا معاشرتی نظام،الفیصل ناشران وتاجران کتب،غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
- فیروز الدین ،،الحاج مولوی، فیروز اللغات ،(فیروز سنز لیمیٹڈ ،لاہور)

- فیروزالدین،الحاج،مولوی،فیروزاللغات فارسی،فیروز سنز لمٹیڈ،لاہور، کراچی،روالپنڈی،س۔ن
- فیروزاللغات فارسی،مولوی فیروزالدین،فیروز سنز لاہور،۱۹۷۳ء
- الفیروزآبادی جد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب ، القاموس المحیط(ط۔ الرسالۃ)
- فیروزآبادی،مجدالدین محمد بن یعقوب،القاموس المحیط،مؤسسۃ الرسالہ،ط،رابع،۱۹۹۴ء
- القاموس الاصطلاحی،مولانا وحیدالزمان کیرانوی،دارالاشاعت کراچی،س۔ن
- قاموس الکتاب(لغات بائبل)ایف ایس خیراللہ، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶فیروزپور روڈلاہور،۱۹۸۴ء
- قاموس الکتاب،خیراللہ،ایس ایف، مسیحی اشاعت خانہ لاہور،۲۰۰۸ء
- القاموس المحیط،مجدالدین أبوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی،مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع،بیروت،لبنان،ط،ثامن،1426ھ- 2005ء
- قاموس الوعظ۔جلد اول۔پادری اسلم برکت۔ایم۔ اے۔ایم۔ڈیو۔نارووال۔سن اشاعت ۲۰۱۷ء
- کتاب مقدس، تکوین:۱:۲۷،بائبل سوسائٹی،انارکلی بازار،لاہور،۱۹۹۳ء
- کیرانوی،مولانا وحیدالزمان،القاموس الوحید،ادارہ اسلامیات،لاہور،۱۹۹۰
- ماہنامہ افکار معلم، تنظیم منزل،لاہور جولائی،۲۰۰۷
- مجمع الزوائد،الہیثمی،نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،دارالفکر،بیروت
- محمد امین،ڈاکٹر،اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش،مکتبہ بیت الحکمت،لاہور
- محمد امین،ڈاکٹر،اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش،مکتبہ بیت الحکمت،لاہور
- محمد عمر، مسلمان خاوند اور مسلمان بیوی،معارف اسلامیہ،لاہور،س ن
- محمد رواس قلعجی،حامد صادق قنیبی، معجم لغۃ الفقہاء،دار النفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع،ط،ثانی،۱۴۰۸ھ
- مدنی، معین الدین اکرمی ندوی:اسلامی قانونِ معاشرت، بھٹکل کرناٹک مرکزی خلیفہ جماعت المسلمین،۱۴۲۵ھ
- المسلم،ابوالحسن، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم،الریاض مکتبہ دارالسلام،الطبعۃ الثانی ۲۰۰۰ء
- مصری،سید محمد سابق،اسلام کا خاندانی نظام،مترجم،حافظ محمد اسلم شاہد روی،حدیبیہ پبلیکیشنز،لاہور
- معلم البستانی،محیط المحیط،(کلیہ لبنان،بیروت)
- المفردات في غريب القرآن،المؤلف: أبوالقاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني،دار القلم،الدار الشامية - دمشق بيروت،ط،اولی1412ھ-
- ملتانی، محمد اسحاق: معاشرتی حقوق وفرائض ازافادات شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی،ملتان ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
- مودودی،سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور
- الموسوعۃ الاسرۃ،عبدالمحسن عبداللہ الخرافی، کویت،ط،اولی،۱۴۲۴ھ
- موسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ،وزارۃ الاوقاف والشوؤن الاسلامیہ، کویت،۱۴۱۸ھ
- موسوعہ فقہیہ کویتیہ،وزارۃ الأوقاف والشؤن الإسلامیۃ—الکویت،ط،(من ۱۴۰۴ - ۱۴۲۷ھ)

- ندوی،بلال عبدالحہ حسینی:اصلاح معاشرہ سورہ حجرات کی روشنی میں،رائے بریلی سعید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات، طبع اول 1430ھ
- ندوی،شاہ معین الدین،دین رحمت،دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (2009ء)
- ندوی، محمد اسجد قاسمی،اسلام کا نظام عفت وعصمت، جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد یوپی انڈیا
- النسائی،ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب،الامام، سنن نسائی الصغریٰ،الریاض، مکتبہ دار لسلام،الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء

English Books:

- "Text of the Reform Judaism Gay Marriage Resolution"- Beliefnet. 2019- 2013
- Chambers English Dictionary, Cambridge, New York,1988
- Charter of Fundamental Rights of The Europen Union, Official Journal of European Communities
- Daniel H. Smith,god Bluerprint for your maariage,Emmaus Bible College United States of America, 1989
- Jean.Pierre Bagot,How to understand marriage,Sem Press Ltd,26-30 Tottenham Road London
- Jewish Encyclopedia,Funk and waggnals Compny,New York,1901
- Peters and de Vries, 'Apostasy in Islam'.By William Yardley Punishment for the apostasy in Islam Aug. 16, 2011
- Ref:Lippman,Mathew."Islamic Criminal law and Procedure:Religious Fundamentalism v Modern Law",12 B.C.Int'l& Comp.L.Rev.29.
- Universal declaration of human rights 1948